خزینۃ الاصفیا

ایک عظیم الشان تذکرۂ اولیاء و صوفیائے کرام

تصنیف

مفتی غلام سرور لاہوری

ترجمہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ

گنج بخش روڈ ○ لاہور

خزینۃ الاصفیاء



جلدِ اوّل : سلسلۂ قادریہ

خزینۃ الاصفیاء

مصنّف

مفتی غلام سرور لاہوریؒ

مترجمین

مفتی محمود عالم ہاشمی

علامہ اقبال احمد فاروقی

مکتبۂ نبویّہ - گنج بخش روڈ۔ لاہور

بار اول ــــــــــــــــ شوال المکرم سنہ ۱۴۱۰ھ

تعداد ــــــــــــــــ ایک ہزار

طباعت ــــــــــــــــ آفسٹ، سفید کاغذ، مجلد

ضخامت ــــــــــــــــ ۲۲ × ۱۶ / ۸ ــ ۳۲۸ صفحات

طابع ــــــــــــــــ مکتبہ جدید پریس لاہور

ناشر ــــــــــــــــ مکتبہ نبویہ ـ لاہور

قیمت ــــــــــــــــ روپے

فہرست اسمائے بزرگاں

مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ

۱۲۴۴ھ ——— ۱۳۰۷ھ

حضرت علامہ الحاج حکیم مفتی غلام سرور قریشی اسدی الہاشمی سہروردی چشتی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مفتی غلام محمد عارف باللہ قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ اپنے آبائی شہر لاہور محلہ کوٹلی مفتیاں میں ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ طب بھی انھی سے پڑھی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں بھی انھی سے بیعت تھے۔ پھر حضرت مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر علوم تفسیر و حدیث، فقہ و ادب، صرف و نحو، معانی و منطق، اصولِ فروع اور تاریخ و لغت کی تکمیل کی اور اپنے زمانے کے عالمِ نبیل، فاضلِ جلیل، بے مثال ادیب، بلند پایہ شاعر، بے نظیر تاریخ گو، مستند مورخ، شہرۂ آفاق سوانح نگار، ماہرِ علم لغت اور معلم اخلاق ہوئے۔ سرزمین پاک و ہند میں ایسے طبّاع، عالی دماغ، جامع علوم و فنون، حاملِ کمالاتِ صوری و معنوی شاذ ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ آپ نے اپنی بیش بہا اور بلند پایہ تصانیف سے علم و ادب کے ہر شعبہ کو مطالب و معانی اور حقائق و معارف کے گل ہائے رنگا رنگ سے بھر دیا۔

تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزاری۔ زندگی کا کچھ اوائل حصہ ملازمت میں بھی گزارا۔ چنانچہ پہلے کچھ عرصہ سردار بھگوان[1] سنگھ رئیس لاہور و جاگیر دار فتح گڑھ چونیاں کی جائداد کے نگران و مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کنھیا[2] لال ایگزیکٹو انجنیئر لاہور ڈویژن نے جو آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھا، اپنے

---

[1] لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھے۔ ان کا والد راجہ ہرنس سنگھ خلف راجہ تیجا سنگھ رنجیت سنگھ کے امرا میں سے تھا۔ جس کے سپرد کچھ عرصہ نظامت کشمیری بھی رہی تھی۔

[2] کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصل وطن جلیسر ضلع ایٹہ تھا۔ ہندی تخلص کرتے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

محکمہ میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازمت دلادی تھی مگر آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ درحقیقت آپ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لئے موزوں تھی۔ چنانچہ اسی فن میں شہرت و ناموری حاصل کی اور اسی شغل میں عمر عزیز صرف کر دی۔

آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد اشتیاق تھا۔ چنانچہ آپ نے جو نعتیں عشقِ رسولؐ میں ڈوب کر کہی ہیں وہ آپ کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

آخر آپ کی یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور آپ ماہ جون ۱۸۹۰ء کو اپنے حقیقی برادر زادہ مفتی جلال الدین خلف حضرت مولانا مفتی سید محمد کی معیت میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ حج کے بعد ۲۰۔ ذی الحجہ کو آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی۔ پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر جمعرات کے روز ۲۴۔ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ / مطابق ۱۴۔ اگست ۱۸۹۰ء کو دار البقاء کا سفر اختیار کیا۔

آپ نے وفات سے دو گھنٹہ پیشتر فرمایا تھا کہ میری نعش مدینہ منورہ لے جا کر جنت البقیع میں دفن کی جائے۔ اس امر کے لئے کوشش بھی کی گئی لیکن موسم کی خرابی اور بیماری ہیضہ کے پھیل جانے کی وجہ سے نعش کا وہاں تک لے جانا مشکل تھا، اس لئے مجبوراً منزل بیر بالا حسانی میں جو مضافات جنگ بدر میں سے ہے سپردِ خاک کئے گئے ؎

مٹی نہ ہو برباد پسِ مرگِ الٰہی!
جب خاک اُڑے میری مدینے کی ہوا ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹)

شعر و سخن میں کچھ عرصہ مولوی احمد بخش بیتل سے بھی اصلاح لی تھی۔ فارسی و اردو میں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مثلاً:

۱۔ رنجیت نامہ منظوم فارسی میں ہے۔ رنجیت سنگھ کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں۔

۲۔ نگارین نامہ (قصہ ہیر و رانجھا) یہ بھی فارسی نظم میں ہے۔

۳۔ تاریخ پنجاب ۴۔ تاریخ لاہور اردو نثر میں ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اخلاق ہندی، بندگی نامہ، نصیحت نامہ، گلزار ہندی، فارسی و اردو نظم میں ہیں۔ زبان سیدھی سادی ہے۔ خیالات اتنے بلند نہیں۔ فارسی کلام اوسط درجے کا ہے اور تصوف و اخلاق کا رنگ غالب ہے۔

جناب مولانا غلام دستگیر قصوری[1] نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس طرح آپ کی یہ دلی آرزو پوری ہوئی کہ حجاز جاؤں تو واپس نہ آؤں۔ فرماتے ہیں:

ارادہ ہے کہ جب یثرب کو جاؤں یا رسول اللہ ﷺ ۔۔۔ وہاں سے واپس ہرگز نہ آؤں یا رسول اللہ ﷺ

آپ کے آخری دیوان وصالِ سرور میں ایک نعتیہ غزل ہے جس کا عنوان ہے:

غزل در اظہار زیارت حرمین الشریفین

اس نعتیہ غزل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مکہ معظمہ میں متعدد نعتیہ غزلیں لکھی تھیں جنہیں آپ روضہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر پڑھنا چاہتے تھے مگر قدرت نے اتنی مہلت نہ دی اور آپ کی یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی:

ہے پہنچا سرورِ عالم کے آج گھر سرور ۔۔۔ کھڑا ہے صورتِ دیوانہ زیرِ درسرور

اب اپنے در پہ اسے رکھیو کہ آئندہ ۔۔۔ پھرے جہاں میں نہ آوارہ دربدر سرور

زیارتِ روضۂ اطہر کے متعلق بھی ایک قطعۂ تاریخ لکھا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھوں گا۔ لیکن یہی قطعۂ تاریخ آپ کی تاریخِ وفات بن گیا۔

"ابھی سرور نے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی" ۱۳۰۱ھ

دیگر قطعاتِ تاریخ وفات:

از مفتی غلام صفدر فوقانی وکیل

در رہِ یثرب بہ شوقِ روضۂ پاکِ رسول ۔۔۔ سرور آں شیدائے احمد یافت در جنت مکاں

سالِ ترحیلش سروشِ غیب در گوشِ دلم ۔۔۔ زد ندا "سرور معلی منزلت رفت از جہاں"

از مفتی محمد چراغ دین روشن اوورسیر

مفتی غلام سرور چوں رفت از جہاں ۔۔۔ گفتم بدل کہ روشن تاریخ آں بگو

---

[1] علمائے اہلسنت میں شہرۂ آفاق تھے۔ علوم معقول و منقول میں ماہر تھے۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری مجددی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ تمام عمر عقائد باطلہ کے خلاف زبان و قلم سے جہاد کیا۔ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار قصور میں ہے۔ "مغفرلہ" تاریخ وفات ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے "تذکرہ علمائے لاہور" مولفہ علامہ اقبال احمد فاروقی ملاحظہ فرمائیں۔

بعد از تاملے پئے تاریخ رحلتش! گفتا غلام سرور صدرِ جہاں بگو
۱۸۹۰ء

از ڈاکٹر سید علی الفت

رفت ز دنیا چوں سوے عقبیٰ! عاشق روئے پیمبر سرور!!
الفتِ غمگیں سالِ وفاتش گفت یتیم مسافر سرور
۱۳۰۷ھ

از مفتی غلام اکبر وکیل

عاشقِ صادق جنابِ رسولؐ گئے دنیا سے جانبِ عقبیٰ
سالِ تاریخِ رحلت اکبرؔ نے شمس علم عاشق رسولؐ لکھا
۱۳۰۷ھ

از حکیم مفتی محمد انورؔ

کرد سرورؔ چوں سفر اندر سفر سوئے حق زیں عالمِ ناپائیدار
بہر سالِ ارتحالش انورا!! گو وصالِ سرور عالی تبار
۱۳۰۷ھ

از مولانا پیر غلام دستگیر نامیؔ[1]

جو کہ مفتی غلام سرور تھے چاہیے ان کی برملا تاریخ
چل دیا عاشقِ رسولِؐ خدا آج سرورؔ ہے نامیا تاریخ
۱۸۹۰ء

دیگر

گئے راہِ مدینہ میں گزر آہ جو تھے اک شہرۂ آفاق سرور

---

[1] غلام دستگیر نام، نامی تخلص، والد کا نام پیر حامد شاہ تھا۔ حضرت شیخ عبد الجلیل چوہڑ شاہ بندگی قریشی سہروردی المتوفیٰ ۹۱۰ھ کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۰۵ء میں سرکاری ملازم ہو گئے۔ مدت تک سنٹرل ٹریننگ کالج میں خزانچی رہے۔ ۱۹۳۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ اعلیٰ درجہ کا علمی و ادبی مذاق رکھتے تھے۔ نظم و نثر اور تاریخ گوئی میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ مسائل وراثت پر پورا عبور حاصل تھا۔ انیس الوارثین، اسلامی قانونِ وراثت، تاریخ جلیلہ، بزرگانِ لاہور آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کو لاہور میں وفات پائی اور رتہ پیراں میں دفن ہوئے۔

ہوا القا، پئے تاریخ ناتی — قلم لے کر لکھو "مشتاق سرور"
۱۳۰۹ھ

چار فرزند ۱۔ مفتی غلام حیدر ۲۔ مفتی غلام صفدر ۳۔ مفتی غلام اکبر ۴۔ مفتی محمد انور
اور ایک دختر اقبال بیگم اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

آپؒ شگفتہ مزاج، خلیق و شفیق، مرنجاں مرنج، عابد و زاہد اور صوفیٔ باصفا تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزاری۔ عشقِ رسولؐ آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ صحابہؓ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے بے حد محبت و عقیدت تھی۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے والہانہ ارادت تھی۔ چنانچہ دیوانِ سروری آپ کی منقبت میں پورا دیوان لکھا ہے۔ آپؒ کے خاندان کے تمام بزرگ اہلسنت، حنفی المذہب، مفتیٔ وقت اور جامع شریعت و طریقت ہوئے ہیں اور اصلاحِ باطن کے صوفیانہ طریقوں کو آپ کے خاندان میں ہمیشہ ممتاز جگہ حاصل رہی ہے۔

علومِ شریعت و طریقت، تفسیر و حدیث، تاریخ و ادب کا کوئی بھی مسئلہ ہو، اس پر بے تکلف گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ مسئلہ کے اسرار و رموز مع تمام جزئیات کے اس طرح بیان کرتے تھے کہ ادق سے ادق مسئلہ بھی نہایت خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہوجاتا تھا۔

بات بات پر تاریخ کہتے تھے۔ حلقۂ احباب بڑا وسیع تھا۔ چھوٹے بڑے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ اہل علم کی مجلس میں ممتاز مقام پاتے۔ اہل ذوق آپ کی صحبت کو غنیمت تصور کرتے۔

بایں ہمہ طبع عالی میں حد درجے کا استغنا تھا۔ حکامِ وقت سے ملنا ناپسند کرتے تھے۔ تمام عمر اسی مسلک پر قائم رہے۔ پنڈت بیج ناتھ[۲]، فقیر شمس الدین[۳] اور ڈاکٹر لائٹنر رجسٹرار

---

[۱] اس علمی خاندان کے مفصل حالات "ذکرِ جمیل" مؤلفہ مفتی محمود عالم ہاشمی میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

[۲] دیوان اجودھیا پرشاد المتوفی ۱۸۰۰ء جو رنجیت سنگھ کی فوج میں دیوانی عہدہ رکھتے تھے، ان کے فرزند تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیل دار تھے۔ ۱۸۰۲ء میں پنشن لے لی تھی۔ آخری عمر میں جوالاجی کی یاترا کو گئے اور وہیں ہیضہ میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

[۳] فقیر نورالدین المتوفی ۱۸۰۵ء جو رنجیت سنگھ کے دربار کے رکن رکین تھے اُن کے فرزند دوم تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے پھر پنشن لے لی تھی۔ کچھ عرصہ لاہور کے آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ اخلاقِ حمیدہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

پنجاب یونیورسٹی نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حکامِ وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے میں گریز نہ کیجئے۔ آپ ایسے فاضل مصنف کی حکومت کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتابیں مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی مثالیں دے کر قائل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا: "نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ ان سے الگ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹنر[۱] کے اصرار کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کا اعزازی فیلو بھی بننا منظور نہ کیا ہو اور نہ کرنل ہالرائڈ[۲] ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۳)

اور اوصاف پسندیدہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

[۱] ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لائٹنر ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نہایت باذوق اور صاحبِ علم و فضل انسان تھے۔ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں ترکی چلے گئے تھے۔ وہاں عربی، فارسی اور ترکی زبان سیکھی۔ ۱۸۵۶ء میں برطانیہ کی فوج میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے تھے مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملازمت ترک کر کے پادری بن گئے۔ پھر اسے بھی چھوڑ کر اسلامی قانون پر لکچر دینے لگے۔ ۱۸۶۴ء میں ہندوستان آ گئے۔ پہلے گورنمنٹ کالج پھر اورینٹل کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی ہو گئے۔ عرصۂ دراز تک اسلامی ممالک کی سیاحت کی تھی۔ اس دوران میں اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا اسلامی نام ملا عبدالرشید سیاح رکھا تھا اور اسلام کی تصدیق میں بخارا و سمرقند کے علمائے تصدیق نامہ حاصل کر لیا تھا۔ لاہور کے زمانہ قیام میں تاریخ اسلام دو جلدوں میں اُردو زبان میں مولوی کریم الدین کی امداد سے لکھی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں لاہور سے چلے گئے تھے۔ ووکنگ لنڈن کی مسجد انہوں ہی نے بنوائی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں جرمنی میں وفات پائی۔

[۲] ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۰ء تک ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب رہے۔ ۱۸۷۴ء میں انگریزوں کے ایمائے انگریزی زبان و ادب کو فروغ دینے کے لئے جدید شاعری کا سنگِ بُنیاد رکھا گیا۔ اسی زمانے میں طلبۂ مدارس کے لئے انگریزی سے اردو میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ ان کتابوں کی زبان درست کرنے کے لئے مولانا محمد حسین آزاد

(باقی اگلے صفحہ پر)

اُس نئی ادبی تحریک میں شامل ہو گئے جو انگریزوں کے ایماء اور ان کی سعی و امداد سے ہوئی، اور میں سیاسی مقاصد کے استحکام کے لئے شروع ہُوئی تھی۔ اس تحریک کے روحِ رواں مولانا محمد حسین آزادؔ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲)

اور مولانا الطاف حسین حالیؔ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک بزمِ مشاعرہ قائم ہوئی۔ اس مشاعرہ میں مختلف عنوانات پر نیچرل اور اخلاقی نظمیں پڑھی جانے لگیں۔ انہی تراجم کے ذریعے سے مولانا آزادؔ اور مولانا حالیؔ کو انگریزی ادب سے واقفیت ہُوئی، وہ بھی نیم پختہ۔ جس کے سامنے ان بزرگوں اور ان کے ہم نواؤں نے نیاز پاشی شروع کردی۔ ظاہر انظر میں کرنل ہالرائڈ کا عہد اردو زبان کی توسیع میں ایسا ہی قابلِ قدر ہے جیساکہ فورٹ ولیم کالج میں جان گلکرسٹ اور دوسرے انگریز مستشرقین کا۔ مگر ہمیں اس خوش فہمی کے ساتھ یہ بھی نہیں بھُولنا چاہئے کہ یہ ادب نوازی محض سیاسی استحکام کے لئے تھی۔ ۱۸۶۷ء میں اُردو ہندی کا جھگڑا انگریز مستشرقین اور انگریز حکمرانوں ہی نے پیدا کیا تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں زبان کی آڑ میں دائمی افتراق کا بیج بویا، جس نے آگے چل کر مکمل سیاسی صورت اختیار کرلی۔ یوپی میں اُردو کی مخالفت سرسید مرحوم کی وفات کے قریب زمانے ہی میں پیدا ہوگئی تھی جو رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی۔ ۱۸۹۵ء میں جب سر انٹونی میکڈانل صوبے کے گورنر ہوئے تو ہندی کے حامیوں کے حوصلے بڑھے۔ اس کے تعاون کی وجہ سے اردو زبان کی بجائے بہاری زبان اور فارسی حروف کے بجائے کیتھی حروف رائج ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں صوبے کے معزز ہندوؤں نے پھر ایک عرضداشت پیش کی کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچہریوں میں بجائے اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کے ہندی بھاشا اور ناگری رسم الخط جاری کیا جائے۔ ۱۹۰۰ء میں سر انٹونی میکڈانل کی حکومت نے حکم صادر کیا جس کی رُو سے اُردو کے ساتھ ہندی کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا۔ نواب محسن الملک کے زمانے میں جبکہ وہ علی گڑھ کالج کے سیکرٹری تھے۔ اُردو کی حمایت و حفاظت کے لئے ایک انجمن قائم ہُوئی جس کا ایک عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں ہوا۔ اس میں نواب محسن الملک نے بڑی پُرجوش تقریر کی جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہُوا اور اُردو کی حمایت میں جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سر انٹونی میکڈانل اس وقت صوبے کے گورنر تھے اور ہندی کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے اہل انجمن کو کچھ ایسی دھمکی دی کہ انجمن ٹوٹ گئی۔ اُردو کی تحریک کو ختم کردیا گیا لیکن اس کشمکش کا ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر گہرا اثر پڑا اور حکومت کی وفاداری کی وہ عمارت جو سرسید مرحوم اور ان کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور مولانا حالیؔ تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو تعلیمی نظام رائج کیا جا رہا تھا وہ کسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے قومی مزاج کے موافق نہ تھا۔ انگریز مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ اُن کا دینی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور علمی زوال بھی چاہتا تھا اور اس کے بغیر وُہ کامیابی کے ساتھ حکومت نہیں کر سکتا تھا۔

اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا تھا کہ جب تک اسلامی تعلیم اور اسلامی مدارس کو بتدریج ختم کر کے اس کی جگہ انگریزی تعلیم، تمدن اور معاشرت کو اس طرح رائج نہ کیا جائے جو ذہنوں کو بالکل مسخ کر دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے دینی، تہذیبی اور علمی و ادبی تفوق کو یکسر فراموش کر گئی۔

اکتسابِ علوم و فنون کی افادیت اپنی جگہ مسلّم۔ نہ اس سے کوئی منکر اور نہ اس سے کسی زمانہ میں مفر۔ اس لئے کہ معاشرہ جامد و ساکن نہیں ہے۔ مسائل حیات علوم و فنون کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ لسانی و معاشرتی تقلید سے احساس برتری کو ضرور نقصان پہنچا ہے۔ ابتدا میں علمائے نے جو انگریزی کی مخالفت کی تھی اس میں درحقیقت یہی جذبہ کارفرما تھا۔ نہ اکتسابِ علومِ جدیدہ کی مخالفت تھی اور نہ محض انگریزی زبان پڑھنے کی۔ بلکہ اس تمدن و معاشرت کی مخالفت کی جو انگریزی ذریعہ تعلیم سے پھیلائی جا رہی تھی۔

چنانچہ اس وقت مدارس کے لئے جو علمی و ادبی کتابیں انگریزوں نے ترجمہ کرائیں یا تصنیف و تالیف ہوئیں ان کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ اپنا سب کچھ بھول جاؤ۔ اپنی تاریخ کو فراموش کر دو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵)

رفقائے کار نے بڑی کوشش سے قوم کے دلوں میں تعمیر کی تھی وہ بالکل گرنے سے تو بچ گئی مگر اس میں شگاف ضرور پڑ گئے۔ یہ ہے انگریزوں کی اردو ادب نوازی کا سیاسی پس منظر۔ بلکہ موجودہ مصنوعی ہندی جس کو بھارت اپنا رہا ہے، انگریز مستشرقین نے ہندی ادبا سے ان کا جذبۂ قومیت ابھار کر پیدا کرائی ہے۔ انہوں نے صرف یہ کیا کہ عربی و فارسی کے وُہ عام فہم الفاظ جو صدیوں سے اُردو زبان میں استعمال ہو رہے تھے، نکال کر ان کی جگہ بھاشا و سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ داخل کر دیئے۔

انگریزی ادب کے سامنے اسے مہمل، غیر فطری اور بے معنی سمجھو۔ مسلمان حکمران ظالم اور متعصب تھے۔ اب انگریزی راج کی برکتیں یاد کرو اور پہلا سبق یہ پڑھو' ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ باپ حقہ پی رہا ہے۔"

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

انگریزوں کو اس وقت ایسے اہل قلم اور ایسے مدبرین کی ضرورت تھی جو انہیں تعلیمی نظام کے رائج کرنے میں بھی مدد دیں اور ان کے سیاسی استحکام کا بھی سبب بنیں۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ آپ تادمِ زیست اس اپنے مسلک پر قائم رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔

۱۸۸۴ء میں سر سید مرحوم نے علی گڑھ کالج کی مالی امداد کے لئے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دیرینہ دوست خان بہادر ڈپٹی برکت علی[1] کے ہاں فروکش ہوئے۔ خان بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمایندہ جلسہ اپنی کوٹھی واقع بیرون موچی دروازہ میں بلایا جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خان بہادر نے آپ کا تعارف سر سید سے کرایا۔ سر سید آپ کی ذات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے، نام سُنا ہوا تھا اب مل لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام آپ کے سپرد کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے فرمایا، سید صاحب! میں اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوں۔ میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی ہے یہ اس مقصد کے لئے بہت مفید ہیں اور پھر جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہے اور یہ چیزیں یہاں نہیں دیکھتا۔ سر سید آپ کا جواب سُن کر خاموش ہو رہے۔

---

[1] انجمن اسلامیہ کے بانی، لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو، سر سید کے معاون و مددگار اور علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی تھے۔ ۱۸۸۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور اپنی تمام سرگرمیاں مسلمانوں کی تعلیمی و معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے لئے وقف کر دیں۔ نہایت خلیق، حلیم اور صاحب مروت تھے۔ اصلی وطن شاہجہان پور تھا۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

تصانیف

کُل اکیسؔ ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ اور اہم ہیں۔ مذہبی مباحث میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اپنے دماغ و قلم کو شعر و ادب، تاریخ و سوانح نگاری اور علم لغت تک ہی محدود رکھا ہے۔

۱۔ گلدستۂ کرامات ۱۲۷۷ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نولکشور لکھنؤ سے چار بار، دہلی سے دو بار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت شیخ محی الدین سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ المتوفیٰ ۵۶۱ھ کے مناقب میں ہے۔

اس میں کُل اکیانوے مناقب ہیں۔ کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی اکیانوے سال تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ جیسا کہ خود فاضل مصنف نے دیباچہ میں رقم فرمایا ہے۔

۲۔ گنجینۂ سروری معروف باسم تاریخی گنجِ تاریخ
۱۲۸۴ھ

تمام کتاب نظم و نثر فارسی میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلفائے راشدین، خلفائے بنوامیہ، خلفائے بنوعباس و دیگر سلاطینِ اسلام اور مشاہیر صوفیاء و علماء و شعراء کی ولادت و وفات کی تاریخیں لکھی ہیں اور حاشیہ پر شخصیتوں کے تعارف کیلئے مختصر حالات لکھے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت اور اس کی افادی حیثیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب میں کم و بیش دس ہزار مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے اور خاص خاص قادر الکلام شعراء ہی اس میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ اب تک مومنؔ و ناسخؔ ہی اس فن میں باکمال سمجھے جاتے تھے مگر گنج تاریخ اور خزینۃ الاصفیاء دیکھنے کے بعد ان اساتذہ کا کمال اس فن میں بے حقیقت نظر آتا ہے۔ اکثر و بیشتر مادہ ہائے تاریخ حسبِ حال ہیں اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مادہ ہائے تاریخ میں تخرجہ یعنی کچھ الفاظ خارج کرنا اور تعمیہ یعنی کچھ الفاظ جوڑنا۔ اس کا کچھ جھگڑا نہیں۔ پورا مادۂ تاریخ ایک لفظ یا دو لفظوں یا نصف مصرع یا پورے مصرعے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وصال

لفظ ہُو اور احب سے نکالی ہے۔ مثلاً:

چوں محمد از جہاں پوشید رو | مثلِ خورشید جلوہ گر اندر جناں
محو ہُو بود است ذاتِ پاک او | گشت از ہُو سالِ ترحیلش عیاں
بود ذاتش مخزنِ حبِ خدا | سالِ ترحیلش احب اے جواں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات احد، وجد، جہاد، ولی سے نکالی ہے۔ مثلاً:

حضرتِ صدیق اکبرؓ یارِ غار | عالمِ دیں والیٔ کون و مکاں
صادق و صدیق و غم خوارِ نبی! | درویش عشق محمد ہم چو جاں
یارِ دلدارِ جنابِ مصطفیٰ! | شد چو از دنیا بخلد جاوداں
وجد کن تحریر یا لفظ جہاد | یا احد یا جود وصلش کن بیاں
باز چوں جستم وصالِ پاک او | شد ندا از دل ولی از جہاں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات لفظِ پاک، وحی، ہدیہ، جاوید سے نکالی ہے مثلاً:

چوں عمر چوں گنج زیرِ خاک رفت | روحِ پاکش بر سرِ افلاک رفت
پاک شد سالِ وصالِ او عیاں | یعنی پاک آمد بدنیا پاک رفت

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات الٰہ اور اہل سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات زاہد پاک اور ہادی ہادی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی محب اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حبیبِ ازل۔ حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش کی تاریخ وفات پیر لاہوری، شمسِ دین اور گلشنِ دین ہے۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی تاریخ ولادت رہبرِ دین اور تاریخ وفات امیر المومنین ہادیٔ دین ہے۔ غرض اس قسم کے بے شمار مادہ ہائے تاریخ اس کتاب میں ملیں گے۔

آغازِ کتاب میں نہایت پُر سوز اور فصیح و بلیغ حمد باری تعالیٰ۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت صحابہ رضی اللہ عنہ تحریر کی ہے۔ اس کے بعد تشریح و تقسیم کتاب کو بیان کیا ہے جو

آٹھ ابواب پر منقسم ہے۔

در تشریح و تقسیم این کتاب کہ بہ ہشت مخزن منقسم است

بہر ذکر خیر پیرانِ کرام   یافتہ این گنج تاریخ انتظام
نیز در ذکر شہانِ با وقار   دادہ ام این گنج خود را افتخار
جا بجا تاریخ ہر یک گفتہ ام   طرفہ تر در نظم گوہر سفتہ ام
نامِ تاریخی ز بہرِ این کتاب!   گنج تاریخ آمدہ اندر حساب (۱۲۸۴)
کردہ ام تقسیم اندر ہشت گنج   تا بیابی حصہ بے دست رنج
(۱) مخزنِ اول رقم اے نیک نام   گشت در ذکر شہ خیر الانام
نیز سالِ فوتِ اصحابِ کبار   شد در و ترقیم اے عالی وقار
باز در ذکرِ امامانِ کرام!!   ختم شد گنجِ نخستین والسلام
(۲) گنج ثانی شد مہیا اے اخی!   در بیانِ اولیائے قادری
(۳) گنجِ ثالث آمد اے نیکو سرشت   بہر ذکر خاندانِ اہلِ چشت!
(۴) چہارم شد بہ طرز دل پسند   ذکر خیر اولیائے نقشبند!!
(۵) کردہ ام در مخزنِ پنجم عیاں   شرح حال سہروردیہ عیاں
(۶+۷) گنج ششم ہست در متفرقات   ہفتمیں ذکر نسا و عارفات
(۸) گنج ہشتم را من اے والا ہمم   کردہ ام در یازدہ حصہ رقم!
حصہ اول چو کردم ابتداء   بجزوٗ زو دادم بنی امیہ را
حصہ ثانی چو شد از من عیاں   شد بنی عباس را در وے بیاں
حصہ ثالث ز روئے آگہی!   شد در و ذکر شہانِ غزنوی
حصہ چہارم چو آمد بر قلم   گشت در وے ذکرِ غوریہ رقم
پنجمیں خلجیہ آمد در شمار   تغلقی ششم بداں اے باوقار
خضر خانی را بہفتم کن نظر   ہشتمی لودیہ اے والا گہر
در نہم چنگیزی است اے نیک خو   نیز تیموری و چغتائی بگو

شد رقم اندر دہم اے نوجواں! | حالتِ شاہانِ متفرق بیاں
حصۂ احدی عشر اے جانِ من | گفتہ ام در ذکر امرائے زمن
نیز ذکر شاعرانِ ہوش مند! | شد بیان در وے بطرزِ دل پسند
جامعِ ایں جملہ گنجِ مختصر | بندۂ پُرعیب و خالی از ہنر
سرورم نے نے غلام سروَرم | زیب در تاجِ غلامی بر سرم
ہست پیشِ شاعران با ہنر | دعویٰ شاگردی ام بس سربسر
ذرہ ام در پیشِ نورِ آفتاب! | بلکہ چوں خاشاک پیشِ بحرِ آب
زیں سبب دارم بصد عجز و ندا | در جناب حضرتِ شاں التجا
بر خطاہائے کہ باشد در کتاب | خامۂ اصلاح رانند از ثواب
در نہ بہ نہند از سرِ لطف و سخا! | بر خطائے پر خطا دستِ عطا
ہر کہ برایں پر خطا احسان کند | دایماً بروے خدا احسان کند
پردہ پوشی کن کہ ستار العیوب | بندگاں را ہست غفار الذنوب
یا الٰہی بہر آلِ فاطمہ! | وقتِ رحلت کن بر ایماں خاتمہ
یا الٰہی بہرِ اولادِ علی | دار مارا از محبانِ نبیؐ!
یا الٰہی بہر اصحابِ رسول | کن دعائے سروَر بیدل قبول

یا الٰہی بہرِ پیرانِ کرام!
دار مارا در دو عالم نیک نام

۳۔ تاریخ مخزنِ پنجاب: یہ ملکِ پنجاب کی بسیط تاریخ اور جغرافیہ دونوں کی حامل ہے۔ اس میں پنجاب کے مشہور شہروں، قصبوں، دریاؤں، پہاڑوں نیز مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشہور تاریخی مقامات اور مختلف فرقوں کے حالات درج ہیں۔ ساتھ ہی تاریخ کشمیر، لداخ و کشتواڑ بھی شامل ہے۔ اس تاریخ کی تحریک گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے ہوئی تھی۔ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دیوان بیج ناتھ اور فقیر شمس الدین کی وساطت سے یہ تاریخ لکھوانی چاہی اور ان حضرات نے آپ کو بہزار مشکل آمادہ بھی کر لیا۔ مگر اتفاق ایسا ہُوا کہ آپ بعارضۂ تپ و آشوب چشم بیمار ہو گئے اور صحتیاب

ہونے میں تین چار مہینے لگ گئے ۔ گورنمنٹ اس کتاب کی تالیف جلدی چاہتی تھی۔ اس لئے یہ کام قاضی تاج الدین لاہوری[1] کے سپرد ہوا۔ انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ نامکمل سی تاریخ لکھ کر پیش کر دی جو نہ تو حکومت کو پسند آئی اور نہ مقبول عام ہوئی۔ آپ نے صحت یاب ہونے کے بعد بطور خود ایک سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد حالات فراہم کر کے اسے مکمل کیا۔ چنانچہ کتاب مذکور کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

بندۂ احقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری خدمتِ صاحبانِ علم و ہنر کے بیان کرتا ہے کہ جب راقم کتاب گلدستۂ کرامات، خزینۃ الاصفیاءُ گنج تاریخ کی تالیف و تصنیف سے فراغت پا چکا، فارغ نہ بیٹھ سکا اور ارادہ کیا کہ اور کتاب پنجاب کے ملک کے احوال میں بہ زبان اُردو لکھی جائے۔ اس شوق میں ایک سال کامل تلاشِ کتب در پیش رہی اور بہت سی سعی کے بعد جس قدر احوال بذریعہ کتب فارسی و انگریزی کے حاصل ہوا۔ زیبِ اندراج پایا۔ مخزن پنجاب نام رکھا۔ پانچ حصوں اور پچیس تقسیموں میں منقسم ہوا۔

پہلا حصہ ستلج پار سے میدانی ملک کے حال میں جو فی زمانا گورنمنٹ پنجاب کے متعلق ہے۔

دوسرا حصہ دریائے ستلج کے داہنے کنارے سے لے کر پنجاب کے میدانی اور مغربی پہاڑ اس میں آٹھ تقسیمیں ہیں۔

تیسرا حصہ پنجاب کے کوہِ شمالی اور ان علاقوں کے احوال میں۔ اس میں پانچ تقسیمیں ہیں۔

چوتھا حصہ پنجاب کے حاکموں اور فاتحوں کے ذکر میں۔ سلاطینِ غزنوی سے چغتائی و درانی سلطنت کے آخر تک۔

پانچواں حصہ پنجاب کے میدان اور کوہستان، مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور مزارات و مقابر کا ذکر، ہندو اور مسلمان قوموں کا بیان اور مذاہب و عقائد کی تفصیل۔

۱۲۸۵ھ میں لکھی گئی۔ لاہور اور مطبع نولکشور سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔" عجیب ہے

---

[1] خاندانِ قاضیانِ لاہور میں سے تھے۔ ان کے والد قاضی امام الدین، قاضی مسیح الدین قاضیٔ لاہور کے بھائی تھے۔ انگریزی عہد میں قاضی سراج الدین سررشتہ دار تھے اور ان کے بھائی قاضی فقیر الدین داروغہ نزول تھے۔

مخزنِ حالات پنجاب" اس کا مادۂ تاریخ ہے۔

۴۔ گلشن سروری: منظوم کتاب ہے۔ اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مدن کے تمام مسائل سلیس اور فصیح و بلیغ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ طرزِ بیان نہایت موثر ہے۔ نیک اعمالی اور بد اعمالی کا شاید ہی کوئی باب چھوڑا ہوگا۔ ۱۲۸۹ھ میں کتاب لکھی گئی۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں متعدد بار چھپی۔ محکمۂ تعلیم پنجاب اور والیان ریاست ہائے پنجاب و ہند نے مصنف سے سینکڑوں جلدیں خریدیں۔

"گلشنِ تازۂ سروری" اس کا مادۂ تاریخ ہے۔

۵۔ دیوان سروری: اُردو نظم میں ہے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی منقبت میں ہے۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں کئی مرتبہ چھپا۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا۔

۶۔ حدیقۃ الاولیاء: اُردو نثر میں ہے اور صرف انہی اولیائے کرام کا ذکر ہے جو پنجاب میں گزرے ہیں۔ سببِ تالیف اس طرح رقم طراز ہیں:

در اظہار باعث تالیف کتاب حدیقۃ الاولیاء

اس کتاب کی تالیف سے پہلے بھی احقر المحتقر غلام سرور خلف مولانا مفتی غلام محمد قریشی ہاشمی سہروردی لاہوری اولیائے کرام و پیرانِ عظام کے حال میں ایک کتاب خزینۃ الاصفیاء بزبانِ فارسی تالیف کر چکا ہے جو دو مرتبہ لاہور اور لکھنؤ میں چھپ کر تحفۂ نظر اربابِ شوق ہو چکی ہے۔ اس میں ہر ایک سلسلہ اور خاندان کا ابتداء سے اس زمانے تک ہے۔ اب میرے واثق محبان قدیم و صادق دوستان صمیم میں سے امام الدین حکیم مدح خوان رسول کریم میرے مکلف حال ہوئے کہ ایک اور مجموعہ مختصر اُردو زبان میں لکھے جس میں ملک پنجاب کے اولیاء کا حال ہو۔ یعنی دہلی سے پشاور تک جس قدر علاقہ اس وقت پنجاب کے ساتھ متعلق ہے اور مشہور اولیاء کے مزار اس میں ہیں۔ سب کا حال ضروری ضروری اس میں تحریر ہو۔ پس ایک دوست کے فرمانے اور دلی محبت جو قدیم سے مجھ کو اولیاء اللہ کے ساتھ ہے، اس کام پر مجھ کو آمادہ کیا۔ اب خداوند تعالیٰ سے امداد چاہتا ہوں کہ یہ کام بخیر و خوبی انجام پائے اور بعد میرے یہ کتاب دنیائے فانی میں یادگار رہ جائے۔ آمین۔ اس کتاب کا نام حدیقۃ الاولیاء رکھا گیا اور سات چمنوں پر تقسیم ہوئی"۔

پہلا چمن مشائخ قادریہ کے احوال ہیں۔
دوسرا چمن مشائخ چشتیہ کے احوال ہیں۔
تیسرا چمن مشائخ نقشبندیہ کے احوال ہیں۔
چوتھا چمن مشائخ سہروردیہ کے احوال ہیں۔
پانچواں چمن مشائخ متفرقات۔
چھٹا چمن مجانین و مجاذیب کے احوال ہیں۔
ساتواں چمن عوراتِ صالحات کے ذکر ہیں۔

قطعۂ تاریخ

یہ کیا اچھا ہے سرور کا حدیقہ — یہ کیا باغ و بہارِ اولیاءُ ہے
نہیں داخل خزاں اس بوستاں میں — کہ باغِ اتقیاء و اصفیاءُ ہے
کہاں ہے باغ کوئی اسکے ہم رنگ — کہ یہ گلزار فیض کبریا ہے
یہ ہے سرسبز باغ اہلِ عرفاں! — کہ جس پر عندلیب دل فدا ہے
کہیں سبزہ کہیں غنچہ کہیں گل — کہیں سنبل کہیں لالہ کھلا ہے
غرض رُوئے زمیں پر مثلِ فردوس — بنا سرور کا یہ بستاں سرا ہے

کہا رضواں نے بہر سال تالیف
کہ گوناگوں حدیقۂ خوش نما ہے ۱۲۹۲ھ

خاتمۂ تالیف کتاب منجانب مولف

الحمد للہ والمنۃ کہ یہ کتاب حدیقۂ بے خار و گلزار تازہ بہار بفضلِ کردگار یعنی تذکرۂ ابرار فی اخبار حضرات الاخیار۔ عین موسم کے وقت پھل پھول لایا۔ مولف نے اپنا دلی مطلب پایا۔ مقام شکر و تسلیم ہے کہ خداوند کریم نے مجھ عاصی و روسیاہ گنہ گار کو اپنے دوستوں کا مشتاق بنایا ہے۔ محبت کا راستہ دکھایا ہے اور یہ توفیق دی ہے کہ میں کسی قدر اپنے وقت عزیز کو حضراتِ اولیاء کے ذکر میں صرف کروں اور ان کی الفت سے بہرہ پاؤں۔ اگرچہ میں ناکارہ کجا اور یہ کار کجا مگر یہ شوق مجھ کو صرف حضرت غوث الثقلین، محبوب سبحانی، قطب ربانی سید سلطان محی الدین عبد القادر جیلانی کی محبت

ہیں حاصل ہوا اور محض یہ حضرتِ محبوب کی توجہ ہے کہ مجھ بے کار آدمی سے ایسے ایسے کار سرزد ہونے لگے بلکہ ایک عاجز و ناتواں کو یہ قوت بخشی گئی کہ پہلے اس سے کتاب خزینۃ الاصفیاء تمام بزرگوں کے حال میں اس نے لکھی۔ مگر وہ کتاب فارسی تھی اور بہت بڑی تھی اور شائقین ملک پنجاب کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا تھا کہ کتنے بزرگ پنجاب کے ملک میں صاحبِ طریقت گزرے ہیں۔ اب اس مختصر اُردو زبان کی کتاب لکھنے میں وہ دقت رفع ہو گئی۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو اولیاء اللہ کی محبت کا شائق کرے اور خدا کرے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا ہادی پیرِ طریقت مل جائے کہ اس کی راہ نمائی سے میرے جیسے گمراہ راہ پر آئیں۔ خدا کی محبت کا راستہ پائیں کیونکہ اب یہ لوگ عنقا ہو گئے ہیں اور محبت کا حرف لوگوں کے لوحِ سینہ سے صاف ہو گیا ہے باطنی تو کجا ظاہری محبت کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ جو مسلمان پہلے اپنی زبان سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وُہ ذرا سے اپنے فائدہ کے لئے دوستوں سے ایسے روگرداں ہوتے ہیں کہ مُنہ دکھانا اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ خیر

قطعہ

مردمانے کہ اندریں حین اند! | گہ ملائک گہے شیاطین اند
بہ ہمیں مرداں بباید ساخت | چہ تواں کرد مرداں ایں اند

حضرات اہل محبت و عرفان کی محبت ہے۔ ایسے ناپرساں وقت میں جس کو خداوند تعالیٰ نصیب کرے، غنیمت ہے۔ گو بظاہر کوئی صاحبِ محبت نہیں ملتا۔ مگر باطنی نسبت اُن خدا دوستوں کے ساتھ جو اس ناپرساں وقت سے اوّل گزر چکے ہیں، رکھنی ایک ضروری امر ہے اور یہ ہماری ذریعہ گنہ گاروں کی بخشش کا خدا کے حضور میں ہوگا۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ:

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

قطعاتِ تاریخ خاتمہ اس کتاب کے جو میرے عزیزوں نے لکھ دیئے ہیں وُہ درج ذیل ہیں:

رائے بہادر کنھیا لال ہندی

بہ سالِ خاتمہ ہندی سے ہاتف | پکارا گلشنِ بے خار دیں ہے

ڈاکٹر سید علی شاہ الفت

یہ سال خاتمہ ہے اس اُلفت کا — کہ یہ کیا گلستانِ بے خزاں ہے [۱۲۹۲ھ]

مفتی محمد چراغ دین روشن

بانغم روشن بسال اختتام — گفت نادر گلستان سروری [۱۲۹۲ھ]

مفتی غلام صفدر

مصرع تاریخ کر صفدر رقم — حرزِ جاں تازہ بہارِ عاشقاں [۱۲۹۲ھ]

یہ کتاب لاہور، لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔

۷۔ مدینۃ الاولیاء: یہ بھی اولیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۰۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے چار سال میں مکمل ہوئی۔ اردو نثر و نظم میں ہے۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے تین بار شائع ہوئی۔ اب نایاب ہے۔

۸۔ مناقب غوثیہ: حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اُردو ترجمہ ہے۔ یہ بھی آجکل کم یاب ہے۔

۹۔ تحفۃ الابرار: پندنامۂ شیخ فریدالدین عطار کا منظوم ترجمہ ہے۔

۱۰۔ احوال الآخرت: پنجابی نظم ہے۔ حشر کے دن کے حالات لکھے گئے ہیں۔ مذہب اسلام کے اعتقاد کے بموجب قیامت کے دن کا پورا نقشہ دکھایا ہے۔ لاہور میں متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔

۱۱۔ بہارستانِ تاریخ معروف بہ گلزار شاہی: ایک مورخ کی حیثیت سے بھی آپ کا درجہ بہت بلند واقع ہوا ہے اور یہ تاریخ اس کا بیّن ثبوت ہے۔ تین حصّوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصّہ ہندوستان کے ہندو راجوں کے ذکر میں ہے۔ اس میں دو چمن ہیں۔ یہ حصّہ خاص طور پر آنریبل سروگی سنگھ بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ والئی بلرام پور کی تحریک پر لکھا گیا تھا۔ کچھ حالات احسن التواریخ مولفہ سید آغا حسن رضوی لکھنوی سے لئے گئے ہیں جو مہاراجہ کے خاص امراء میں سے تھے اور باقی منشی جواہر سنگھ جوہر شاگرد غالب نے جو مہاراجہ کے حضور نویس تھے۔ اُنھوں نے فراہم کئے اور آپ نے مختصر کر کے درجِ تاریخ کئے۔ مہاراجہ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ شعراء، علماء و فضلاء

کے مربی تھے۔ اپنا دیوان خاص اہتمام کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ دیوان کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں: "مہاراج شاعر ہیں۔ راجہ تخلص کرتے ہیں۔" "دیوان مخزنِ فصاحت" جو اسم بامسمیٰ ہے۔ مہاراج کی تصنیف ہے۔ عطیہ مہاراج راقم کے مطالعہ سے گزرا۔ ایک ایک مصرع دیوان کا بجائے خود دیوان ہے۔ سچ پوچھو تو دیوانوں کی جان ہے۔ کیوں نہ ہو کلام الملوک ملوک الکلام ہے۔

دوسرا چمن ان والیانِ ریاست کے ذکر میں ہے جو حکومتِ ہند کے تحت اپنے اپنے علاقوں اور ریاستوں پر متصرف تھے۔

دوسرا حصہ مسلمان سلاطین کے حال میں ہے۔ عہد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے زمانے تک ہے۔ یہ حصہ ۴۲ چمنوں پر مشتمل ہے۔ اسلامی حکمرانوں کا کوئی معروف خاندان ایسا نہیں چھوڑا جس کا ذکر نہیں کیا۔ تمام خاندانوں کے حالات مستند عربی و فارسی تاریخوں سے اخذ کر کے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کئے۔ اسے تاریخی قاموس کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ آخر میں ان مسلم ریاستوں کا ذکر ہے جو سلطنت مغلیہ کے ضعف کے بعد ہندوستان میں قائم ہوئیں۔

تیسرا حصہ سلاطین انگریزی کے حالات میں ہے۔ ابتدائے سلطنت سے لے کر ملکہ وکٹوریہ تک کے حالات اختصار کے ساتھ درج ہیں۔

یہ تاریخ پہلی بار ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسری بار مطبع نول کشور لکھنؤ سے اضافہ و تصحیح کے بعد ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔

۱۲۔ مخزنِ حکمت: اردو نثر و نظم میں ہے۔ ۱۲۸۰ھ میں دو مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں، تیسری مرتبہ تصحیح کے بعد مطبع نول کشور سے آٹھ بار چھپ کر شائع ہوئی۔ اس میں حکماء متقدمین و متاخرین اور فضلاء و صوفیاء کے تاریخی حالات۔ اُن کے اقوال اور پند و نصائح کا ذکر ہے۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں:

حمد و ثنا کے لائق وہ قادر بے چوں، صانع گوناگوں، خالقِ بوقلموں، حق جل و علاء، ذاتِ کبریا، والیٔ بے ہمتا۔ جس نے ایک کُن کے امر سے دونوں جہان، زمین و آسمان، جن و انسان، کل حیوان، سب سامان بنایا، قدرت کا جلوہ دکھایا۔ سب سے اعلیٰ و اشرف انسان کو کیا۔ عقل کا

چراغ اس کے ہاتھ میں دیا جس کے نُور سے انسان کے دل نے روشنی پائی۔ آنکھوں میں بینائی آئی۔ حق کو پہچانا، خالق کو برحق اور حق کو حق جانا، حقیقت کا راستہ پایا۔

نامِ حق نامِ خدا کیا نام ہے
سارے ناموں سے ہے جسکو برتری

اسلام کے امام حضرت خیرالانام سیدِ ابرار احمد مختار محمد مصطفیٰ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی ہدایت سے لاکھوں گمراہ سینہ سیاہ سیدھی راہ پر آئے، مسلمان کہلائے۔

ذات پر جن کی نبوت ختم ہے — ہیں محمد مصطفیٰ صلِ علیٰ
لوگ سب پڑھتے ہیں ان کے نام کو — روز و شب صبح و مسا صلِ علیٰ!
ہو گہر ریزی سے اس کی ماہ و سال — پُر گہر دامانِ ہر اہلِ کمال
رکھے حق روشن اسی سے صبح و شام — سرورِ گمنام کا دنیا میں نام
آسماں جب تک زمیں ہے جب تلک — مہر و مہ کرسی نشیں ہے جب تلک
فائدہ اس سے کرے حاصل جہاں — مستفید اس سے رہے دورِ زماں

قطعۂ تاریخ از مصنف

ہوا ظاہر بفضلِ ایزدی جب! — یہ فضل و علم و حکمت کا دفینہ
بسالِ خاتمہ ہاتف نے سرور! — کہا ہے عمدہ حکمت کا خزینہ

قطعۂ تاریخ از رائے بہادر کنھیا لال اگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن

چہ نادر مخزن است ایں مخزن ہوش و خرد مندی
سراسر بحرِ فضل و عین علم و معدن حکمت !!
چہ بستانی ست ایں بستاں سرائے فیض حقانی
چہ گلبن گلبن عرفاں چہ گلشن گلشن حکمت!
مدد جستم ز ارواحِ حکیماں بہر تاریخش
ندا ز د جان افلاطوں مکمل مخزنِ حکمت

۱۳۔ تحفۂ سروری، منظوم کتاب ہے۔ سات حصّوں میں منقسم ہے۔ متصوفانہ و اخلاقی

مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں لکھی گئی۔ مطبع نول کشور سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔

پہلا حصہ: عبادت و خاکساری اور عجز و نیاز میں ہے۔

دوسرا حصہ، اغتنام وقت و بے اعتباریٔ عمر کے متعلق ہے۔

تیسرا حصہ، نیک نامی حاصل کرنے اور ترکِ علائق کی تعلیم میں ہے۔

چوتھا حصہ: شجاعت و مروّت کے فوائد میں ہے۔

پانچواں حصہ، خیرات و مبرات کی توصیف میں ہے۔

چھٹا حصہ، توبہ کرنے اور گناہ پر پشیمان ہونے کے بیان میں ہے۔

ساتواں حصہ، اتفاق و ہمدردی کے فوائد اور نفاق و تعصب و عداوت کے نقصان میں ہے۔

حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں:

یہ اب لکھا گیا دلچسپ نامہ
بنوکِ خامۂ عنبر شمامہ

من بعد احقر المحقر سراپا عیب خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد ولد حقیقت آگاہ مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی ہاشمی سہروردی عرض پرداز ہے کہ جب کمترین نے پہلی کتابوں گلدستہ کرامات خزینۃ الاصفیا، گنجِ تاریخ کی تحریر سے فراغت پائی تو مناسب سمجھا کہ ایک اور مختصر کتاب حکما متقدمین و متاخرین کی تاریخ اور اُن کے اقوال و افعال، اخلاق و آداب، نکات و حکایات، حکمت و پند و نصائح میں جمع کر کے طلبہ کو فائدہ پہنچاؤں۔ دنیائے فانی میں اپنے نام سے یہ نشان چھوڑ جاؤں جس کے مطالعہ سے ہر ایک شائق فیض پائے۔ دیکھنے والا حظ اٹھائے، مولف کے حق میں دعائے خیر کرے۔ نام اس کا مخزنِ حکمت رکھا اور تین حصوں میں تقسیم ہوئی۔

پہلا حصہ: قدیم زمانہ کے حکیموں کے احوال اور اُن کے وعظ و پند و حکمت و نصائح و اقوال و افعال، نکات و حکایاتِ حکمت کے بیان میں۔

دوسرا حصہ، اسلام کے ظہور کے بعد کے حکماء و فضلاء اور اُن کے اقوال و افعال د

نصائح وحکایاتِ حکمت کے بیان ہیں۔

تیسرا حصہ بعض بادشاہوں کے حالات وحکایات واقوال وافعال واخلاق وعدل کی تشریح میں۔

پہلے یہ مخزن دومرتبہ ۱۲۸۰ھ میں چھپ کر تحفۂ نظرارباب بصیرت ہوا۔ جب تیسری بار میرے دوست قدیم عالی جناب منشی نول کشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ نے خود اس کے چھاپنے کا مصمم ارادہ کیا تو کمترین نے اس کی نظم ونثر کو پھر دیکھا اور اپنی رائے ناقص سے حتی الامکان اس کی اصلاح کی۔ چونکہ انسان ضعیف البیان سہو وخطا سے کبھی خالی نہیں ہے۔ ناظرین باتمکین کی خدمت میں نہایت عجز کے ساتھ التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ عند المطالعہ اس کی نظم ونثر میں کوئی نقص پائیں، اصلاح فرمائیں ورنہ خاموش رہیں۔ عیب جوئی وانگشت نمائی نہ کریں۔

گناہ سے آدمی کوئی نہیں پاک — کوئی انساں نہیں نسیاں سے خالی
ہے کام اس کا جب آخر بھول جانا — تو پھر کیوں کر ہو یہ نقصاں سے خالی

مثنوی در خاتمۂ کتاب

سرورؔ اب بس کر نہ کر زیادہ کلام — تاکہ ہو یہ مخزنِ حکمت تمام
ہو یہ گنجینہ بہ فضل کردگار! — دائما مطبوع طبع روزگار!
مقرر اس کا تحفۂ سروری نام — کہا سرور نے بہ اعزاز و باکرام
ہوا یہ تحفہ سات حصوں میں تقسیم — بہ تعدادِ حساب ہفت اقلیم
برائے انکشافِ حال تاریخ — پئے اظہار سن وسال تاریخ

یہی جملہ سروشِ غیب بولا!
کہ کیا نادر ہے یہ سرورؔ کا تحفہ [۱۲۹۰]

۱۴۔ اخلاق سروری: یہ کتاب بھی علم اخلاق میں اردو نظم ونثر میں ہے۔ اخلاقی مضامین پر ایک نادر چیز ہے۔ اس میں اخلاق کی اصلاح اور دوسرے اخلاقی نکات سے روشناس کرایا گیا ہے۔

اندازِ بیان نہایت سادہ و دل نشین ہے۔ گلشن سروری، تحفۂ سروری اور اخلاق سروری ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہ تینوں کتابیں اس پایہ کی ہیں کہ ان ٹوٹ پھوٹ، بے معنی و بے مغز نظموں کی بجائے مدارس میں داخلِ نصاب کی جائیں۔ ان سے جہاں طلبہ زبان و بیان کی خوبیوں سے آگاہ ہوں گے وہاں تہذیب، اخلاق و اعمال کے اسرار و رموز سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ پھر خوبئ کلام یہ ہے کہ یہ کتابیں طلبہ و اساتذہ دونوں کے لئے یکساں مفید و کار آمد ہیں۔ یہ ایک علمی خدمت بھی ہو گی اور مذکورہ کتابیں نایاب ہونے سے بھی بچ جائیں گی۔ اسی طرح بہارستانِ تاریخ اور تاریخ مخزنِ پنجاب اُردو زبان میں اعلیٰ درجہ کی مستند تاریخیں ہیں۔ اگر ان کتب کو بھی عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایڈٹ کر کے تصحیح و حواشی کے ساتھ شائع کیا جائے تو یہ بہت بڑی تاریخی و علمی خدمت ہو گی۔ نیز خزینۃ الاصفیا، گنج تاریخ فارسی زبان میں اور حدیقۃ الاولیا اُردو زبان میں۔ ایسی نادر کتابیں ہیں جو فن تاریخ و سوانح نگاری میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہیں اور پاک و ہند میں آج تک جتنی کتابیں اس فن میں شائع ہوئی ہیں ان سب کے اکثر و بیشتر مآخذ یہی تینوں کتابیں ہیں۔ اگر ان کتب کی حفاظت کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ کتابیں بھی بالکل کمیاب ہو جائیں گی۔ اس لئے جہاں ہمارے علمی اداروں کو ان کتب کے تحفظ کی طرف توجہ دینی چاہئے وہاں خاندان کے ذی علم و صاحبِ ثروت حضرات پر بھی یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خاندان کے علمی نوادر کی حفاظت کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں تاکہ آباؤ اجداد کے یہ علمی شاہکار محفوظ ہو کر آیندہ نسلوں کے لئے دلیلِ راہ بن سکیں۔

۱۵۔ دیوان حمدِ ایزدی: ۱۸۰۰ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ حمد باری تعالیٰ میں ہے۔ مضامین متصوفانہ و عارفانہ ہیں۔ لاہور، لکھنؤ اور کانپور میں کئی مرتبہ چھپ کر مقبول خاص و عام ہُوا۔

۱۶۔ دیوان نعت سرور: ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک ہزاروں کی تعداد میں اس کے نسخے چھپ کر مشتہر ہوئے۔ اردو نظم میں ہے۔ بعض فارسی غزلیں بھی ہیں۔ لاہور میں چھ دفعہ اور لکھنؤ و کانپور میں دو مرتبہ چھپا۔ ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ انشائے یادگارِ اصغری: اُردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت مغفور نے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام پر لکھی تھی جو بارہ برس کی عمر میں ۱۲۸۰ھ میں وفات پا گیا تھا۔ علمی و ادبی مضامین پر

مشتمل ہے۔ بعض مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور انوکھے ہیں۔ ہر مضمون سے کوئی نہ کوئی اخلاقی و اصلاحی نتیجہ نکالا ہے۔ اسلوب بیان دلکش ہے۔ زبان سادہ و پُر تاثیر ہے۔

۱۸۔ لغات سروری : اس کا تاریخی نام زبدۃ اللغات ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی الفاظ پر مشتمل ہے۔ معانی اردو میں بیان کئے ہیں۔ پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ لغت شعراء کے لئے قوافی کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر ایک حرف لغت میں آخری ردیف کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قوافی کی ترتیب قائم رہے۔

لاہور اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ دیباچہ لغت میں سببِ تالیف بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں؛

بعد حمد و ثنائے رب العٰلمین و نعت سید المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مدح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔ احقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی الاسدی الہاشمی سہروردی خدمت میں اربابِ دانش و بینش و اصحابِ اہلِ بصیرت کی یہ عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے میں نے چند کتابیں مثل گلدستۂ کرامات، بہارستان تاریخ، حدیقۃ الاولیاء، دیوانِ سروری، نعتِ سروری، گلشنِ سہروردی، تحفۂ سروری لکھی ہیں جو بار بار چھپ کر تحفۂ نظر احباب ہو چکی ہیں۔ اب یہ ارادہ ہُوا کہ ایک مفید نسخہ لغت کے علم میں ایسے طرز سے لکھا جائے کہ شعراء کو قافیہ و ردیف میں مدد دے اور شائقین لغت کو لغت میں اور ردیف ہر ایک لغت کے اخیر حرف پر رکھی جائے۔ پہلے حرف کی ردیف کی تغیر و تبدل بھی از روئے حروف تہجی لحاظ رہے۔ فارسی و عربی و ترکی لغات کے معانی اردو زبان میں تحریر ہوں۔ چنانچہ پانچ سال کی محنت کے بعد یہ مفید نسخہ تحریر میں آیا اور بڑی کتابوں مثلاً برہان قاطع، منتخب رشیدی، صراح اور غیاث وغیرہ سے انتخاب ہو کر اس میں درج ہُوئے اور لغاتِ سروری نام رکھا گیا اور اٹھائیس باب پر اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

فصلیں ہر ایک باب کی پہلے حرف تہجی کی رعایت سے جدا جدا قرار پائیں اور ابواب اخیر حروف کے شمار پر قائم ہُوئے اور نشان ہر ایک زبان کا ہر ایک لغت کے ساتھ تحریر ہُوا۔ یعنی جو عربی کی لغت ہے اس کے واسطے عین فارسی کے ساتھ فا، ترکی کے ساتھ تا اور یُونانی کے

ساتھ رہا۔ علیٰ ہذا القیاس تحریر ہُوا۔

۱۹۔ جامع اللغات : یہ آپ کی آخری اور بہت ہی قابلِ قدر تصنیف ہے۔ یہ مستند لغت منشی نول کشور مالک مطبع نول کشور لکھنؤ کے ایما، پر لکھی گئی تھی۔ یہ اپنی طرز کی نئی لغت ہے اور فنِ لغت میں اپنی ندرت و جامعیت اور اندازِ بیان کے لحاظ سے ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ ۱۸۹۰ء میں تیار ہُوئی۔ اس کے پانچ باب ہیں :

باب اوّل : عربی، فارسی، ترکی الفاظ ہیں۔ معانی اُردُو میں تحریر ہُوئے ہیں۔

باب دوم : اردو الفاظ اور عربی و فارسی کے وُہ الفاظ جو اُردو میں رائج و مستعمل ہیں۔

باب سوم : فارسی محاورات و اصطلاحات اور سند میں اساتذہ کا کلام ہے اور جہاں کہیں کسی استاد کا شعر بطور سند نہیں مل سکا وہاں اپنا شعر بطور محل استعمال لکھا ہے۔ محاورات و اصطلاحات کے معانی اُردو میں بیان کئے ہیں۔

باب چہارم : اردو محاورات و اصطلاحات کی تشریح اور سند میں اساتذہ کا کلام۔

باب پنجم : علم ادویہ کے بیان میں ہے۔ تمام ادویہ کے عربی، فارسی اور ہندی نام اور ان کے مزاج و خواص درج کئے ہیں۔ فاضل مؤلف لغات کے آغاز میں سببِ تالیف اور مذکورہ بالا باتوں کی توضیح بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں :

خوشہ چینِ خرمنِ اربابِ فضل و ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی سہروردی کی یہ گزارش ہے کہ کمترین نے علاوہ اپنی اور تصانیف و تالیف نظم و نثر اردو و فارسی کے پہلے بھی زبدۃ اللغات المعروف بہ لغاتِ سروری، لغت کے علم میں لکھی تھی جو اب تک دو بار چھپ کر ہدیہ نظر اہل بصیرت ہو چکی ہے۔ اب پھر میرے محب قدیم، عنایت فرما، کرم گستر، قدر دان علم و ہنر، منشی نولکشور مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ خاص طور پر میرے متکلف حال ہوئے کہ ایک اور بسیط کتاب جامع اللغات عربی و فارسی و ترکی و اردو الفاظ و محاورات سلیس اردو زبان میں لکھی جائے اور لغات و محاورات کتبِ معتبرۂ متقدمین و متاخرین سے لئے جائیں۔ پس تعمیل ارشاد اپنے مربی کے کمر ہمت کی چست باندھ لی۔ الحمدُ للہ کہ دن رات کی محنت، صبح و شام کی عرق ریزی اور ساعت کی جاں فشانی سے یہ کام بانجام پہنچا۔ جامع اللغات

نام رکھا گیا ہے اور تیس ابواب پر تقسیم ہُوئی اور ہر ایک باب میں پانچ پانچ فصلیں ہیں۔ اگرچہ اس کتاب کے ہر باب کی تقسیم ردیف وار پہلے حرف پر تقسیم ہُوئی ہے مگر ہر ایک فصل میں آخری حرف کی رعایت پر بھی لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ غیاث اللغات نے دونوں ردیف اولین و آخرین سے زینت بخشی۔ وہی طریقہ اس جامع نسخہ میں ملحوظ رہا۔

فرہنگ آصفیہ از مولوی سیّد احمد دہلوی، امیر اللغات از امیر مینائی لکھنوی، نور اللغات از مولوی نور الحسن کاکوروی، نفائس اللغات از مولوی اوحد الدین بلگرامی اگرچہ اسی صدی کی تصانیف ہیں جو ہندوستان میں یکے بعد دیگرے اسی زمانے میں شائع ہوئیں مگر پنجاب میں اس سے پیشتر کوئی ایسی مستند اور جامع لغت نہیں لکھی گئی تھی۔ مولوی کریم الدین نے ایک مختصر سی لغت کریم اللغات کے نام سے لکھی تھی جس کی اس جامع اللغات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس کمی کو آپ نے پُورا کیا۔ اس کے بعد پنجاب میں جتنے فرہنگ و لغت لکھے گئے مثلاً فیروز اللغات وغیرہ بہ سبب تغیر ہیئت و اسلوب بیان و تحقیق لغت جامع اللغات ہی کے خوشہ چین ہیں۔

۲۰۔ کلیاتِ نعتِ سروَر: دیوان نعت سروَر ۱۸۸۱ء سے ۱۸۰۲ء تک ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر خواص و عوام سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔ جب آپ ۱۸۹۰ء میں حج بیت اللہ و زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے تشریف لے گئے تو جو نعتیہ غزلیں اثنائے سفرِ حج میں تصنیف فرمائی تھیں آپ کے فرزند مفتی غلام صمدرہ فوقانی وکیل نے اِن نعتیہ غزلوں کو وصالِ سروَر کے نام سے شائع کیا تھا اور بعد ازاں ان کے برادر اصغر حکیم محمد انور نے آپ کا تمام و کمال نعتیہ کلام کلیاتِ نعتِ سروَر کے نام سے شائع کیا جس میں اکثر و بیشتر نعتیں اُردو زبان میں ہیں لیکن متعدد فارسی بھی ہیں۔ آپ کے تمام منظوم کلام کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ خاص کر مثنوی تحفۂ سروری، مثنوی گلشن سروری، مثنوی اخلاق سروری جدت ادا، زبان و بیان کی روانی اور مطالب و معانی کی فراوانی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

بعض الفاظ و محاورات سے قطع نظر کر کے جو اس وقت متروک ہیں سارے کا سارا کلام اردو محاورہ و روز مرہ کے عین مطابق ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ایک ایک شعر عشقِ رسولؐ میں ڈوب کر کہا ہے اور اساتذہ نے بھی نعتیں لکھی ہیں بلکہ نعت گوئی میں صاحبِ دیوان

ہوئے ہیں مگر ان کا کلام قال ہے، حال نہیں۔ مفتی غلام سرور، صوفی باصفا اور صاحبِ دل شاعر تھے۔ یہاں مصرع مصرع سے سچے اور دلی جذبات ٹپک رہے ہیں۔ پھر سب سے بڑی چیز جو تمام کلام میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے وُہ حفظ مراتب ہے۔

حمد باری تعالیٰ، نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مدح صحابہ رضوان اللہ اجمعین اور منقبتِ بزرگانِ دین میں حدِ فاصل رکھی ہے جس سے آپ کے تبحرِ علم اور مرتبہ شناسی کا پتہ چلتا ہے حتیٰ کہ زبان اور تشبیہات و استعارات میں بھی یہ نازک فرق ملحوظ رکھا ہے۔ تمام کلیات لفظی و معنوی خوبیوں کا آئینہ دار ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ کلیات کے آخر میں مخمس، مسدس، ترجیع بند اور ترکیب بند ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک سی حرفی ہے۔ اہل بیت، خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین اور دیگر بزرگانِ دین کی مدح و منقبت میں آب دار اشعار لکھے ہیں۔ سب سے آخر درود شریف شمس الضحیٰ ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں؛

ہرکہ ہر روز بخواند در دین و دنیا محترم گردد و بندہ در وقتیکہ ایں درود شریف تصنیف کرد مشکل کشائی کارِ خود فی الفور از جناب الٰہی حاصل نمود۔ درودِ مکرم ایں است۔ اس درود شریف کے ۱۹۰ اشعار ہیں۔ سلاست و روانی اور مطالب کی فراوانی میں بے نظیر و بے مدیل ہے۔ اسی طرح آپ نے جو کتابیں فارسی و اُردو نثر میں لکھی ہیں اُن کی زبان اور اسلوبِ بیان بھی مشکل نہیں۔ تمام نثر سادہ ہے۔ مگر اس زمانے کے طرز انشاء اور مذاق علمی کے مطابق اکثر فقرات نثر مرجز و مقفیٰ میں بھی ہیں مگر اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو کلام میں تصنع و تکلّف واقع ہُوا ہے اور نہ نقصِ روانی و تعقیدِ معانی نے راہ پائی ہے۔

اُردو نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب بھی بکثرت پائی جاتی ہیں مگر تمام الفاظ و تراکیب خوبی و قادر الکلامی کے ساتھ استعمال ہُوئی ہیں کہ کہیں ثقالت پیدا نہیں ہُوئی۔

۱۲۔ خزینۃ الاصفیاء: فاضل مولف کی یہ معرکۃ الآرا کتاب اُردو لباس میں بصد اندازِ زیبائی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ صوفیائے اسلام کا ایک مستند تذکرہ ہے جس پر دنیائے تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ اس دور میں بزرگانِ دین کے جتنے تذکرے یا سوانحی حالات مختلف انداز میں اہل ذوق کی تشنہ کامی کو تسکین بخشتے رہے ہیں وُہ اسی خزینہ کے جواہر پارے ہیں۔ یہ مستند

تذکرہ تمام تذکرہ نگاروں کے سامنے رہا اور اسی بنیاد پر اہل قلم اپنے اسلوبِ تحریر کی عمارتیں کھڑی کرتے گئے۔

خزینۃ الاصفیاء تاریخی نام ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ، رواں و شستہ فارسی نثر میں ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور متقدمین و متاخرین صوفیاء و علماء و شعراء کے حالات نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ درج کئے ہیں اور ساتھ ساتھ مآخذ بھی بیان کئے ہیں جس سے مصنف کے وسیع مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا جامع تذکرہ نہ تھا جس میں مفصل حالات ان بزرگوں کے ملتے ہوں۔ اس میں کئی ایسے تاریخی واقعات بھی آ گئے ہیں جو عام تاریخوں میں نہیں ملتے۔ یہ عظیم تذکرہ ۱۱۰۰ بزرگوں کے حالات اور ۱۱۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر ہر ایک صوفی کی تاریخ ولادت و وفات بھی نظم میں لکھی ہے۔ ۱۲۸۰ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۸۱ھ میں مکمل ہوا۔

تمام کتاب سات مخزنوں پر تقسیم ہے جیسا کہ خود فاضل مصنف نے آغاز کتاب میں سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حمد و نعت کے بعد تحریر کرتے ہیں:

مے گوید بندۂ احقر الحقیر، سراپا عیب، خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد غلام محمد بن مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی الاسدی الہاشمی سہروردی لاہوری غفر اللہ ذنوبہٗ و ستر عیوبہٗ فی الدنیا والآخرہ۔ کہ چوں ایں خاکسار سراپا انکسار بعنایت پروردگار از تصنیف و تالیف کتاب گلدستۂ کرامات اعنی مناقب حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی سید سلطان ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی الحسنی والحسینی الحنبلی قدس سرہ العزیز فراغت یافت بعض دوستانِ صداقت آئین محبان محبت گزیں مکلفِ حال نیاز مآل شدند کہ مجموعۂ دیگر در احوال المشائخ دین و اولیائے اہل یقین جمع آوردہ بہ تسویدِ حالات و ترقیم خوارق و کرامات آں حضرت جدا جدا سلسلہ وار پردازد۔ تا سالکانِ طریقت و طالبانِ ہدایت را بوقوف حالاتِ مشائخ عظام فیض عام و فائدہ تمام حاصل گردد و شوق بر شوق و ذوق بر ذوق بیفزاید و محبت بر محبت ترقی پذیرد و برائے مولف یادگارے بر صفحۂ روزگارے بماند۔ چوں رخت زندگانی ازیں سرائے فانی بر بندد بفاتحۂ خیر یاد شود۔ لہذا ایں کم ہمت بگفتۂ مخلصانِ اخلاص مند و محبانِ محبت پسند و علی الخصوص بامید آنکہ شنیدم کہ در روز امید و بیم۔ بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔ توسل نجات بوسیلۂ جملہ حضرات تصور نمود و بہ ہزار منت و

رنج باجتماع ایں گنج مشغول شد و باحوال ہر یک بزرگ از کتب والا رتب متقدمین و متاخرین جمع آوردہ بنیادِ ایں گنج گوہر سنج نہاد و بہ خزینۃ الاصفیاء کہ نامِ تاریخی است - موسوم ساختہ بہ ہفت مخزن تقسیم نمود -

مخزنِ اول، در ذکر خاتم المرسلین، شفیع المذنبین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین وائمۂ دین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین -

مخزنِ دوم، در ذکر مشائخ خاندانِ قادریہ اعظیمہ -

مخزنِ سوم، در ذکر حضرات خانوادۂ چشت اہل بہشت -

مخزنِ چہارم، در ذکر پیرانِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ -

مخزنِ پنجم : در ذکر بزرگان سہروردیہ عالیہ -

مخزنِ ششم : در ذکر خانوادہ ہائے متفرقات -

مخزنِ ہفتم : مشتمل بر چہار حصہ :

حصّہ اول : در ذکر ازواجِ مطہرات سرورِ کائنات علیہ السلام -

حصہ دوم : در ذکر والا درجات بنات حضرت شاہ رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام -

حصہ سوم ، در ذکر عوراتِ صالحات و عارفات کہ از اہل ولایت وکرامت بودہ اند -

حصہ چہارم ، در ذکرِ مجانین و مجاذیبِ زمانۂ سلف و حال و خاتمۂ کتاب وچوں ہیچ مداں ، سراپا نسیاں در فن تنظیم نظم و نثر مہارتے و لیاقتے ندارد - بنا برآں از شعرائے نامدار و منشیان باوقار امید وار است کہ در عبارتِ نثر یا قطعاتِ منظومہ مندرجۂ ایں کتاب کہ در خاتمۂ احوال ہر یک بزرگ در مادہ ولادت یا وفاتِ ایشاں نوشتہ شدہ است - بر سہوے یا خطائے دست یا بند بدستِ عطا پوشیدہ دست از انگشت نمائی باز دارند - بلکہ بتوانند اصلاح فرمایند -

من دریں دنیا خطا وار آمدم !	بندۂ خاکی گنہگار آمدم ! !
چوں سراپا عیبم و یکسر خطا	در جنابت دارم ایں عرض و دُعا
گر خطائے رفتہ باشد در کتاب	پردہ پوشی کن تو از راہِ ثواب

گر توئی بے عیب از راہِ کرم　　از سرِ اصلاح راں بر من قلم
لطف و احسان کن کہ ربّ العٰلمین　　ضائع نکند اجرِ پاکِ محسنین!

قطعۂ تاریخ

جلوہ گر شد چو ایں خزانۂ فیض!　　در جہاں مثلِ ماہِ پُر انوار
در نظر ہائے خلق شد منظور　　گشت مقبولِ ہر صغار و کبار
معدنِ فیض و منبعِ فضل است　　کان معنی است مخزنِ اسرار
دامنِ طالبانِ حق از وشد!　　پر گہر مثلِ ابرِ گہر بار

سال او خازنِ خرد فرمود!
گو مقدس خزینۂ ابرار!

دیگر

گشت چو آغاز از فضل اللہ　　مخزنِ عالی بذکرِ اصفیاء
ہر کہ دیدش ہمچو زر شد سرخرو　　ہر کہ خواندش گشت خنداں چوں طلاء
چشمۂ فیض است بہر خاص و عام　　سر بسر گنجے است گنجِ بے بہاء
معدنِ نُور است از انوارِ حق!　　مخزنِ سریست از اسرارِ حق
در ہزار و دو صد و ہشتاد گشت　　جمع ایں کنزِ معانی با صفا
باد تا باشد زمین و آسماں!　　جلوہ گر ایں گنجِ معنی جا بجا

خازنِ دل گفت سرور سال او
مخزنِ اسرار گنجِ اولیاء [۱۲۸۰]

خاتمۃ الکتاب

الحمد للہ والمنۃ کہ ایں مخزنِ عجیب و غریب بامدادِ غیبی و توفیق لاریبی باختتام و بدعاے دل بانجام رسید و منظورِ نظرِ اصحاب و پسندِ خاطرِ احباب گردید۔ ہر چند کہ فراہمیٔ ایں گنجینہ و اجتماعِ ایں خزینہ کارِ ایں کمینہ نبود۔ لیکن بتوجہاتِ حضراتِ اولیاء و امدادِ مشائخِ عظما۔ دولتِ ایں گنجِ بے محنت و بے رنج مفت بایں مداحِ شیخ حاصل شد و در مدتِ دو سال در ماہِ شوال یک ہزار و دو صد و ہشتاد و یک [۱۲۸۱] حلیۂ

اختتام پوشیدہ و حالات بعض حضرات کہ در ہزار و دو صد و ہشتاد و دو و سہ وفات یافتہ اند۔ بعد اختتام کتاب داخل کردہ شد کہ خالی از لطف نہ بود و بندۂ بے ہنر غلام سرور مدعی آں نیست کہ در فنِ نظم یا نثر وقوفے دارد۔ اما چوں در دنیا و عقبیٰ وسیلۂ نجات بجناب واہب العطایا نداشت وحیران و سرگردان آلِ کارِ خود بود۔ بنا بر آں حضرت سرورِ کائنات علیہ السّلام والصّلوٰۃ و ائمہ ذی درجات و اولیاء والاصفات و شفیع المجرمین و ہادی المفلسین و حبل المتین در دنیا و دین تصوّر نمودہ۔ دستِ ارادت و یقین بدامانِ حق تو اماں ایشاں زد و چند اوقات بمداحی آں حضرت صرف نمودہ کتابے در احوالِ آں اہل کمال جمع آوردہ۔ بدیں امید کہ شاید حشر ایں روسیاہ سراپا گمراہ بروز حشر از غلامانِ درگاہ و خادمانِ اولیاء بوقوع آید و از کمترین خادمینِ ایشاں بشمار آمدہ بہ مغفرت رسد۔ و للّٰہِ الموفق والمعین۔

قطعۂ تاریخ آغاز و اختتام از مؤلف

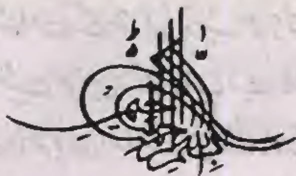
گشت پُر از عطائے ایزد پاک — کنزِ خوبی و گنجِ محبوبی!
ابتدائیش خزینۂ غوث (۱۲۸۰ھ) است! — انتہائیش خزانۂ خوبی (۱۲۸۱ھ)!

فاضلِ مؤلف نے کتاب کے آغاز و اختتام میں کتاب کی تالیف و ترتیب کے مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ہم مفتی صاحب قدس سرہٗ کے اس عظیم علمی اور تاریخی کارنامے پر داد تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے اس بے بہا خزینے کو اس دور میں ترتیب دیا، جب سکھ گردی نے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ذاتی لائبریریوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ علمی خزینے ایک ایک کر کے نذرِ آتش کر دیئے گئے تھے۔ علمی محفلیں، دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں ایک ایک کر کے ویران ہو چکی تھیں۔ اہل علم اپنی جان کی سلامتی کے لئے اپنے علم کو چھپاتے پھرتے تھے ان حالات کے باوجود مفتی صاحب نے سینکڑوں مآخذ جمع کئے اور خزینۃ الاصفیاء کو ضبطِ تحریر میں لائے۔ فاضل مؤلف کی شبانہ روز کوشش اپنے گوہر ریز قلم کو تیشۂ فرہاد بنا کر حالات کے کوہِ گراں کو چیرتی گئی اور اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ کتاب ۱۲۸۰ھ / ۱۲۸۱ھ میں مکمل ہوئی اور پہلا ایڈیشن لاہور میں چھپا گر بعد میں بہ ترمیم و اضافہ کئی ایک ایڈیشن نولکشور لکھنؤ نے مفتی صاحب مرحوم کی زندگی میں ہی شائع کئے۔

میں صرف مخزن دوم کا ترجمہ ہی کر پایا تھا اور میری صحت نے اجازت نہ دی کہ میں اپنے نانا مرحوم کی اس عظیم کتاب کا ترجمہ مکمل کر سکتا۔ چنانچہ میرے فاضل عزیز پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔ اے نے اس کٹھن کام کا بیڑا اٹھایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اب ترجمہ کا کام قریب الاختتام ہے۔ میں اپنے فاضل دوست حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور مفید حواشی کا اضافہ فرمایا۔ میں اپنے فاضل معاصر جناب سید شرافت نوشاہی صاحب کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے نوشاہی بزرگانِ دین کے حالات کے ترجمہ اور حواشی میں میری قابل قدر مدد کی۔ عزیز مکرم محمد عالم مختار حق کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے تصحیح کا کام بڑی محنت سے کیا۔ آخر میں اپنے محترم دوست الحاج میاں باغ علی نسیم کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ موصوف ہی کی مخلصانہ کوششوں سے مکتبہ نبویہ نے اس عظیم الشان کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ مکمل کتاب کا ترجمہ ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور پانچ جلدوں میں منقسم ہے پہلی جلد پیشِ خدمت ہے باقی جلدیں اِن شاء اللہ سلسلہ وار پیش ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام بزرگانِ دین رضوان اللہ عنہم اجمعین کے صدقہ میں مصنف مرحوم، مترجمین، معاونین، طابعین اور ناشرین کے گناہوں کو معاف فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اپنے رسول پاکؐ اور بزرگانِ دین کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مفتی محمود عالم ہاشمی
۲۳۔ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ لاہور



حمد

حمد بیحد اس ایک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ یکتائی (اپنائیت) اس کی صفت ہے اور شکر بھی اُسی ایک اللہ کے لئے ہے جس کی مشیئت سے تعینات کی تمام اقسام کا ظہور ہوا ہے

مَالِكُ الْمُلْكِ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

وَحْدَهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

وہ ایسا کبریائی کا مالک ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ اس کی بارگاہِ لم یزلی میں سجدہ ریز ہیں۔ وہ ایسا بڑا ہے کہ دنیا کے شان و سطوت رکھنے والے بڑے بڑے شہنشاہ اس کی بارگاہ کے ادنیٰ سے بندے ہیں۔ وہ ایسا صانع ہے کہ اس نے اپنے ایک ہی حکم "کُن" سے کائنات کو پیدا کیا۔ وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ بڑے بڑے فلاسفروں اور داناؤں کی عقلیں اس کے کمالاتِ قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ صدیقین یعنی ذات باری کو مشاہدۃً سچ ماننے والے اس کے جمال کی تعریف کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ اہل عرفان کے دل اس کی ذات کے عرفان کے باب میں یوں ہیں کہ جیسے وہ اسے نہیں پہچان سکے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هو منفردٌ بذاتہٖ و	اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات و
صفاتہٖ لیسَ کمثلہٖ شیءٌ و	صفات میں یکتا ہے۔ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور
هو السميع العليم۰	وہ سننے، جاننے والا ہے۔

نعت

اور نعت اس مالکِ کوثر تاجدارؐ کے لئے ہے، جس کے سر پر تاجِ لولاک خوب زیب دیتا ہے۔ وہ ایسا شفاعت کرنے والا نبیؐ ہے کہ رُوسیاہوں کے گناہ اگرچہ پہاڑ کی مانند

کیوں نہ ہوں، اُس کی شفاعت کے مقابل، بموجب حکم وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی گھاس کے ایک تنکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ آپ ایسے رحمۃٌ للعٰلمین ہیں کہ آپؐ کے روحِ کونین وجود کی برکات کے ساتھ پوری انسانیت حتٰی کہ کفار اور گمراہ اپنے فسق و فجور کے باوجود بھی حکمِ خداوندی " لَا یُعَذِّبُھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ " کی رُو سے قہرالٰہی سے بچے ہوئے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وَ علیٰ اٰلِہٖ و اَصحابہٖ تسلیماً کثیراً کثیراً ۝

عاجز و حقیر، سراپا عیب اور ہنر سے خالی انسان، غلام سرور جو مفتی شریعتِ مطہرہ غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ قریشی، اسدی الہاشمی لاہوری (غفرلہٗ ذنوبہٗ و ستر عیوبہٗ فی الدنیا و الآخرہ) کا بیٹا ہے، گزارش کرتا ہے کہ جب خاکسار نے اللہ کی مہربانی و عنایت سے کتاب " گلدستۂ کراماتؔ[1] " جس میں حضرت محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی سید سلطان ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی الحنبلیؒ کے مناقب لکھے ہیں، کی تصنیف و تالیف سے فراغت پائی تو بعض جاں نثار ساتھیوں نے اصرار کیا کہ میں مزید ایک کتاب لکھوں جو مشائخ دین اور اولیائے اہلِ یقین کے حالات اور ان کی کرامات و سوانح پر مشتمل ہو تاکہ راہِ طریقت پر چلنے والوں اور ہدایت طلب کرنیوالوں کو مشائخِ عظام کے حالات سے واقفیت ہونے کے علاوہ پورا پورا فیض حاصل ہو، اُن کے شوق و ذوق کا جذبہ پروان چڑھے اور عقیدت و محبت میں ترقی ہو۔ نیز ساری دنیا میں مولف کےلئے ایک یادگار بنے اور جب وُہ دنیا سے روانہ ہو تو لوگ اس کی کاوش کے پیشِ نظر اسے اپنی نیک دعاؤں میں شریک کریں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے ؎

بماند سالہا ایں نظم و ترتیب ز ما ہر ذرہ خاک افتادہ جائے
غرض نقشے است کز ما یاد ماند کہ ہستی را نمی بینم بقائے

لہٰذا یہ کم ہمت (غلام سرور)، مخلص احباب کے مشورہ سے اور خاص طور پر یہ امید لئے ہوئے ؎

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اپنی ابدی نجات کی خاطر ان تمام بزرگوں کا (جن کا ذکرِ خیر شاملِ کتاب ہوگا) وسیلہ ڈھونڈ ھے،

---

[1] اس کتاب کا تفصیلی تعارف کتاب کے دیباچہ میں دیا گیا ہے۔

خوب محنت کے ساتھ اس "تاریخی خزانہ" کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا اور آخر ہر ایک بزرگ کے صحیح حالات متقدمین اور متاخرین اصحاب قلم کی معیاری کتابوں سے ترتیب دے کر، اس "انمول خزانہ" کی بنیاد رکھ دی اور تاریخی نام "خزینۃ الاصفیاء" سے موسوم کر کے اسے سات حصوں (مخزن) میں تقسیم کیا:

پہلا مخزن:۔ خاتم المرسلین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ اور ائمۂ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذکر میں۔

دوسرا مخزن:۔ خاندانِ قادریہ اعلیہ کے مشائخ کے ذکر میں۔

تیسرا مخزن:۔ خاندانِ چشت اہل بہشت کے بزرگوں کے ذکر میں۔

چوتھا مخزن:۔ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگوں کے ذکر میں۔

پانچواں مخزن:۔ بزرگانِ خاندان سہروردیہ کے ذکر میں۔

چھٹا مخزن:۔ مختلف سلسلوں کے بزرگوں کے ذکر میں۔

ساتواں مخزن:۔ چار حصوں پر مشتمل ہے:۔

حصہ اوّل: حضور سرورِ کائنات کی ازواجِ مطہراتؓ کے ذکر میں۔

حصہ دوم: حضورِ اکرمؐ کی صاحبزادیوں کے ذکر میں۔

حصہ سوم: اُن پاکباز عورتوں کے ذکر میں جو ولایت و کرامات میں ممتاز تھیں۔

حصہ چہارم: موجودہ اور گزشتہ صدیوں کے مجذوب اور دیوانہ وار فقیروں کے ذکر اور خاتمہ کتاب میں۔

یہاں یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ اس خطاکار و خاکسار کو نظم و نثر میں چنداں لیاقت نہیں۔ اس لئے بلند پایہ شاعروں اور قابل عزت ادیبوں سے متوقع ہوں کہ اگر وہ کتاب کی نثر یا اُن نظموں میں جو خاکسار نے ہر ایک بزرگ کے حالاتِ زندگی کے آخر میں کہی ہیں۔ کوئی غلطی پائیں تو خطا پوشی سے کام لیں بلکہ ہو سکے تو اصلاح فرمادیں۔

من دریں دنیا خطا وار آدم!	بندۂ خاکی گنہ گار آدم
چوں سراپا عیبم و یکسر خطاء	در جنابت دارم ایں عرض و دُعاء

گر خطائے رفتہ باشد در کتاب | پردہ پوشی کُن تو از راہِ ثواب
گر توئی بے عیب از راہِ کرم | از سرِ اصلاح راں بر من قلم
لطف و احساں کُن کہ ربّ العٰلمین | ضائع نکند اجرِ پاکِ محسنیں

کتاب کے بارے میں مولّف کے اپنے خیالات:

جلوہ گر شد چو ایں خزانۂ فیض | در جہاں مثلِ ماہِ پُر انوار
در نظرہائے خلق شد منظور | گشت مقبولِ ہر صغار و کبار
معدنِ فیض و منبعِ فضل است | کانِ معنی ست مخزنِ اسرار
دامنِ طالبانِ حق زو شد! | پُر گہر مثلِ ابرِ گوہر بار
سالِ او خازنِ خرد فرمود | گو مقدس "خزینۂ ابرار"
۱۲۸۰

ایضاً مولّف کے قلم سے:

گشت چوں آغاز از فضلِ الٰہ | مخزنِ عالی بذکرِ اصفیاء
ہر کہ دیدش ہمچو زر شد سرخرو | ہر کہ خواندش گشت خنداں چوں طلاءً
چشمۂ فیضے ست بہرِ خاص و عام | سر بسر گنج ست گنجِ بے بہا!
معدنِ نوریست از انوارِ حق | مخزنِ سرّیست ز اسرارِ خدا
یک ہزار و دو صد و ہشتاد گشت ۱۲۸۰ | جمع ایں کنزِ معانی باصفا
باد تا باشد زمین و آسماں | جلوہ گر ایں گنجِ معنی جا بجا
خازنِ دل گفت سرور سالِ او | مخزنِ اسرار ، گنجِ اولیاء
۱۲۸۰ھ ۱۲۸۰ھ

مفتی غلام سرور لاہوری عفی عنہ

مخزنِ اوّل

ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین رض و ائمہ کرام رض

۱۔ حضور خاتم المرسلین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضور شاہِ رسالت خاتم النبوت علیہ السلام والصلوٰۃ والتحیۃ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوق میں سے برتر ہیں اور ساری موجودات کا وجود آپؐ کے وجود کی برکت سے قائم ہے جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے؛

اوّل ما خلق اللہ نوری وکل خلائق من نوری۔	خدا نے سب سے اوّل میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے پھر ساری مخلوق کا ظہور ہوا۔

اسی طرح آپ کا یہ برحق کلام بھی حدیثِ قدسی کا ایک حصہ

لولاک لما خلقت الافلاک۔	اگر آپ کا وجود نہ ہوتا تو میں عالم ایجاد کی نیرنگیاں پیدا نہ کرتا۔

اس حقیقت پر ایک قوی دلیل ہے اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم قریش مکہ کے شریف قبیلہ میں سے صحیح الطرفین تھے۔ عالی قدر والد عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے اور والدہ ماجدہ بی بی آمنہ، وہب بن عبد مناف کے قبیلہ سے تھیں۔ حضورؐ کے اسمائے صفاتی بہت زیادہ ہیں، ان میں سے ننانوے نام اپنی عظمت و خصوصیت کے اعتبار سے خاص و عام کی نوکِ زبان پر ہیں اور مستند کتابوں میں درج ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں؛

(۱) محمد (۲) احمد (۳) حامد (۴) محمود (۵) مصطفیٰ (۶) مرتضیٰ (۷) خاتم النبیّن (۸) شفیع المذنبین (۹) رحمۃٌ للعٰلمین (۱۰) وحید (۱۱) طاہر (۱۲) یٰسین (۱۳) رسولؐ (۱۴) نبیؐ (۱۵) بشیرؐ (۱۶) نذیرؐ (۱۷) مزمل (۱۸) مدثر (۱۹) نورؐ (۲۰) سراجؐ (۲۱) متوکلؐ (۲۲) کفیلؐ (۲۳) منیقؐ (۲۴) رُوح القدس (۲۵) صاحب التاج (۲۶) صاحب المعراج (۲۷) صاحب السیف (۲۸) یتیمؐ (۲۹) مسکینؐ

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسمائے گرامی میں مسکینؐ کی نسبت کو زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے؛

اللھم احینی مسکینًا وامتنی	اے اللہ! مجھے مسکین کی حیثیت سے زندہ رکھ اور

مسكينًا واحشرني في زمرة المساكين ۝ — مجھے مسکین ہی کی حیثیت سے موت آئے اور مجھے مساکین کے گروہ ہی سے اٹھائیو۔

چونکہ آپؐ کی ذات بابرکات خود مسکین تھی اس لئے یتیموں اور مسکینوں کو آپ بہت قریب رکھتے تھے اور ان کی حمایت اور رعایت کے لئے دل و جان سے کوشش فرماتے تھے اور اپنے اصحاب پاکؓ کو بھی یتیموں اور مسکینوں کی خبرگیری کے سلسلہ میں بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آپ کے مقدس نام کو ہر ایک آسمانی صحیفہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ توریت میں حامد، صعلوک، قتال اور انجیل میں احمد، فارقلیطا اور قرآن پاک میں محمد و احمد کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

عاشقِ صادق حضرت شاہ ابوالمعالی قادری کرمانی لاہوریؒ حضور اکرمؐ کے حلیہ مبارک کی تعریف میں یوں کہتے ہیں:

هو اسمر بياض اللون و واسع الجبهة وازج الحاجبين واقلج الاسنان واسود العينين ومليح واقنا انف وازج الحواجب و طويل اليدين وتمام العقد ومجتمع اللحية ورقيق الانامل وضيق الغماد وليس في بدنه شعر الا لخط الصدر الى السره وصورته احسن الصور وحسنهٗ حسن القمر ونورهٗ نور الشمس وكلامهٗ كلام روح القدس وقالهٗ قال الشريعة وحالهٗ حال الحقيقة وعلمهٗ علم اليقين ولسانهٗ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ قدمی سرخ یا سفید ملا ہوا تھا۔ فراخ پیشانی، باریک ابرو، کشادہ دندان، سیاہ چشم، حیا دار، ملیح نظر والی بلند ناک، بھرے ہوئے لمبے بازو، سرو قد (یعنی سیدھا جیسے مناسب ہوتا ہے) اور گنجان ریش مبارک، باریک بال، تنگ دہان تھا۔ آپ کے بدن مبارک پر بال نہیں تھے مگر سینۂ اقدس کے خط سے ناف تک اور آپکی نازنین صورت تمام صورتوں سے احسن ہے، آپ کا حسن چاند کے حسن سے بڑھ کر اور آپ کا نور، نورِ خورشید سے افضل۔ آپ کا کلام بلاغت نظام روح القدس کا کلام اور آپکی گفتگو راز شریعت اور آپکا حال حقیقت کی صورت ہے۔

لسان الذاکر و قلبہٗ	آپ کا علم، علمِ یقین اور آپ کی زبان خدا کا ذکر
عین المعرفۃ و ذاتہٗ	کرنیوالی زبان ہے۔ آپ کا دل معرفت کا چشمہ،
ذات انوارالحق و دینہٗ	آپ کی ذات انوارِ حق کا کرشمہ، آپ کا دین تمام
اکرام الادیان ملتہٗ اشرف	دنیا کے مذہبوں سے بلند اور آپ کی ملت تمام
الملل و خُلقہٗ احسن الاخلاق	ملتوں سے برگزیدہ ہے۔ آپ کا خلقِ عظیم اخلاقِ
و عملہٗ امر اللہ و فعلہٗ	حسنہ کا نچوڑ، آپ کا عمل خدا کا حکم، آپ کا کام
عبادۃ اللہ و جسمہٗ خیر الاجسام	اللہ کی عبادت، آپ کا جسم مخلوق میں خیر و سعادت
واسمہٗ خیر الانام صلی اللہ	اور آپ کا اسمِ گرامی "خیر الانام" ہے صلی اللہ
علیہ و اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔	علیہ وآلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

حضور فخر الرسل کی ولادتِ اطہر علمائے ملت کی متفقہ رائے کے مطابق واقعہ اصحابِ فیل کے سال میں، ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے روز پو پھٹنے کے بعد ہوئی۔ گویا اس تاریخی واقعہ کو گزرے ابھی چالیس یا پچپن روز ہی گزرے ہوں گے۔

بعض بزرگوں کا خیال یوں ہے کہ حضورؐ کی ولادت اور ابرہہ کا حملہ (واقعۂ اصحابِ فیل) دونوں ایک ساتھ ہوئے۔ ایک لحاظ سے نوشیرواں کے زمانہ میں، اس کی حکومت کے بیالیسویں سال میں حضورؐ عالم آراء ہوئے جبکہ سکندرِ اعظم مقدونوی کو دنیا سے رخصت ہوئے چھ سو بہتر برس کا عرصہ بیت چکا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضورؐ کی ولادت تک کُل چھ سو سال کا فرق تھا۔ چالیس برس کی عمر میں رمضان المبارک کے رحمت بھرے مہینہ کے اندر آپ پر کلامِ الٰہی کا نزول شروع ہوا۔ بعض علمائے حدیث کے بیانات کے مطابق وحی نازل ہونے کی ابتدا حضورؐ کی عمرِ عزیز کے اکتالیسویں سال میں ۲۔ ربیع الاوّل کو پیر کے روز ہوئی۔

وہ معجزے جو نبی اکرم علیہ التحیۃ والثناء سے ظاہر ہوئے، پہلے انبیاء میں سے یوں کسی نے بھی نہ دکھلائے۔ ان کی تفصیل پرانے بزرگوں کی کتابوں مثلاً معارج النبوت، مدارج النبوت، اعجازِ نبوی اور صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے۔ جیسے نزولِ قرآن کا معجزہ اور اس کی

فصاحت اور معجزہ شق القمر وغیرہ۔ یہ معجزات ایک ہزار سے زائد بیان ہوئے ہیں۔

حضور اکرمؐ "صاحب السیف والتاج" کا عروجِ معراج (مشاہداتِ معراج) علمِ حدیث کے اکثر علماء کے فیصلہ کے تحت ربیع الاول میں بعثتِ نبویؐ کے بارھویں سال ہُوا۔ بعض اصحاب شوال کا مہینہ اور بعثت کا گیارھواں سال بتاتے ہیں لیکن ۲۷۔ رجب المرجب کی شب پر اکثر علماء متفق ہیں اور اسی تاریخ کو زیادہ معتبر خیال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔

آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت میں ماہِ صفر کی ستائیسویں رات کو یا یکم ربیع الاول کو بعثت کے تیرھویں سال ہجرت فرمائی اور آپؐ نے مکہ معظمہ کی آبادی سے اتوار یا جمعرات کے دن باہر قدم اٹھایا۔ بعض ائمہ دین کے فرمان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جمعرات کو گھر سے نکلے اور غار سے نکلنے اور مدینہ منورہ کی طرف رُخ کرنے کا دن سوموار تھا۔ یا ممکن ہے اس کے برعکس واقعات ہوں۔ بہرحال مدینہ طیبہ میں داخلہ بارہ یا اٹھارہ ربیع الاول پیر کے روز ہُوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بوقت چاشت بروز سوموار ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ وصال کے وقت آپؐ مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ ایک مورخ نے آپؐ کا وصال ۲۔ ربیع الاول ہفتہ کی سحری بیان کیا۔ بعض کتابوں میں جمعہ کا دن لکھا گیا ہے۔ مستند بات یہ ہے کہ آپؐ کا وصال سوموار کو ہُوا مگر آپؐ کو بدھ کے دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ آپؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال کی تھی۔ بعض حضرات نے ۶۵، ۶۰ اور ۶۲ سال ۶ ماہ لکھی ہے۔ ان حضرات نے مختلف حالات سے عمر مبارک کا تعین کیا ہے۔ مستند علماءِ تاریخ نے ان تمام اقوال کو سامنے رکھ کر ۶۳ سال پر اتفاق کیا ہے لیکن مندرجہ بالا اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعضوں نے سنِ ولادت اور سنِ وفات شمار نہیں کیا اور بعض نے قمری شمسی دنوں کا شمار کیا ہے۔ تاریخِ وفات:

رفت چوں از جہاں جناب نبی — ہمچو خور گشت در زمین مستور

نورِ حق بود وصل شد با ذات — پردہ میم شد ز احمد دور

گفت جبرئیل سالِ ترحیلش — اے بگو مہر شد سراپا نور

۲۵۶ — ۲۲۵ = ۱۱

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برگزیدہ ساتھیوں اور پُرعظمت جاں نثار صحابہؓ میں سے تھے اور افضل البشر پیغمبرِ اسلام کے بعد خلافتِ راشدہ کے پہلے امیر تھے آپ کی کنیت ابوبکرؓ، لقب صدیقِ اکبر اور عتیق تھا۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ تھا۔ والدہ ماجدہ کا نام اُمّ الخیر سلمیٰ بنت صخر بن امر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ تھا۔ گویا آپ کے والدین کا نسب چھٹی پشت میں مرّہ سے جا ملتا ہے، جن کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں پشت میں شمار ہوتے ہیں۔ اس ناطہ کے ساتھ دیکھا جائے تو حضرتؓ کی نسبتِ آبائی جناب سرورِ کائنات کے ساتھ مشترک نظر آتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیدائش متحقق روایات کے تحت، واقعۂ اصحابِ فیل کے دو سال چار ماہ کے بعد ہوئی۔ آپؓ نے صحابہ میں سے سب سے اوّل کوئی معجزہ طلب کئے بغیر اسلام قبول کیا اور رسالت کی تصدیق کی۔ اسی لئے صدیقِ اکبرؓ نام پڑا اور نبی آخرالزماںؐ کی رحلت کے دو سال تین ماہ کی مدت تک، مسندِ خلافت پر بیٹھ کر، کمال صداقت و یقین کے ساتھ احیائے اسلام کے لئے سر توڑ کوششیں کیں اور بہت سے اُن عربوں کو جو حضورِ اکرمؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو چلے تھے اپنی قوتِ بازو کے ساتھ راہِ راست پر لائے اور مسیلمۂ کذاب کو جو اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کر کے ایک عظیم لشکر کی معیت میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا تھا، تلوار سے کاٹ کے رکھ دیا۔

ابومسعود انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود اپنی زبان سے ارشاد فرمایا: میں نے حضورؐ کی پیغمبری سے قبل ایک رات خواب میں دیکھا کہ نُور کا ایک بہت بڑا بقعہ آسمان سے نازل ہُوا ہے اور حرم کعبہ میں نازل ہو کر تمام کرۂ ارضی میں پھیل گیا ہے اور مکۃ المکرمہ کا کوئی گھرانہ ایسا نظر نہ آتا تھا جہاں اس نُور کی جلوہ گری نہ ہُوئی ہو۔ پھر وہ سارا نُور ایک معین صورت میں مجتمع ہو کر میرے گھر میں آگیا۔ جب صبح ہُوئی تو میں نے یہ خواب

یہود کے ایک بہت بڑے عالم کے سامنے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر ادھوری ہے (کیونکہ) یہ توہمات کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

چند سال گزرنے پر میں تجارتی سفر پر گیا۔ جب ہم بحیرہ راہب کے ٹھکانے "دیر بحور راد" پر پہنچے تو میں نے بحیرہ راہب سے ملاقات کی اور اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ اس نے کہا:

"تو کون ہے؟"

میں نے کہا: "میں قریشِ مکہ میں سے ایک فرد ہوں۔"

بحیرہ راہب بولا: "خدا انہی سے ایک پیغمبر مبعوث فرمائے گا جس کا تو مشیر و نائب ہوگا۔"

جب حضورؐ کی رسالت کا ڈنکا بجا تو آپؐ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے (حق الیقین کی خاطر) کوئی خاص دلیل چاہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری رسالت کی دلیل تیرا وہ خواب ہے جس کی تعبیر تجھے بحیرہ راہب نے بتائی تھی۔"

میں نے عرض کیا: "حضورؐ آپ نے یہ حال کس سے سن لیا؟"

حضورؐ نے فرمایا: "حاملِ وحی جبرئیلؑ سے۔"

پھر اسی وقت میں نے صدق دل سے یہ الفاظ کہے "لا الٰہ الا اللہ۔ انت (محمدؐ) رسول اللہ۔"

شواہد النبوت کے مصنف نے یوں لکھا ہے:

"حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کی ایک شاخ میری طرف لپکی اور میرے سر تک پہنچ گئی۔ اس ٹہنی میں سے میں نے ایک عجیب آواز سنی کہ پیغمبر آخر الزماںؐ فلاں وقت میں پیدا ہوں گے اور تجھے ان کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنی چاہئے تاکہ تو "صدیق" ہو جائے۔

میں نے اس شاخِ سبز سے کہا کہ صاف صاف کہو وہ پیغمبر کون ہے اور اس کا نام کیا ہوگا؟"

جواب ملا: "محمد بن عبداللہ قریشی، مکی، ہاشمی۔" میرے دل نے کہا وہ تو میرا حبیب و مونس ہوگا۔"

"تب میں نے اس درخت سے عہد لیا کہ حضورؐ جب مبعوث ہوں مجھے پھر بشارت دینا۔"
جب حضورؐ کی بعثت ہوئی تو اس درخت سے پھر صدا آئی: اے ابن ابو قحافہ ہوشیار باش کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی پہلی وحی نازل ہو گئی۔ اب جلدی ایمان لانے کی کوشش کریں تاکہ السابقون کے گروہ میں ہو جاؤ اور اُن کی رسالت کی جلدی تصدیق کر دو کہ دنیا کے صدیقوں میں تمہارا نام لکھا جائے۔ چنانچہ میں فوراً آنحضرتؐ کی خدمت میں اس مقصد کے لئے حاضر ہوا اور آپ نے بھی مجھے معاً اسلام کی دعوت دی تو میں فوراً پکار اٹھا:
"اَشْهَدُ اَن لا اله الا الله واشهد انّك رسول الله۔"

ایک رات چند مہمان حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر آئے۔ خود حضرت ابوبکرؓ اس وقت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے۔ نمازِ عشاء سے فراغت پانے کے بعد جب آپؓ گھر پہنچے تو پوچھا کہ مہمان شام کا کھانا کھا چکے ہیں یا نہیں؟
گھر والوں نے کہا: "ہم نے اُن کے سامنے دسترخوان چُن دیا تھا لیکن انھوں نے کھانا نہیں کھایا، ان کی منشاء غالباً یہ ہے کہ آپ بھی شامل ہوں تو مِل کر کھایا جائے۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصال سے پہلے وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو تو میرا تابوت سرکارِ دو عالمؐ کے روضہ اطہر کے سامنے رکھا جائے اور کہا جائے "السلام علیک یا رسول اللہ، ابوبکر آستانہ عالیہ پر حاضر ہے۔ اگر دروازہ خود بخود کھل جائے تو مجھے اندر دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں دفنانا۔" جب وصیت کے مطابق آپ کا تابوت لایا گیا تو ابھی تک کلمات پورے نہ ہوئے تھے کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور آواز آئی "دوست کو دوست کے پاس لے آؤ"۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جوارِ حبیبؐ میں دفن کر دیا گیا۔

آپؓ کا وصال ۲۲۔ جمادی الآخر ۱۳ھ بروز اتوار ہوا ایک روایت میں منگل کی رات لکھا ہے۔ بعض کتابوں میں جمعہ ۲۲ اور ۲۳ ماہ جمادی الآخر بھی تحریر ہے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

حضرت صدیقِ اکبر یارِ غار	حاکمِ دین والی کون و مکان
بود مقبول احد آن ذات پاک	از احد شد سال ترحیلش عیان
باز سالِ انتقالش گفت دل	آہ اے سرور ولی رفت از جہان

۵۹ − ۴۶ = ۱۳

۲۔ امیر المومنین سیدنا عمر ابن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کنیت ابو الحفص، لقب فاروق الاعظم اور اسم گرامی عمر ابن الخطاب بن فنیل بن عبد العزیٰ ابن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب۔ آپ کی والدہ کا نام خثمہ بنت ہاشم بن مغیرہ یا بنت ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخذوم۔ اس لحاظ سے وہ یا تو ابو جہل کے چچا کی لڑکی یا ابو جہل کی بہن تھیں۔ آپ کا نسب والد کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب نامہ کعب پر ملتا ہے۔ (کعب رسول اکرمؐ کے جد ہشتم تھے اور حضرت عمرؓ کے جد نہم تھے)

حضرت عمرؓ کی ولادت واقعہ فیل سے تیرہ سال قبل ہوئی تھی اور بعثت رسول پاکؐ کے چھٹے سال ایمان لائے تھے۔ آپ سے پہلے صرف چالیس مسلمان ہوئے تھے۔ جس دن حضرت عمرؓ ایمان لائے تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

یاأیها النبی حسبك الله و من اتبعك من المومنین۔

بروز منگل ۲۲۔ جمادی الآخر ۱۳ھ کو آپ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ آپ کی مدتِ خلافت دس سال آٹھ ماہ تھی۔

شواہد النبوت کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں میں محدثین ہوا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سے گفتگو کیا کرتے تھے مگر میری امت میں حضرت عمرؓ ایسے شخص ہیں جن کی زبان سے اللہ تعالیٰ خود گفتگو کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جس معاملہ میں صحابہ رسول گفتگو کرتے تھے، حکم الٰہی حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ڈول میں نے کنوئیں میں ڈالا اور اس سے پانی کھینچنے لگا اور اس وقت تک پانی کے ڈول کھینچتا رہا جب تک اللہ نے چاہا۔ اس کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پانی کھینچنے لگے۔ ابھی آپ نے دو ایک ڈول کھینچے تھے کہ تھک گئے رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور ڈول کھینچنے لگے۔ میں نے آپ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے تمام حوض کو پانی سے بھر دیا اور خلقِ خدا کو سیراب کر دیا۔ یہ عہد خلافتِ عمر کی طرف اشارہ تھا۔ آپ نے

فارس کے ہزاروں شہر اور قصبے فتح کئے اور بے پناہ لوگ دامنِ اسلام میں آئے۔

ایک دن جمعہ کے روز آپ برسرِ منبر خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں تین بار خطبہ کے دوران "یا ساریۃ الجبل" پکارا اور پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ حاضرینِ مجلس ان بے تعلق جملوں سے متعجب تھے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمان بن عوف نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: میں نے نظرِ کشف سے دیکھا کہ ساریہ اور اس کے لشکری ایک پہاڑ کے دامن میں لشکرِ کفار سے لڑ رہے ہیں اور قریب ہے کہ انہیں شکست ہو۔ میں نے یہ حال دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔ میں نے انہیں للکارا کہ تم پہاڑ کے پیچھے چلے جاؤ۔ چنانچہ انہیں کفار کے لشکر سے نجات مل گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری آواز ان تک پہنچا دی ہو گی۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ساریہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ میں پہنچے اور بتایا کہ جمعہ کے روز ہم لشکر کفار سے لڑ رہے تھے۔ صبح سے لے کر نماز ظہر تک ہم مصروفِ پیکار رہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا بے پناہ لشکر ہمیں گھیرے میں لے رہا ہے۔ کسی منادی کرنے والے نے پکارا۔ یا ساریۃ الجبل۔ چنانچہ ہم نے پہاڑ کے دامن میں لشکر کفار کا مقابلہ کیا تو فتح یاب ہو گئے۔ کہتے ہیں یہ مقام مدینہ پاک سے ایک ماہ کے راستہ پر تھا۔

جس وقت مصر فتح ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے عمرو بن العاص کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی سال مصری لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے، دریائے نیل کی عادت ہے ہر سال اس ماہ ایک خوب صورت کنواری لڑکی کو اس دریا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ ہم لڑکی کے والدین کو حسبِ خواہش روپیہ دے کر خوش کر لیتے ہیں اور لڑکی کو خوب صورت لباس پہنا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ اس طرح دریائے نیل کا پانی پورا ایک سال رواں دواں رہتا ہے ورنہ خشک ہو جاتا ہے اور قحط رونما ہو جاتا ہے جس سے فصلوں کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس سال بھی اگر یہ نذرانہ پیش نہ کیا گیا تو نیل خشک ہو جائے گا اور فصلیں تباہ ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت عمرو ابن العاص نے یہ سارا واقعہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ وہاں سے جواب آیا کہ اسلام اس قسم کی رسوم کو ختم کرنے آیا ہے۔ ایسی بات کو اسلام قطعاً تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ اس قسم کی رسوم ادا کرنے کی کسی کو اجازت نہ دی جائے۔ کہتے ہیں، ابھی تین ماہ گزرے تھے کہ دریائے نیل خشک ہو گیا۔ رعایا برباد ہونے لگی۔

اور لوگ قحط سے نقلِ مکانی پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دوبارہ صورت حال لکھ کر حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا کہ بے آبی سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں اگر آپ امداد فرمائیں تو رعایا آباد ہو سکتی ہے ورنہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی ایک رقعہ دریائے نیل کو لکھا جس میں یہ الفاظ تھے:

من عبد الله الامیر المومنین عمر الی نیل مصر۔ اما بعد فانك ان کنت تجری من قبلك فلا تجری وان کان الله الواحد القهار ان تجریك فتجر فقط!

(امیر المومنین عمر کی طرف سے دریائے نیل مصر کے نام۔ اگر تم خود جاری ہو تو رک جاؤ۔ لیکن اگر اللہ واحد قہار کے حکم سے چلتے ہو تو تمہیں جاری رہنا پڑے گا)

آپ نے حاکمِ مصر کو بھی لکھا کہ میرا یہ رقعہ دریا میں ڈال دینا۔ دریا اللہ کے فضل و کرم سے جاری ہو جائے گا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈالا۔ دوسرے روز دریا عام حالات سے سولہ فٹ اونچا بہنے لگا۔ چنانچہ رعایا آباد ہو گئی اور حالات معمول پر آ گئے اور دریائے نیل کی یہ عادتِ بد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ اپنے گھر میں آفتاب کی روشنی کی طرف رُخ کئے اپنے کپڑوں کو ٹانکے لگا رہے تھے۔ چونکہ کچھ وقت لگ گیا اس لیے آفتاب کی گرمی نے آپ کو متاثر کیا۔ آپ نے اپنی خشمگیں نگاہ آفتاب کی طرف اٹھائی تو آفتاب سیاہ ہو گیا اور ساری دنیا پر سیاہی چھا گئی۔ اس حال سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے متفکر ہوئے۔ اسی وقت حضرت روح الامین حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! آج آفتاب نے آپؐ کے عمرؓ کو خشمگیں کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے نورِ آفتاب گہنا گیا ہے۔ ہاں اگر حضرت عمرؓ آفتاب کا گناہ معاف کر دیں تو آفتاب کی روشنی لوٹائی جا سکتی ہے ورنہ قیامت تک آفتاب کو اسی طرح سیاہ رہنا پڑے گا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر فاروقؓ کو طلب کیا اور فرمایا کہ آفتاب کا گناہ معاف کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے درگزر کیا اور آفتاب کا نورِ عالمتاب اسے لوٹا دیا گیا۔

راحت القلوب میں ایک اور روایت بھی درج ہے کہ جب حضرت امیر المومنین حضرت عمرؓ

نے شاہ روم قیصر سے خراج طلب کیا تو اسے ذرا تامل اور توقف تھا۔ اس نے اپنے خفیہ جاسوس آپ کی خدمت میں بھیجے تاکہ آپ کی قوت کا مشاہدہ کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر سکیں۔ جب یہ جاسوس مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنے جھونپڑے میں بیٹھے دیکھا جو اپنے کپڑوں کو پیوند لگا رہے تھے۔ اپنے دل میں سوچنے لگے ایسا بے وقار فقیر جو اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا رہا ہے قیصرِ روم سے کس طرح خراج حاصل کر سکتا ہے۔ حضرتِ امیر المومنینؓ نے نورِ بصیرت سے ان کے ان خیالات کو بھانپ لیا اور فرمایا کہ قیصرِ روم جو مال اور تحائف لائے ہو کہاں ہیں؟ وہ لوگ آپ کی اس بات پر حیران رہ گئے اور کانپنے لگے اور تمام حالات و کوائف بے کم و کاست بیان کرنے لگے۔ آپ نے دِرہ اٹھایا اور روم کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: ہم نے قیصرِ روم کا سر قلم کر دیا ہے۔ جاسوس یہ بات دیکھ کر واپس روم چلے گئے۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ قیصرِ روم ایک دن دربار لگائے بیٹھا تھا، تمام اعیانِ سلطنت بھی حاضر تھے کہ اچانک ایک دیوار سے شگاف پڑا اور ایک دِرہ برآمد ہوا، اس کی شدید ضرب نے قیصرِ روم کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمان چھپ چھپ کر اندر اذان دیا کرتے تھے اور غاروں میں چھپ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئے ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ حضرت بلالؓ نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر اذان دی تو کفار کے دل کانپ گئے۔ یہ اسلام کی پہلی للکار تھی جو کفار کے دلوں پر بجلی بن کر گری۔ مشرکین مل کر کہنے لگے: یہ کیا مصیبت ہے کہ مسلمان اب برملا اذان دینے لگے ہیں۔ اسی وقت شہر میں خبر ملی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی کافروں کی کمر ٹوٹ گئی اور کہنے لگے: آج بتوں کا دین دو ٹکڑے ہو گیا اور اسلام ظاہر ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دِرہ ہاتھ میں پکڑے جا رہے تھے ایک دہی فروش راہ میں کھڑا رو رہا تھا۔ آپؓ نے پوچھا، کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرا دہی زمین پر گر گیا۔ زمین اس دہی کو نگل گئی۔ حضرت عمرؓ کو اس کی سادگی پر بڑا ترس آیا۔ آپؓ نے زمین پر دِرہ مار کر کہا: زمین! اس

غریب کا دہی واپس کر دو ورنہ انصاف کے دِرّہ سے تمہیں سزا دوں گا۔ زمین اسی وقت پھٹ گئی اور وہ دہی جو مٹی نگل چکی تھی اس دہی فروش کو لوٹانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے اپنا برتن بھرا اور چلتا بنا۔

اس شاہِ خلافت کی شہادت ۲۳ھ میں واقعہ ہوئی۔ ماہ محرم الحرام کی یکم بروز اتوار (بقول روایت دیگر بدھ ۲۹۔ ذوالحجہ ۲۳ھ) کو آپ ان تین زخموں سے واصلِ بحق ہوئے جو ایک بدنہاد نے دھوکے سے لگائے تھے۔ ہمارے نزدیک دوسری روایت یعنی ۲۸۔ ذی الحجہ کی زیادہ صحیح ہے جو لوگ یکم محرم الحرام کو صحیح خیال کرتے ہیں ان کے ہاں سال ۲۴ھ ہے۔ آپ ۶۰ یا ۶۳ سال اور بقول دیگر ۵۵ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آپؓ کا مزار پُرانوار حضرت صدیق اکبرؓ کے مزار کے ساتھ ہے جو سرکارِ دو عالمؐ کے پہلو میں ہے۔ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کے مدفن کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا جائے گا۔ یہ دونوں بزرگ دو انبیاء کے درمیان آرام فرما ہیں اور ان کے درمیان سے اٹھیں گے۔

جانشینِ مصطفیٰؐ حضرت عمرؓ — بود بر فرشِ زمیں عرشِ آسمان!
سالِ تاریخِ وصالِ آں جناب — گو ز عالم رفت محبوب جہان![1]
۲۳ھ

۴۔ امیرالمومنین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ

کنیت ابو عمر، ابو لیلیٰ اور ابو عبداللہ تھی۔ لقب ذوالنورین (آں حضرتؐ کی دو بیٹیاں آپ کے نکاح میں رہیں) تھا۔ کہتے ہیں آج تک کسی انسان کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ اس کے عقد میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے، اگر میرے ہاں چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے نکاح کرتا چلا جاتا۔

---

[1] اس تاریخ گوئی میں ایک نکتہ ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے کہ اگر عالم کے اعداد سے محبوب جہان کے اعداد نکال لیے جائیں تو باقی ۲۳ بچیں گے جو آپ کا سنِ شہادت ہے۔

امیر المومنین عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف - آپ کی والدہ کا نام بیضاء تھا جو حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور آنحضرتؐ کے والد حضرت عبد اللہ کی توام تھیں - آپ کا نسب والدہ اور والد دونوں نسبتوں سے آنحضرتؐ کے جد امجد عبد مناف سے جا ملتا ہے - عبد مناف حضرت رسول اکرمؐ کے جد چہارم اور حضرت عثمانؓ کے جدِ پنجم تھے -

آپ کی ولادت واقعۂ فیل کے چھٹے سال ہوئی - اعلانِ رسالت کے سالِ اوّل میں ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دلالت و تبلیغ سے دامنِ اسلام میں آ گئے - یکم محرم ۲۴ھ کو مسندِ خلافت پر بیٹھے اور مدتِ خلافت بارہ سال بارہ دن تھی -

ایک دفعہ چند صحابی آپ کے گھر گئے مگر راستہ میں ایک کی نظر ایک نامحرم عورت پر جا پڑی - آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: کیا بات ہے - تم میں سے ایک شخص ایسا بھی میرے گھر آ گیا ہے جس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہے - وہ شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا: یا امیر المومنینؓ! میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ پر وحی آتی ہے - آپ نے فرمایا: وحی نہیں، نورِ فراست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے خادموں کو عطا فرمایا ہے -

روایت ہے کہ شہادت سے ایک رات پہلے سرکار دو عالمؐ آپ کو خواب میں ملے اور فرمانے لگے: عثمان! آج افطار میرے پاس کرنا ہوگی دوسرے روز آپ کو سعادتِ شہادت ملی -

شواہد النبوت کے مولف حضرت مولینا جامیؒ لکھتے ہیں کہ ایک ثقہ راوی نے کہا ہے، میں طوافِ کعبہ میں مصروف تھا کہ مجھے ایک نابینا ملا جو طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے بخش دے حالانکہ مجھے یقین نہیں آتا کہ تو مجھے بخش لے گا - میں نے کہا: سبحان اللہ! ایسی جگہ پر تم ایسی مایوس کن بات کرتے ہو - اس نے کہا، میں نے ایک عظیم گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے مجھے بخشش کی اُمید نہیں - میں نے کہا: وہ کیا؟ اس نے بتایا کہ جس دن حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا - میں بھی حضرت کے معاندین میں سے تھا - میں نے قسم کھائی تھی کہ جب حضرت عثمانؓ شہید ہو جائیں گے میں ان کے برہنہ منہ پر طمانچہ ماروں گا - جب آپ شہید ہونے میں اندر آیا - دیکھا کہ آپ کا سر آپ کی بیوی کی بغل میں پڑا ہے - میں نے کہا، عثمانؓ کا

منہ ننگا کرو۔ بی بی نے پوچھا، تمہارا مطلب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں ان کے منہ پر طمانچہ ماروں گا۔ بی بی نے رو کر کہا: تم خیال نہیں کرتے کہ اس منہ کی رسولِ خدا نے تعریف کی ہے۔ اپنی دو بیٹیاں اس کے نکاح میں دیں۔ اور بھی بہت سے فضائل بیان کئے۔ مگر میں نے پروا نہ کی۔ دوسرے لوگ ان کی باتیں سُن کر شرمسار ہو کر لوٹ گئے مگر میں نے زبردستی آپ کا منہ ننگا کر کے زوردار طمانچہ مارا۔ خاتون نے ایک دلدوز آہ بھری اور کہا: ظالم۔ بے رحم جا اللہ تم پر کبھی رحم نہ کرے اور تیرے گناہ معاف نہ کرے، تمہارا ہاتھ سُوکھ جائے اور تمہاری آنکھوں کی روشنی چھین لے۔ مجھے خدا کی قسم ہے ابھی حضرت عثمانؓ کے گھر سے میں باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ میرا ہاتھ سُوکھ گیا اور میں اندھا ہو گیا۔ مجھے امید نہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کرے گا۔

ابن سعید غفاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ کا عصا اٹھا لیا۔ یہ وُہ عصا تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیا تھا۔ اس نے گھٹنے پر رکھ کر اسے توڑنے کی کوشش کی۔ لوگوں نے اسے کہا۔ یہ عصا نہ توڑو یہ رسول اللہؐ کا ہے مگر اس نے سُنی ان سنی کر دی اور عصا، توڑ دیا۔ اسی وقت اس کے گھٹنے میں درد ہوا اور وہ اسی درد سے مر گیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو جنّات نے تین دن تک مسجد نبوی کی چھت پر ماتم کیا اور آپ کے مرثیہ میں ابیات پڑھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ کو تین روز تک دفن نہ کیا گیا۔ ناگاہ ہاتف نے آواز دی: اُدْفِنُوْہ ولا الصلٰوۃ فان اللہ عزوجل قد صلی علیہ۔

(انہیں دفنا دیا جائے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کا جنازہ ادا کر دیا ہے)

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۳۵ھ میں شہادت پائی۔ یہ واقعہ فاجعہ بروز جمعہ ۱۳ یا ۱۴ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ میں رونما ہُوا تھا۔ وقتِ شہادت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی۔ بعض روایات میں ۹۲ سال لکھی ہے۔ ۷۵، ۸۲ اور ۸۶ سال بھی مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔

آپ کا مزار پُر انوار مدینہ پاک کے جنت البقیع کے قبرستان میں ہے۔

شاہ عثمان خلیفہ برحق | از جہاں شد بہ جنت اعظم
سال تاریخ آں سراپا عدل | اے بگو رفت عادل از عالم
۳۶

۵۔ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ

کنیت ابوالحسن، ابو تراب ہے۔ لقب اسداللہ، حیدر، صفدر اور کرار ہے۔ نام نامی علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدالمناف تھیں۔ آپ مکہ معظمہ اور بقولِ دیگر خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۱۳۔ رجب المرجب تیس سال بعد از واقعۂ فیل ہوئی۔ آپ کی عمر بعثت کے وقت صرف گیارہ سال تھی اور جو شخص نابالغ بچوں میں سے سب سے پہلے اسلام لایا وہ آپ ہی تھے آپ ۳۵ یا ۳۶ھ کو مسندِ خلافت پر بیٹھے اور مدتِ خلافت پانچ سال تین ماہ تھی۔ بعض مورخین نے آپ کا دورِ خلافت چار سال نو ماہ لکھا ہے۔ وہ ائمہ اثنا عشر میں سے امام اول تھے۔

حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی صحابی کی احادیثِ فضائل میرے علم میں نہیں آئیں۔ سیرالاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے۔ ایک دفعہ حضورؐ کے چاروں جلیل القدر صحابہ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو متوجہ فرمایا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج کو مجھے خرقۂ فقر عطا کیا تھا اب اگر میں آپ کو دوں تو آپ اس کا حق کس طرح ادا کریں گے۔ آپ نے جواباً عرض کیا کہ صدق اختیار کروں گا اور صداقت کو فروغ دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ ڈالی اور وہی بات کہی۔ آپ نے جواب دیا کہ عدل کروں گا اور مظلوم کو ظالم کے پنجے سے نجات دلاؤں گا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے وہی سوال کیا تو آپ نے عرض کی کہ میں خرقہ فقر کے شکرانہ کے طور پر حیا اختیار کروں گا۔ تحمل اور صبر کا مظاہرہ کروں گا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی باری آئی تو آپ نے عرض کی، یا رسول اللہ! اگر اس فقیر کو خرقہ عالیہ فقر عطا کیا گیا۔ اس کے شکرانہ میں پردہ پوشی کروں گا اور حتی الامکان لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کروں گا اور مخلوق کے مصائب کو معاف

کروں گا۔ آپ حضرت علیؓ کی گفتگو سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا، تمہارا جواب رضائے رسولِ خدا اور رضائے خداوندی کے قریب ہے۔ یہ فقرِ الٰہی کا خرقہ لے لو کیونکہ یہ تمہارا ہی حق ہے تم اسے پہن لو تاکہ شہنشاہِ اولیائے امت اور پیشوائے ولایت امت ہو جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ گھوڑے پر سواری کے لئے رکاب میں پاؤں رکھتے تو قرآن پاک تلاوت کرتے، جب دوسری رکاب پر پاؤں رکھتے تو سارا قرآن ختم کر لیتے۔

ایک دن بعد از ادائے نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے تھے اور ایک شخص کو حکم دیا کہ فلاں محلہ میں جاؤ۔ وہاں مسجد ہو گی جس کے قریب ہی فلاں گھر میں ایک مرد اور عورت آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے ان دونوں کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ شخص گیا اور دونوں کو حاضر کر دیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں مخاطب کر کے کہا، آج رات تم لوگ کیوں لڑ رہے تھے مرد نے بتایا آج رات اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے۔ میں اس کے نزدیک آیا ہی تھا کہ میرے دل میں نفرت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو اس عورت سے علیحدہ رکھا اور فیصلہ کر لیا کہ اسے طلاق دے دوں۔ مگر یہ عورت مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عورت کو علیحدہ لے گئے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ تم اس کا جواب صحیح دو اور جھوٹ یا دروغ سے باز رہو۔ وہ بات یہ ہے کہ تمہیں آغازِ جوانی میں اپنے چچا زاد سے محبت تھی، وہ بھی تمہارے حسن و جمال پہ فریفتہ تھا لیکن تمہارا والد نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا اس سے نکاح ہو۔ آخر کار تم دونوں ایک رات زنا کے مرتکب ہو گئے اور نتیجتاً تم حاملہ ہو گئیں۔ تم نے یہ راز جب اپنی ماں سے کہہ دیا اور وضع حمل کی رات تمہاری ماں تمہیں باہر لے گئی۔ تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جسے تم نے کپڑوں میں لپیٹ کر دیوار کے باہر پھینک دیا مگر تم اس کو دیکھتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کتا آیا اور اس نے اس بچے کو منہ میں اٹھا لیا مگر تم نے ایک زوردار پتھر مارا جو اس بچے کے سر پر لگا اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ تمہاری ماں نے اپنا آزار بند کھول کر اس کے زخم ایک کپڑے سے باندھ دیئے اور بچے کو چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئیں۔ پھر تمہیں علم نہیں کہ اس بچے پر کیا گزری۔ اس عورت نے کہا، یہ واقعہ بالکل درست ہے اور آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے، لفظ بلفظ صحیح ہے۔ اب براہِ کرم

مجھے یہ بتائیں کہ اس بچے کے ساتھ کیا گزری۔ آیا وہ مر گیا ہے یا زندہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، خدا کی قسم جس تم اس وقت اپنا شوہر بنا بیٹھی ہو وہی لڑکا ہے جسے ایک سوداگر نے اٹھا لیا تھا اور وہ اپنے ساتھ لے جا کر پرورش کرتا رہا۔ وہ بڑا ہوا تو کوفہ میں آ گیا اور تمہارے ساتھ شادی ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ماں سے مجامعت کرنے سے پہلے اس کے دل میں نفرت ڈال دی۔ عورت نے کہا، اگرچہ آپ کا فرمان اور بیان بالکل صحیح اور حق ہے۔ مگر پھر بھی مجھے کوئی ایسی دلیل چاہئے جس سے میں مطمئن ہو جاؤں۔ حضرت علیؓ نے اس مرد کو بلایا اور حکم دیا کہ اپنے سر سے کپڑا اتارو اور اس عورت کو کہا کہ اس کے سر پر نشانِ زخم دیکھ لو۔ اس عورت نے جب نشان زخم دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدموں پر گر گئی اور بیٹے کو ہاتھ سے پکڑ کر روانہ ہو گئی۔

ایک دفعہ کوفہ کے نواح کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ اس دفعہ دریائے فرات میں بڑی طغیانی آئی ہے اور ہماری فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ پانی کا بہاؤ شہر کو بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ دعا فرمائیے کہ دریا کا پانی حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھے اور لوٹ جائے۔ لوگوں کی درخواست سنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالمؐ کا عطا کردہ جبہ پہنا۔ پیراہن نبویؐ بغل میں لیا، عصائے محمدیؐ ہاتھ میں اور عمامہ احمدیؐ سر پر رکھا اور شہریوں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ دو رکعت نماز ادا کی اور فرات کے کنارے پر کھڑے ہو کر اسی عصا سے دریا کی طرف اشارہ کیا۔ ایک اشارے سے ہی ایک گز پانی اتر گیا۔ اسی طرح آپ نے تین بار کیا اور تین گز پانی نیچے چلا گیا۔ جب چوتھے گز تک نوبت آئی تو اہل شہر چلا اُٹھے: یا حضرت اس سے کمتر نہیں ہونا چاہئے نہیں تو ہم پانی سے محروم ہو جائیں گے۔

بی بی اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ مجھے حضرت فاطمہ خاتون جنتؑ رضی اللہ عنہا نے اپنی شب عروسی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا: مجھے اس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت ڈر آیا کیونکہ میں نے سنا کہ زمین بھی آپ کے ساتھ باتیں کر رہی ہے۔ صبح میں نے سرکارِ دو عالمؐ سے یہ بات بیان کی۔ آپ سن کر سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا: فاطمہؓ! تمہیں پاکیزگی نسب و نسل کی بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے شوہر کو تمام خلائق سے فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا ہے کہ اپنی خبریں اسے سنا دیا کرے اور مشرق و مغرب کے

تمام حالات اُس پر واضح کر دے۔

حجاج بن یوسف جو بڑا ظالم اور شقی القلب تھا۔ اس نے اکثر صحابہ اور شیعانِ حضرت علیؓ کو مروا دیا تھا۔ آخر کار حضرت قنبرؓ جو حضرت علیؓ کے وفادار اور جانثار خادم تھے کو طلب کیا اور پوچھا کیا قنبر تم ہی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! کیا تم حضرت علیؓ کے غلام ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ کا غلام ہوں اور حضرت علیؓ میرے ولی نعمت ہیں۔ حجاج نے کہا: اُس کے دین سے توبہ کرو۔ قنبر کہنے لگے: حضرت علیؓ کے دین سے کوئی بہتر دین دکھاؤ۔ حجاج نے گرج کر کہا: میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ بتاؤ تمہیں کس طرح قتل کیا جائے۔ حضرت قنبر نے کہا: تمہیں اختیار ہے لیکن یاد رکھو جس اذیت سے تم مجھے قتل کرو گے اسی اذیت سے کل تمہیں قتل کیا جائے گا۔ مجھے تو میرے آقا حضرت علیؓ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تجھے وہ شخص قتل کرے گا جو روئے زمین کے بدترین ظالموں میں سے ہوگا۔ حجاج نے اسے قتل کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دورانِ سفر میدانِ کربلا میں پہنچے اور دائیں بائیں دیکھنے لگے اور روتے روتے اس وحشت ناک جنگل سے گزرے اور کہتے جاتے تھے، خدا کی قسم یہاں ان کے اونٹ بیٹھیں گے۔ یہاں وہ قتل کیے جائیں گے۔ احباب نے حضرت علیؓ سے پوچھا: یہ کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ جنگل ہے جس میں ایسی قوم قتل کی جائے گی جو بلاحساب وکتاب داخلِ جنت ہوں گے اور ان کے قاتل اللہ کی بارگاہ کے دھتکارے ہوں گے۔

جنگِ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھی تشنگی کا شکار ہوئے تو آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ اسے کھودا جائے۔ جب تھوڑی سی جگہ کھودی گئی تو نیچے چٹان نکل آئی۔ کوئی ہتھیار اس پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پتھر پانی کے منہ پر ہے۔ ہمت کر کے اسے توڑ دو۔ سپاہیوں نے بے پناہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کار حضرت علیؓ اپنی اونٹنی سے اترے اور آستین لپیٹ کر دو انگلیوں کے اشارے سے چٹان کو اکھاڑ پھینکا۔ پتھر کے نیچے سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ برآمد ہوا۔ تمام نے پیا۔ سارا لشکر سیراب ہو گیا۔ آپ نے وہی پتھر اس چشمہ کے منہ پر رکھ دیا اور مٹی سے بھر دیا۔ نزدیک ہی ایک عیسائی عبادت گزار (راہب) رہتا تھا۔ آپ کے پاس دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا کیا آپ پیغمبرِ خدا ہیں۔ آپ نے

فرمایا، نہیں! پھر پوچھا کہ آپ فرشتہ مقرب ہیں؟ کہا، نہیں۔ کہنے لگا: پھر آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا: میرا نام علی ہے اور حضرت پیغمبر آخرالزماں کا بھائی ہوں اور میرا دین اسلام ہے۔ راہب کہنے لگا، اپنا ہاتھ مجھے دیجئے۔ میں آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ راہب مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے راہب سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے مسلمان ہونے اور ہمارے پاس آنے پر مجبور کیا۔ اس نے بتایا یہاں ایک بہت قدیم بت خانہ ہے۔ اس بت خانہ کے بانی کی ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ فلاں مقام پر ایک چشمہ ہے جس پر ایک بڑا سا پتھر ہے۔ کوئی اس پتھر کو اٹھا نہیں سکے گا البتہ کوئی پیغمبر یا اس کا جانشین یہ کام سرانجام دے گا۔ میں انتظار کرتا رہا کہ وہ شخص کب آتا ہے۔ آپ نے پتھر اٹھایا، پانی پیا۔ میں سمجھ گیا جس شخص کی مجھے تلاش تھی آپ ہی ہیں۔ جب حضرت نے یہ بات سُنی تو بڑے روئے۔ حتیٰ کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور فرمایا: الحمد للہ الذی لم اکن عندہ منیاً وکنت فی کتبہ مسطوراً۔

وہ راہب حضرت امیر کا غلام بن گیا اور شامیوں سے لڑتا ہُوا شہید ہوا۔ جب حضرت شاہ رسالت مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے تو ایک صحرا سے گزر ہُوا جہاں پانی نہیں تھا۔ مسلمان لشکر بڑا پیاسا ہُوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ سے نیچے اترے اور فرمایا: نزدیک ہی ایک کنواں ہے۔ مسلمانوں میں سے کون ہے جو اس کنویں کی طرف جائے اور پانی لائے۔ میں ایسے شخص کا جنت میں ضامن ہوں گا۔ ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا، یا رسول اللہؐ! میں جاؤں گا۔ سرکارِ دو عالم نے چند آدمی اس کے ساتھ لگا دیئے اور مشکیزہ بردار بھی ساتھ بھیج دیئے۔ سلمہ ابن الاکوع کہتے ہیں۔ میں بھی اسی جماعت کے ساتھ تھا۔ جب ہم اس کنویں کے پاس پہنچے وہاں بڑے میوہ دار درخت تھے اور بڑی دردناک آوازیں آ رہی تھیں اور بڑی بری حرکات دیکھنے میں آئیں۔ ہمیں ہمت نہ ہوئی کہ وہاں سے گزریں۔ مجبوراً واپس آ گئے اور واپس آ کر صورتِ حال آں حضرتؐ کے گوش گزار کر دی۔ آپ نے فرمایا: یہ سب شیاطین کا کارنامہ ہے جو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ اگر تم چلے جاتے تو تمہارا کچھ نہیں بگڑ سکتا تھا۔ ایک اور شخص اٹھا اور کہنے لگا مجھے بھیجا جائے چنانچہ وہ بھی مشکیزہ برداروں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوا اور اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گیا۔ رات آ گئی اور لشکر پر پیاس کی شدت بڑھتی گئی آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالمؐ نے

اشارہ فرمایا تو آپ مشکیزہ برداروں کی ایک جماعت لے کر آگے بڑھے۔ سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ جب ہم لشکر سے باہر آئے تو مشکیزے اٹھائے ہوئے اور تلواریں سنبھالے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی قیادت میں آگے بڑھے۔ جب ہم درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچے تو وہی دہشت ناک آوازیں اور ہولناک حرکات دیکھنے میں آئیں۔ حضرت علیؓ نے بالکل توجہ نہ دی اور پھر فرمایا، ڈرو نہیں دل مضبوط کر کے آگے بڑھتے چلو۔ تمہارا کوئی شخص کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم درختوں کے جھنڈ میں پہنچے تو آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور بے سر جسم نظر آنے لگے۔ ان ہولناک آوازوں سے ہمارے دل ٹوٹ رہے تھے۔ حضرت علیؓ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھائے جا رہے تھے حتیٰ کہ ہم کنویں کے کنارے جا پہنچے۔ ہمارے پاس ایک ہی ڈول تھا۔ براء بن مالک نے ایک ڈول کنویں میں پھینکا تو رسی ٹوٹ گئی۔ اور کنویں سے قہقہوں اور ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کوئی ایسا ہے جو لشکر گاہ میں جا کر رسی لائے۔ ساتھی کہنے لگے: ہمارا تو حوصلہ نہیں پڑتا۔ آخر کار حضرت امیرؓ نے فیصلہ کیا کہ خود کنویں میں اتریں۔ قہقہوں اور ہنسی کی آواز تیز ہوتی گئی۔ کنویں میں پہنچے تو آپ کے پاؤں پھسل گئے اور کنویں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص خناق کے درد سے بڑبڑا رہا ہے۔ آپ نے بہ آواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر انا عبداللہ اخ رسول اللہ کہا اور ہمیں آواز دی کہ مشکیزے کنویں میں پھینک دیئے جائیں۔ جب ہم نے پھینک دیئے تو آپ نے پانی سے بھر لیے اور باہر لے آئے۔ چنانچہ خود دو مشکیزے اور سب کو ایک ایک مشکیزہ دیا۔ راستے میں کوئی شور و غوغا نہ تھا البتہ غیب سے رسول اللہ صلعم پر صلوٰۃ و سلام کے ترانے سنائی دے رہے تھے حتیٰ کہ لشکر گاہ میں آ گئے۔ حضرت علیؓ نے تمام واقعات حضورؐ کے گوش گزار کیے۔ آپؐ نے تبسم فرمایا اور کہا:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

الحمد للہ تمہیں فتح ہوئی اور جنوں کے جنگ سے منہ نہیں پھیرا۔

خدائے قدوس نے دو بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاسداری کے لئے سورج کو الٹا دیا تھا اور آفتاب مغرب سے طلوع ہوا۔ ایک دفعہ تو عہد رسالت میں بحالتِ نزولِ وحی سورج واپس آیا جبکہ آپ کی نمازِ عصر قضا ہو گئی۔ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؓ کے چہرہ پر نگاہ ڈالی

تو آپؐ کو پریشان پایا۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تم نے نماز ادا نہیں کی۔ عرض کی، اشارے سے ادا کر لی۔ میرے خیال میں یہ خلافِ ادب تھا کہ آپؐ کے سر مبارک کو زانو سے ہٹاتا۔ حضورؐ نے سنتے ہی درگاہِ الٰہی میں التجا کی، "اے اللہ! علیؓ نے نماز ادا نہیں کی سورج کو لوٹا دیا جائے۔" ابھی دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ سورج مغرب سے چمکا۔ اس کے پرتو کوہ و دشت پر پڑنے لگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نمازِ عصر ادا فرمائی۔ اس دن غروبِ آفتاب کے وقت ایک دہشت ناک آواز سنائی دی۔

دوسری دفعہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ بابل کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے دریائے فرات عبور کرتے وقت دیکھا کہ نمازِ عصر قضا ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ نمازِ عصر ادا کر لی۔ لیکن دوسرے احباب جو اسباب و مال کو لے جانے میں مشغول تھے، نماز ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ سورج غروب ہو گیا۔ یہ لوگ حیران و پریشان آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ــــ سو اللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ پھر طلوع ہو جائے۔ اس وقت سورج سے ایک ہولناک آواز سنائی دی۔ یہ تمام تسبیح و تہلیل کی آوازیں تھیں۔

ایک دفعہ حضرت امیر کے ایک سپاہی پر اس بات کا الزام لگا کہ وہ لشکر کی خبر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچاتا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا، اگر تم سچے ہو تو قسم کھاؤ۔ اس نے فوراً قسم کھالی۔ آپ نے فرمایا: تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھا کرے۔ ایک ہفتہ گزرنے نہ پایا تھا کہ وہ اندھا ہو گیا۔

ایک دن حضرت علیؓ نے حاضرینِ مجلس کو قسم دلائی کہ جس نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حدیث سُنی ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ وہ اس مجلس میں گواہی دے۔ وہ میری خاطر دروغ بیانی نہ کرے۔ چنانچہ حاضرینِ مجلس میں سے بارہ اشخاص نے اٹھ کر گواہی دی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجلس میں موجود تھا لیکن اس نے آنحضرتؐ سے

سُنا تھا مگر خاموش رہا اور گواہی نہ دی۔ آپ نے اسے مخاطب فرمایا۔ اے اللہ کے بندے! تم واقف ہوتے ہوئے چپ رہے اور سچی گواہی نہیں دی۔ اس نے کہا میں بوڑھا ہوگیا ہوں میرا حافظہ کام نہیں کرتا۔ یہ بات مجھے یاد نہیں رہی۔ یہ بات سنتے ہی آپ نے فرمایا، اللہ! اس شخص نے دیدہ دانستہ حق کو چھپایا ہے اسے سزا دے۔ وُہ اسی وقت اندھا ہو گیا۔ اس کے علاوہ چند اور لوگ بھی تھے جنہوں نے دیدہ دانستہ گواہی نہ دی اندھے ہو گئے ایسے لوگوں میں سے زید بن ارقم بھی تھے۔ وُہ کہتے ہیں کہ میں اس مجلس میں موجود تھا اور گواہی نہ دی۔ میری آنکھوں کی روشنی ختم ہوگئی۔ میں اس شہادت سے محرومی پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہُوں۔

ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ منبر پر بیٹھے فرما رہے تھے، میں اللہ کا بندہ ہوں! رسول اللہؐ کا بھائی ہوں۔ وارث نبی رحمت ہوں۔ سیدۃ النساء فی الجنۃ کا خاوند ہوں اور دنیا کے ولیوں کا امام ہوں۔ جو میرے اس دعویٰ پر شک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کسی برائی میں گرفتار کرے گا۔ ایک شخص اسی مجلس سے اٹھا اور کہنے لگا کہ کون ہے جو یہ باتیں کرتا ہے۔ کہتے ہیں: اسی وقت وُہ دیوانہ ہوگیا اور لوگوں نے اسے گھسیٹ کر مسجد سے باہر کیا۔ جب تک زندہ رہا، مجنوں اور دیوانہ رہا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی فریاد رسی کے لئے کہا تو انہوں نے آپ کی بات نہ مانی تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان لوگوں پر ایسا حاکم مسلط کر دے جو ان پر رحم نہ کرے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف اسی رات پیدا ہُوا اور اس کے ہاتھ سے اہل کوفہ پر جو کچھ گزری وُہ تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں۔

ایک دن امیر معاویہؓ حاکم شام نے چاہا کہ مجھے اپنی عاقبت کا علم ہو جائے۔ حاضرین مجلس نے کہا: اس معاملہ میں آپ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ وُہ کہنے لگا: میں یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے دریافت کرلوں کیونکہ وُہ جو کچھ کہتے ہیں، سچ کہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے تین خاص معتمدین بلائے اور کہا تینوں کوفہ میں چلے جاؤ۔ جب کوفہ ایک کوس رہ جائے تو علیحدہ علیحدہ ہو جانا اور پھر ایک دوسرے کے بعد کوفہ میں داخل ہونا اور میری موت کی

خبر لوگوں کو پہنچا دینا۔ لیکن ہر ایک شخص میری بیماری، موت کے واقعات، وقت اور حالات میں متفق البیان رہے۔ چنانچہ تینوں حضرت معاویہؓ کے بتائے ہوئے طریقوں سے چلے گئے۔
سب سے پہلے ایک شخص شہر میں آیا اور حضرت معاویہؓ کی موت کی خبر سنائی۔ لوگ اسے حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ اپنی زبانی موت کی خبر سنائے۔ آپ نے اس پر توجہ نہ دی۔ جب دوسرا شخص شہر میں داخل ہوا۔ اس نے بھی یہی خبر بیان کی۔ تیسرے روز تیسرا شخص آیا تو اس نے بھی اس خبر کی تائید کی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؓ نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ کے احباب نے آپ سے کہا، یا حضرت! تینوں آدمی حلفاً ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں مگر آپ پر کچھ اثر نہیں ہے۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا: خدا کی قسم! معاویہؓ اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک میرے محاسن میرے خون سے رنگین نہ کر دیئے جائیں گے۔ جب حضرت معاویہؓ کو خبر پہنچی تو خوش ہو گیا اور کہنے لگا: حضرت علیؓ کی شہادت مجھ سے پہلے ہو گی۔

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ ایک دن مدینہ کے بازار میں چند یہودی بیٹھے تھے۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اثنار میں ایک مسلمان سائل ان کے پاس آیا اور کہنے لگا، میں بھوکا ہوں، مجھے کچھ کھانے کو دیجئے۔ یہودیوں نے از رہِ مذاق کہا: تم مسلمان ہو، دینِ محمدؐ میں داخل ہوئے ہو۔ علی شاہ مرداں کے پاس چلے جاؤ، جو چاہو گے پاؤ گے۔ ابھی سائل نے جواب نہ دیا تھا کہ دور سے حضرت علیؓ آتے دکھائی دیئے۔ وہ کہنے لگے، ان کے پاس چلے جاؤ اور سوال کرو۔ سائل وہاں سے ہٹ کر حضرتؓ کے پاس آیا اور اپنی داستانِ غم بیان کی اور یہودیوں کے طعنوں کا بھی ذکر کیا۔ آپ کے پاس اس وقت کچھ نہیں تھا۔ خیال کیا کہ ان یہودیوں نے تمسخر اڑایا ہے۔ میرے پاس سائل کو بھیجا ہے۔ مجھے افسوس ہو گا اگر خالی لوٹا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانچ بار صلوٰۃ خمسہ پڑھی اور سائل کے ہاتھ پر دم کر دیا۔ پنجہ بند کر دیا اور کہا، جاؤ اور یہودیوں کو دکھاؤ۔ وہ اسی طرح پنجہ بند کئے یہودیوں کے پاس گیا۔ جب کھولا تو اس میں سونے کے پانچ دینار تھے۔ حیران ہو کر دوڑے دوڑے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہو گئے اور مسلمان ہو کر ہدایت یافتہ ہو گئے۔

عارف نامی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شواہد النبوت میں فرماتے ہیں:
ایک نیک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ تمام مخلوق میدانِ حشر میں جمع ہے میں نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر کے کنارے تشریف فرما ہیں اور حضرت حسنینؓ دائیں بائیں کھڑے ہیں اور مخلوقِ خدا کو پیالے بھر بھر آبِ کوثر پلا رہے ہیں۔ میں بھی آگے بڑھا اور پانی کی درخواست کی۔ فرمایا: آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر پانی نہیں مل سکتا۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تمہیں ہمارے حوضِ کوثر کا پانی نصیب نہیں۔ تمہارے ہمسایہ میں ایک ایسا شخص رہتا ہے جو حضرت علیؓ کو بُرا کہتا ہے۔ مگر تم منع نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا: حضور مجھے ڈر ہے کہ اسے منع کروں تو وہ مجھے قتل نہ کر دے۔ یہ سُن کر حضور نے بغل سے ایک تیز چھری نکالی اور مجھے دی اور فرمایا: یہ لے جاؤ اور اس دشمنِ علی کا کام تمام کر دو۔ میں اسی وقت چھری لے کر آیا اور اس دشمنِ مولا علیؓ کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کا حال آنحضرتؐ کی خدمت میں سنایا۔ آپ نے فرمایا: حسنینؓ! یہ محبِ علیؓ ہے اسے آبِ کوثر دے دو۔ اس نے حقِ محبت ادا کر دیا ہے۔ میں نے حضرت حسینؓ کے ہاتھ سے ایک پیالہ پانی لیا۔ مگر مجھے یاد نہیں، پی سکا یا نہیں کہ میری آنکھ کھُل گئی۔ تمام رات اس خواب کی دہشت سے کروٹیں لیتا رہا۔ صبح ہوئی تو باہر شور برپا تھا کہ فلاں شخص کو کسی نے بستر میں ہی قتل کر دیا ہے۔ صبح پولیس آئی اور بے گناہ ہمسایوں کو گرفتار کر لیا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیسا خواب ہے جو میں نے دیکھا ہے اور اللہ نے اسے سچ کر دکھایا۔ اب بے گناہ ہمسائے گرفتارِ مصیبت ہو گئے ہیں۔ انہیں بے گناہ قید و بند میں رکھنا دین کے خلاف ہے۔ میں اٹھا اور قاضیِ شہر کے پاس گیا اور اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ دوسرے لوگ بے گناہ ہیں انہیں رہا کر دیا جائے۔ رات کا سارا واقعہ سُنا دیا۔ اس نے کہا: تم بھی اس مقدمہ میں بے گناہ ہو، مقتول اپنے جُرم کی سزا کو پہنچ گیا ہے۔

امام مستغفری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک بدنہاد آدمی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بُرا بھلا کہا کرتا تھا۔ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں بد دُعا کی۔ ایک دن وہ شخص اُونٹ پر سوار مسجد میں آیا۔ اونٹ کو دروازے پر کھڑا کر کے ایک مجلس میں آ بیٹھا۔

اسی اثناء میں اونٹ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجلس میں آگھسا اور اس شخص کو اٹھایا اور اپنے سینے کے نیچے رکھ کر دبانے لگا اور اس کی ہڈی پسلی ایک کر دی۔ اس طرح وہ واصلِ جہنم ہوا۔

سیّد کونین حضرت امام حسینؓ فرمایا کرتے تھے، جب ابراہیم بن ہشام سلطنت شام کی طرف سے حاکم مدینہ مقرر ہو کر آیا تو اس نے جمعہ کے دن شہر کے اعیان کو جمع کیا۔ مجھے بھی منبر کے سامنے بٹھا لیا اور خطبہ کے بعد میرے والد محترم کے حق میں بے ہودہ الفاظ کہنے لگا۔ میں نے اس کی لاطائل باتیں سنیں اور صبر و سکون سے بیٹھا رہا۔ ایک دن میں منبر کے پاس ہی بیٹھا تھا اور بیٹھے بیٹھے مجھے نیند نے آلیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں رسول پاکؐ کے روضۂ اطہر کے سامنے کھڑا ہوں آنحضرتؐ کی قبر مبارک پھٹ گئی اور ایک سفید کپڑوں میں ملبوس شخص نکلا اور کہنے لگا: اے ابا عبد اللہ! تمہیں ہشام نافرجام کی باتیں ناگوار تو نہیں گزرتیں۔ میں نے کہا، میں مجبوراً سُن لیتا ہوں اور خونِ جگر پیتا ہوں۔ فرمایا: آنکھیں کھولو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا کر دیا ہے۔ یہ سنتے آنکھیں کھولیں، دیکھا کہ ہشام ابھی تک منبر پر بیٹھا بدزبانی کر رہا ہے۔ تقریر مکمل کر کے اٹھا۔ چاہا کہ منبر سے نیچے اترے لیکن اس کا پاؤں پھسلا، گردن ٹوٹ گئی اور واصلِ جہنم ہوا۔

حضرت علیؓ کی وفات کے چند سال بعد ایک سیاہ دل کافر مزہ بن قیس نامی نجف اشرف آیا۔ اس شخص کے آباؤ اجداد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ ایک رات وہ آپ کے روضہ پاک میں گھس گیا اور روضہ پاک کے تعویذ سے آپ کی نعش مبارک باہر لانے لگا ابھی مزار پُرانوار پر کوئی گزند نہ پہنچی تھی کہ قبر سے دو انگلیاں اٹھیں اور ایک ضرب کاری حیدری نے اس کا سر قلم کر دیا۔ صبح مجاوروں نے دیکھا کہ اس کی لاش روضہ اطہر کے پاس پڑی ہوئی ہے اس کے بعد بڑی احتیاط برتی جانے لگی۔ ابھی تک روضہ پاک کے پاس انگلیوں کے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک سوراخوں میں قیمتی موتی جڑ دیئے۔ ان موتیوں کو یاقوت حسینی کہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھ خلفاءؒ تھے۔ امیر المومنین حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت کمیل، خواجہ اویس قرنی، قاضی عبد القدام شریح بن ہانی، زید الحارثی، خواجہ حسن بصری، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ فقرائے عظام اور مشائخ ذوی الاکرام کے تمام سلسلہ ہائے تصوف

اسی واسطے سے جاری ہوئے اور روئے زمین پر یہ سلسلے پھیلے۔

آپ کی وفات بقول صحیح بتاریخ ۱۱۔ ماہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں ہوئی۔ بعض کتابوں میں ۲۱۔ ماہ رمضان بھی لکھی ہے۔ آپ نے عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

تاریخ وفات :

مرتضیٰ شاہ علی مظہر انوار جلی	خانۂ دین نبی یافت از و آبادی
زاہد پاک چو تاریخ وصالش جستم	از خرد یاد نداگشت کہ ہادی ہادی

۶۔ امیر المومنین حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو محمد، لقب تقی اور سید تھا۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۵۔ رمضان ۳۔ ہجری کو ہوئی۔ حضرت جبرئیلؑ نے آپ کا نام نامی ایک ریشمی ٹکڑے پر طلائی حروف میں لکھ کر حضرت شاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ اس فرزند دلبند کا نام حسن رکھا جائے۔

صحیح اقوال میں سے ثابت ہوا ہے۔ امام حسنؓ سینے سے سر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر بٹھایا تھا اور قسم کھا رہے تھے کہ یہ شبیہ رسول مقبولؐ کی شبیہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سن کر مسکرا رہے تھے۔

حضرت امام حسنؓ نے پچیس ۲۵ حج پا پیادہ کئے۔ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت حسنؓ آپ کی گود میں تھے اور فرماتے تھے میرا یہ بیٹا سید ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی وساطت سے امت کے دو بڑے گروہوں کو یکجا کر دے گا۔ یہ اشارہ حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کی صلح کی طرف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعان علیؓ اور فرقہ معاویہؓ کے درمیان شدید اختلاف ہوا تو حضرت حسنؓ خلافت سے

دست بردار ہوگئے اور امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور چند شرائط کے ساتھ ایک عہد نامہ لکھ دیا۔

شواہد النبوت کے مصنف حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھتے ہیں، ایک رات حضرت حسنؓ جناب رسالتمآب کے پاس سوئے ہوئے تھے جب رات کا ایک حصہ گزرا تو آپ نے حضرت حسنؓ کو فرمایا، اب اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! اگر حکم ہو تو رات کے اندھیرے میں میں ساتھ جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں میرا بیٹا تنہا جائے گا۔ چنانچہ آسمان سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور حضرت حسنؓ اس روشنی میں گھر پہنچ گئے۔

ایک دفعہ حضرت حسنؓ حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ رات کو ایک خشک کھجور کے درخت کے نیچے قیام کیا۔ ابن زبیرؓ نے کہا: کاش یہ درخت کھجوروں سے پُر میوہ ہوتا اور ہم کھاتے۔ آپ نے فرمایا: تم کھجوریں کھانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپؓ نے دعا کی اور درخت کھجوروں سے بھر گیا۔ ایک شتربان نے دیکھ کر کہا، واہ کیا جادو ہے۔ فرمایا، جادو نہیں یہ دعائے حسنؓ ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی۔ چنانچہ لوگ درخت پر چڑھ گئے اور اتنی کھجوریں اتاریں کہ سارا قافلہ سیر ہو گیا۔

کہتے ہیں، خلافت معاویہؓ کے دوران حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ اپنے بیٹے یزید پلید کو اپنا جانشین بنا دے لیکن باہمی صلح کے شرائط نامہ کے ہوتے ہوئے یہ بات نہیں ہو سکتی تھی۔ تاوقتیکہ حضرت حسنؓ زندہ ہیں۔ چنانچہ معاویہ آپ کے قتل کے درپے ہو گئے اور آپ کی ایک منکوحہ کی وساطت سے آپ کو زہر کھلا دیا گیا۔ آپ اس زہر ہلاہل کے صدمہ سے واصل بحق ہوئے۔ آپ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا لیا اور شامیوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔ اس کے بعد مکہ والے، پھر مدینہ والے بھی با دلِ نخواستہ بیعتِ یزید پر آمادہ ہو گئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام حسنؓ کو زہر خورانی میں حضرت معاویہؓ کا ہاتھ نہیں تھا۔ یہ کام صرف یزید کی سازش سے طے پایا تھا لیکن شواہد النبوت سے ثابت ہوتا ہے کہ زہر خورانی کا فیصلہ معاویہ نے کیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

آپؓ اوائل ماہ ربیع الاول بروز جمعرات ۵۰ھ میں اس دار پُر از ملال سے تقرب ایزد متعال پہنچے۔

آپؓ کی وفات کے وقت آپؓ کے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپؓ کے پاس تھے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور کہتے تھے: اے جانِ حسینؓ! مجھے بتاؤ تمہیں کس نے زہر دیا؛ تاکہ میں اس سے بدلہ لے سکوں اور اسے قصاص میں قتل کردوں۔ آپ نے فرمایا: اگر میرا قاتل وہ شخص ہے جس پر مجھے شک ہے تو خالقِ حقیقی اس سے ضرور انتقام لے گا۔ اگر وہ نہیں تو میں ایک بے گناہ کو قتل کرانے کو تیار نہیں۔ خدا کی قسم حسن کی جان تو دستِ قدرت میں ہے۔ قیامت کے دن مجھے انتقام لینے پر مامور کیا جائے گا لیکن میں اس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھوں گا جب تک اپنے قاتل کو بخشوا نہ لوں گا ؎

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو پناہیں دیں

حضرت حسنؓ کو زندگی میں چھ بار زہر دیا گیا لیکن کبھی کارگر نہ ہوا۔ ساتویں بار اذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون کے پیشِ نظر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

تاریخِ وفات:

چوں محب جناب نبوی بود	بس محب است سالِ رحلت آں
نیز گو سالِ رحلت آں شاہ!	ماند بے یار سر بسر دوراں

۷۔ امیر المومنین سید الثقلین حسین بن علی رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابی عبد اللہ، ابو الائمہ اور لقب شہید، سید، سید الشہداء تھا۔ آپ ائمہ اثنا عشریہ کے تیسرے امام تھے۔ آپ کی ولادت منگوار چہارم ماہ شعبان ۳ یا ۴ ہجری کو مدینہ پاک میں ہوئی۔ آپ صرف چھ ماہ والدہ کے پیٹ میں رہے۔ اتنی مدت میں آج تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا سے آپ کا نام حسین رکھا گیا۔ آپ اتنے باجمال تھے کہ جب تاریکی میں بیٹھتے تو آپ کی پیشانی

اور رخساروں کی روشنی سے راستے منور ہو جاتے تھے۔ آپ سینہ سے لے کر پاؤں تک مشابہ بہ جسم رسول پاکؐ تھے۔ حضرت رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے: حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اللہ اس کو اپنا محبوب رکھے گا جو حسینؓ سے محبت کرے گا اور اسے خوار کرے گا جو حضرت حسین سے نفرت کرے گا۔

ایک دفعہ حضرات حسن اور حسین آنحضرت کے سامنے صحن میں کشتی کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کی حوصلہ افزائی فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ آپؐ بڑے بیٹے کو فرما رہے ہیں چھوٹے کو گرائے۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: جبرئیلؑ حسینؓ کو کہہ رہے ہیں کہ حسنؓ کو گرا لو۔ اس لیے مجھے حسنؓ کی طرفداری کرنا پڑی۔

ام الحارث نے حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس سے مجھے سخت وحشت آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا دیکھا۔ کہنے لگی: لوگوں نے آپؐ کے جسم کا ایک حصہ کاٹ لیا اور میری گود میں رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ خواب بڑی اچھی ہے۔ فاطمہؓ کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا جو تم اپنی گود میں لے لو گی۔ پیدائش کے بعد ایسا ہی ہوا۔

سرکارِ دو عالمؐ حضرت حسینؓ کو اپنی دائیں ران پر بٹھاتے تھے اور اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کو بائیں ران پر۔ اسی حالت میں ایک روز حضرت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور پیغام خداوندی سنایا کہ ہم دونوں کو آپ کے پاس جمع نہیں ہونے دیں گے ایک کو اٹھا لیا جائے گا۔ اب آپ کی مرضی ہے جسے چاہیں رکھیں۔ آپ دل میں بڑے فکر مند ہوئے اور سوچا کہ اگر حسینؓ فوت ہو گئے تو حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور خود مجھے بڑا صدمہ ہو گا لیکن اگر ابراہیم فوت ہوئے تو صرف مجھے صدمہ ہو گا۔ چنانچہ مجھے اپنا صدمہ گوارا ہے۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ غمگین رہیں۔ غرضیکہ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابراہیم واصل بحق ہوئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر چلے گئے اور کافی دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ جب آپؐ واپس آئے، آپ کے بال پریشان، غبار آلود اور خود تھکے تھکے دکھائی دیتے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ اور آپؐ اس حال میں کیوں ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ آج مجھے عراق کے ایسے مقام پر لے جایا گیا جسے کربلا کہتے ہیں۔ یہ جگہ میرے حسینؓ کا مقتل ہوگی۔ مجھے اپنی اولاد کے دوسرے افراد بھی دکھائے گئے۔ میں اس زمین پر پڑا ہوا خون اکٹھا کر کے لے آیا ہوں۔ آپ نے ہاتھ کھول کر مجھے فرمایا: اس سرخ مٹی کو اپنے پاس محفوظ رکھو لو۔ میں نے حضورؐ کے ہاتھ سے لے کر ایک شیشی میں بند کر لی اور اس کے منہ کو محکم کر کے بند کر دیا۔ جب حضرت حسینؓ ابن علیؓ سفرِ عراق کو روانہ ہوئے اور اس شیشی کو ہر روز باہر لا کر دیکھا کرتی تھی اور روتی تھی۔ محرم کی دسویں تاریخ کو شام کے وقت میں نے دیکھا کہ وہ مٹی خون بن گئی ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آج حسینؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی آئی کہ ہم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے جرم میں ستر ہزار انسانوں کو قتل کروا دیا تھا۔ آپ کے بیٹے حسینؓ کے خونِ ناحق کے بدلے میں ستر ہزار سے دُگنے انسان قتل کراؤں گا چنانچہ تاریخ گواہ ہے ایسا ہی ہوا۔

روایات صحیحہ میں لکھا ہے کہ قاتلانِ حسینؓ میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں تھا جسے موت سے پہلے دردناک مصائب اور ابتلاء میں نہیں ڈالا گیا۔ اور ہر شخص بدترین طریقہ سے ہلاک ہوا۔ ہر موذی کا انجام تفصیلی طور پر تاریخی کتابوں مثلاً روضۃ الصفا، حبیب السیر وغیرہ میں تحریر ہے۔

قاتلانِ حسینؓ اور عبداللہ بن زیاد کے سر ہائے بریدہ جب کوفہ کی جامع مسجد میں لائے گئے تو بہت بڑا ہجوم مسجد میں آ گیا۔ اچانک ایک کونے سے شور اٹھا: سانپ سانپ!! وہ سانپ دیکھتے ہی دیکھتے عبداللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھسا اور باہر آیا اور دوسرے سروں پر لہراتا رہا۔ اسی طرح اس نے کئی بار کیا جو لوگوں نے دیکھا۔

شمر ذی الجوشن (قاتلِ حضرت حسینؓ) کربلا سے کچھ زیورات خیمہ سادات سے اٹھا لایا تھا۔ کچھ زیورات تو اس نے اپنی لڑکی کو دے دیئے۔ اس عورت نے ان زیورات کو از سرِ نو بنانے کے لیے جب آگ میں ڈلوایا تو وہ سارے زیور خاکستر بن گئے۔ جب وہ ٹھنڈے ہوئے تو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ چاندی ہے یا پیتل۔ جب یہ صورت حال شمر کو بتائی گئی تو اس نے سارے زیور سنار کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ میرے سامنے اسے کٹھالی میں گلا جانے —

دیکھتے دیکھتے وہ زیورات بھی بیکار دھات بن گئے۔

قاتلانِ حسینؓ نے کربلا سے اہل بیت کے چند اُونٹ ذبح کئے اور انہیں پکایا۔ لیکن گوشت اتنا کڑوا تھا کہ کوئی بھی کھا نہ سکتا تھا۔

تاریخ شہادت شاہ ولایت سید کونین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دسویں محرم الحرام ۶۰ھ ہے۔ جمعہ کا دن تھا اور ظہر کا وقت تھا۔ میدان کربلا میں شہادت واقع ہوئی۔ بعض مورخین نے ۶۱ھ بھی لکھی ہے۔ آپ کے ساتھ بہتّر دوسرے جاں نثار بھی شہید ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی، بھتیجے اور دوسرے عزیز بھی تھے جو پیاسے، بھوکے اور بے سروسامانی میں آپ کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔

نماند ستمگارِ بد روزگار
بماند برو لعنتِ پائیدار

تاریخ وفات:

ہست ہم آخرین دو حرف حسین	سالِ ترحیل سید الثقلین
سالِ ترحیل سید عالی	گفت دل رفت از زمین والی
سالِ وصلش عجب شد است عیاں	زیب آفاق رفت از دوراں!
کن رقم ہم باختلاف رقم	زبدہ دین برفت از عالم!
سالِ تاریخ سرورِ دوراں!	از سر سرور آمدہ است عیاں

۸۔ حضرت علی بن حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اثنا عشر کے چوتھے امام تھے۔ کنیت ابو محمد، ابو الحسن، ابوبکر۔ لقب سجاد، زین العباد تھا۔ آپ مدینہ پاک میں ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض مورخین نے سالِ پیدائش ۳۶ھ بھی لکھا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہر بانو دختر یزدجرد شاہ ایران تھیں۔

حضرت مولانا جامی اپنی تصنیف شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین

ایک رات نماز تہجد ادا فرما رہے تھے کہ شیطان لعین اژدہا کی شکل میں نمودار ہُوا تاکہ آپ ڈر کر نماز ترک کر دیں لیکن آپ نے پروا نہ کی۔ سانپ آپ کے پاؤں پر پہنچا اور ایک زہریلا ڈنگ چلایا۔ لیکن حضرت امام شدید درد کے باوجود بھی ترکِ نماز پر آمادہ نہ ہوئے۔ خداوند تعالےٰ نے آپ پر منکشف فرمایا کہ یہ تو شیطان ہے۔ آپ نے لاحول پڑھ کر اس کے منہ پر مارا تو وہ غائب ہو کر ہوا میں اُڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد غیب سے آواز آئی، زین العابدین! اسی دن سے آپ کا لقب زین العابدین ہو گیا۔

آپ نماز ادا کرنے کے لیے جب وضو فرماتے تو آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: تم دنیاوی حاکموں کے حضور جاتے ہوئے کانپتے ہو۔ میں احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوتے ہوئے کیوں نہ ڈروں۔

ایک دفعہ آپ اپنے گھر میں نماز ادا کر رہے تھے کہ مکان کے ایک گوشے میں آگ بھڑک اٹھی۔ آپ نماز میں مشغول و مصروف رہے۔ لوگوں نے بہت شور مچایا اور چلاتے رہے: یا ابن رسول! آگ آگ!! لیکن آپ نماز میں مشغول رہے۔ جب آگ بجھ گئی، آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ کے احباب و اعزہ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نماز میں اس قدر کیوں محو رہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس آگ کی نسبت دوزخ کی آگ کا زیادہ خیال ہے۔

زہری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب خلیفہ عبد الملک بن مروان نے حضرت امام کو قید میں ڈالا اور پا بجولاں کر دیا اور نگہداشت کے لیے سخت ترین پہرہ بٹھا دیا۔ میں ازرہِ عقیدت و محبت جیل خانے کے دروازے پر گیا اور پہرے داروں سے منت سماجت کر کے آپ سے ملاقات کی اجازت لی۔ آپ کو اس حالت میں دیکھا تو میرا دل بے قرار ہو گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ میں نے کہا: کاش کہ میں آپ کی جگہ قید ہو جاتا اور آپ کو آزاد کیا جاتا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا، قید و بند، زہر خوری اور قتل و شہادت تو ہمارا موروثی حصہ ہے۔ ان مصائب میں ہماری ولایت کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ یہ پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کے طوق اور ہاتھوں کی زنجیریں اور یہ مصائب ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں دُور پھینک دیں۔ یہ کہنا ہی تھا کہ آپ کی ساری زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ بیڑیاں علیحدہ ہو گئیں اور طوق گر پڑے۔

اور آپ آرام سے بیٹھ گئے۔ مجھے فرمایا: جن تکالیف سے تم ڈر رہے ہو وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ تم خوش خوش چلے جاؤ۔ میں نے قدم چومے اور واپس آ گیا۔ ابھی چار روز گزرے تھے کہ خبر مشہور ہوئی: حضرت زین العابدین جیل سے زنجیریں اور بیڑیاں توڑ کر نکل گئے ہیں۔ جیل کے پہرے دار آپ کو تلاش کرتے رہے مگر نہ پا سکے۔ چند دن بعد میں عبدالملک بن مروان کے پاس گیا۔ اس نے حضرت زین العابدین کے حالات دریافت کرنا شروع کئے۔ میں نے کہا: وہ سید اور حضرت رسول اللہ کی اولاد پاک میں سے ہیں۔ عبدالملک نے کہا: وہ ہماری جیل میں تھے مگر وہاں سے غائب ہو گئے ہیں۔ اسی دن میں نے اپنے زنانہ کمروں میں جہاں کسی غیر کا گزر نہیں آپ کو دیکھا۔ آپ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ میں اسی وقت سے چاہتا تھا کہ آپ سے بات کروں مگر دہشت کی وجہ سے بول نہ سکا۔

ایک دن حضرت امام زین العابدین اپنی اولاد کے ساتھ تفریح طبع کے لیے صحرا کی طرف تشریف لے گئے۔ وہیں دسترخوان بچھایا اور کھانا کھانے لگے۔ ایک ہرن پاس سے گزرا۔ آپ نے ہرن کی طرف منہ کر کے کہا۔ میں علی ابن حسینؑ ہوں۔ فاطمۃ الزہراؑ کا نورِ نظر ہوں۔ آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ہرن اسی وقت پاس آ گیا۔ تھوڑا سا کھانا کھایا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک غلام نے عرض کی، یا حضرت! اس ہرن کو آپ دوبارہ بلائیں۔ آپ نے فرمایا، اگر تم اسے پناہ دو اور تکلیف نہ پہنچاؤ تو دوبارہ بلا لیتا ہوں۔ غلام نے قبول کر لیا۔ آپ نے زور سے کہا: اے ہرن! میں علی ابن حسینؑ ہوں، میری ماں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ تم لوٹ آؤ اور ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ وہ ہرن آیا اور پاس آ کر کھانا کھانے لگا۔ آپ کے غلاموں میں سے ایک نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ بھاگ کر جنگل میں چلا گیا۔ آپ اس غلام سے سخت خفا ہوئے اور فرمانے لگے: تم نے میری پناہ کو نقصان پہنچایا ہے آئندہ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ اس کے بعد اس غلام سے ہمکلام نہیں ہوئے۔

ایک دن حضرت امامؑ اپنے احباب کے ساتھ ایک صحرا میں بیٹھے تھے۔ اچانک ایک

ہرنی سامنے آئی اور اپنا منہ زمین پر رکھ کر فریادی ہوئی۔ حاضرین نے پوچھا: یاحضرت یہ کیا چاہتی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہتی ہے کہ فلاں قریشی نے کل میرے بچے کو پکڑ لیا ہے۔ میں اسے کل سے دُودھ نہیں پلاسکی۔ اگر آپ اس بچے کو دُودھ پلانے کی اجازت لے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا اور اس قریشی کو ہرنی کے بچے سمیت طلب کرلیا۔ جب وُہ آیا تو ہرنی نے اپنے بچے کو دُودھ پلا دیا۔ حضرت امام اس شخص کو مخاطب کر کے فرمانے لگے: اگر تم چاہتے ہو کہ تم اور تمہارے بچے ظلم وستم سے ہمیشہ بچے رہیں تو اس بچے کو آزاد کردو۔ تاکہ اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ اس نے یہ بات قبول کرلی۔ چنانچہ اپنے بچے کو لے کر ہرنی صحرا کو چلی گئی اور بلند آواز سے کچھ کہتی جاتی تھی جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہتی ہے۔ حاضرین نے حضرت امامؒ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: وُہ کہتی تھی، جزاك الله فی الدارین خیرا۔

جب حضرت زین العابدین فوت ہوئے تو آپ کی سواری والی اونٹنی آپ کے مزار پر آئی۔ اور زمین پر سر رکھ کر رونے لگی۔ حضرت امام محمد باقرؓ نے کہا: اٹھو! اللہ تجھے برکت دے۔ لیکن اونٹنی نے سر نہ اٹھایا اور روتی چلی گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو چھوڑ دو اپنے مالک کے پاس چلی جائے۔ چنانچہ دو دن کے بعد وُہ اونٹنی مر گئی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت محمد بن حنفیہ حضرت زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ سے بڑا ہوں، منصب امامت میرا حق ہے آپ کے پاس جتنے تبرکات یا اسلحہ از رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہیں، دے دو۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ آپ بڑے ہیں لیکن منصب امامت تو اہل بیت رسالت کا ہی حق ہے۔ خدا سے ڈرو اور جس چیز پر تمہارا حق نہیں اس کے دعویدار نہ ہو۔ محمد بن حنفیہ نے ایک نہ سنی اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا۔ آخر کار حضرت امام زین العابدین نے فرمایا: آؤ میں اور تم کسی ایسے حاکم کے پاس چلتے ہیں جو فیصلہ کر دے گا کہ یہ حق کس کا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: وُہ کون حاکم ہے جو میرے اور آپ کے منصب کا فیصلہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا: حجر الاسود۔ چنانچہ دونوں خانہ کعبہ میں آئے۔ حضرت امامؓ نے فرمایا۔ چونکہ تم مدعی ہو، اپنا دعویٰ حجر الاسود کے سامنے پیش کرو۔ محمد بن حنفیہ نے اپنا دعویٰ حجر الاسود کے

سامنے پیش کیا لیکن کچھ جواب نہ آیا۔

پھر حضرت امامؑ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور حجر الاسود کو مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے حجر الاسود! بندگانِ خدا کے مواثیق کا تو امانت دار ہے۔ تم فیصلہ دو کہ حضرت حسین کے بعد امامت و ولایت کا ہم دونوں میں سے کون حق دار ہے۔ جب آپ نے بات ختم کی تو حجر الاسود زور سے ہلا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جگہ سے نکل آئے گا۔ پھر فصیح زبان میں کہا: "اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت باطنی کا حق تو زین العابدینؑ کو دیا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

محمد بن حنفیہ یہ فیصلہ سنتے ہی اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک مرد اور ایک عورت نے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لئے ہاتھ لگائے تو وہیں چپٹ گئے۔ ساری تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ ہاتھ علیحدہ نہ ہو سکے۔ آخر کار فیصلہ کیا گیا کہ ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اسی اثناء میں حضرت زین العابدین تشریف لے آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مرد و عورت مبتلائے مصیبت ہیں۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ہاتھوں پر ہاتھ ملا، فوری طور پر علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے موقعہ پر حضرت سید زین العابدین کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ جریہ بن کامل الاسدی جو قاتلانِ حسینؑ میں سے تھا، کس حال میں ہے؟ میں نے بتایا اسے کوفہ میں زندہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا، اللھم اذقہ نار الحدید (اے اللہ اس پر آتشِ دوزخ مسلط کر) جب میں کوفہ میں واپس گیا ان دنوں مختار بن عبید نے علمِ بغاوت بلند کیا تھا چونکہ وہ میرے واقف تھے میں ملنے کے لیے چلا گیا وہ راستے میں ہی مل گئے۔ ہم دونوں اکٹھے جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں لوگ انتظار کر رہے تھے۔ اس مقام پر جریہ کو حاضر کیا گیا۔ مختار کہنے لگا: اے قاتلِ حسینؑ! الحمدُ للہ تم میرے قابو آ گئے ہو۔ اسی وقت جلاد کو حکم دیا کہ اس قاتلِ اہلبیت کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو۔ پھر اس نے آگ جلا کر جریہ کو اس میں پھینک دیا کیونکہ قاتلانِ حسینؑ کی سزا آگ ہی ہے۔

جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا، سبحان اللہ و بحمدہ۔ مختار نے مجھ سے سبحان اللہ کہنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور دُعا کا ذکر کیا۔ مختار سُنتے ہی گھوڑے سے نیچے آ گیا اور دوگانہ شکرانہ ادا کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر وُہ اسی دن میرے گھر آیا۔ تو میں نے کھانا حاضر کیا۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا، اے دوست تم نے آج مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ حضرت زین العابدین کی دعا میرے ہاتھوں پوری ہوئی ہے۔ میں نے اس خوشی میں شکرانے کا روزہ رکھا ہے۔ میں نے قاتلانِ حسینؓ سے انتقام لیا ہے۔

یہ قول صحت کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ حضرت علی بن حسین بن علی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بتاریخ ۱۸ ماہ محرم ۹۴ھ (بقول دیگرے ۹۵ھ) دارِ فانی سے دارِ بقا میں گئے۔ کہتے ہیں کہ دشمنانِ اہلبیت نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ اسی صدمہ سے واصل بحق ہوئے اور داخلِ جنت ہوئے۔

شد ز دوراں سید آلِ نبی	بہر وصلش جان و دل ز آفاق رفت
نیز محبوب الہٰ است لے ولی	ہم خرد والی والا جاہ گفت

۹۔ امام محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ عشر کے امام پنجم تھے۔ آپ کی کنیت ابوجعفر، لقب باقر تھا۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت الحسن بن علی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ میں بروز جمعہ سوم ماہ صفر، ۵۷ھ ہوئی۔ بعض اقوال میں ۵۶ھ ہے۔

مولانا جامی شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ امام والا گوہر جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (جب ان کی آنکھیں نظر سے محروم ہو چکی تھیں) کے پاس ملاقات کے لیے آیا۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے جواب دیا اور پوچھا کہ میں کون ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں محمد بن علی بن حسین بن علی (رضی اللہ عنہم) ہوں۔ یہ سنتے ہی فرمانے لگے: بیٹا میرے پاس آجاؤ۔ میں قریب گیا، میرا ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ پھر میرے قدم چومنے کے لئے جھکے ہی تھے

کر میں پیچھے ہٹ گیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے نام سلام بھیجا ہے۔ میں نے کہا: السلام علی رسول اللہ و برکاتہ' اور فرمایا، میں ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا تو آپ نے فرمایا: جابر شاید تم اس دن تک زندہ رہو جب میرے فرزندوں میں سے ایک تمہارے پاس آئے گا جس کا نام محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ ہوگا۔ اللہ تعالٰی اس بیٹے کو انوارِ حکمت سے نوازے گا۔ اسے میرا اسلام پہنچانا۔

حضرت مولینا جامی اپنی کتاب شواہد النبوت میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک معتبر راوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے ہشام بن عبد الملک کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اسکا یہ محل زیر تعمیر تھا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: واللہ یہ محل برباد ہونے کے لئے بن رہا ہے۔ اس محل کے سنگ وخشت کو یہاں سے اکھاڑ کر لے جایا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ میں حضرت امام کی یہ بات سن کر بڑا متعجب ہوا۔ اور ڈرا کہ ہشام کے محل کو کون مسمار کر سکتا ہے۔ ہشام بن عبد الملک کی وفات کے بعد ولید بن ہشام نے حکم دیا کہ اس محل کو مسمار کر کے اس کے ملبے کو یہاں سے اٹھا لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی بنیادیں ہلی ہوئی دیکھیں۔

اسی راوی نے مزید کہا کہ ایک دن میں حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک زید بن علی پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: واللہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ زید کوفہ میں خروج کر دیں گے اور انہیں قتل کر دیا جائے گا اور مدینہ لایا جائے گا اور ایک بانس پر نصب کیا جائے گا۔ مجھے اس بات سے سخت تعجب ہوا کیونکہ مدینہ میں تو بانس نہیں ہوتے۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ کا سر مدینہ میں لایا گیا اور بانس بھی ہمراہ لایا گیا جس پر آپ کا سر نصب کیا گیا۔

حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے میرے والد محترم نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد رتبہ امامت تمہیں سونپا جائے گا۔ جب میں مروں تو مجھے خود غسل دینا کیونکہ امام کا غسل امام ہی دیا کرتا ہے۔ عنقریب تمہارا بھائی عبداللہ دعویٰ امامت وجانشینی کرے گا اور لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے گا۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اسے اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس کی عمر بڑی مختصر ہوگی۔ جب میرے والد محترم کا وصال ہوا تو میں نے غسل دیا۔

میرا بھائی عبداللہ میرے ساتھ جھگڑنے لگا اور امامت کا دعویٰ کیا مگر تھوڑے عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت امام حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ خود اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کا غلام خچر پر سوار تھا اچانک ایک پہاڑ سے ایک بھیڑیا نکل آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو کر باتیں کرنے لگا۔ آپ بھی اس سے باتیں کرتے رہے اور آخر میں دعا فرما کر بھیڑیئے کو رخصت کیا۔ اپنے ساتھی کو بتایا کہ بھیڑیا یہ فریاد لے کر آیا تھا کہ دعا فرمائیں کہ میری نسل سے کوئی بھیڑیا آپ کے ماننے والے پر حملہ نہ کر سکے۔ میں نے دعا کی۔ بھیڑیا جو چاہتا تھا، اسے مل گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک رات میرے دل میں مذہب کے اختیار کرنے میں سخت ترین وسوسے پیدا ہونے لگے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ کون سے مذہب کی طرف رجوع کروں۔ اسی فکر میں مجھے نیند آگئی۔ صبح ہوئی ایک شخص میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور کہا کہ محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم تمہیں یاد فرما رہے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ میں نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے مخاطب فرمایا اور کہا، برادر سب مذہبوں سے مذہبِ اہلبیت اچھا ہے۔ میں اسی وقت آپ کے معتقدین میں سے ہو گیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، مجھے یہ بتائیے کہ مومن کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا، مومن کا حق یہ ہے کہ اگر وہ اس کھجور کو کہے کہ ادھر آؤ تو وہ درخت توقف نہ کرے۔ یہ بات سنتے ہی کھجور کا وہ درخت چل کر آپ کے پاس آگیا۔ آپ نے فرمایا، درخت! میں نے تو یہ بات بر سبیلِ تذکرہ کہی تھی تم اپنی جگہ چلے جاؤ۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ابوبصیر نابینا نے روایت کی ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کی، کیا آپ پیغمبر خدا کے اہلبیت میں سے ہیں۔ کہا، ہاں۔ میں نے کہا، کیا نبی علیہ السلام تمام پیغمبروں کے وارث ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا کہ آپ کو اپنے والد کی میراث ملی ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مُردے کو زندہ اور بیمار کو تندرست کیا کرتے تھے۔ کیا آپ اس بات کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، خدا کے حکم سے ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا تو میری آنکھیں روشن ہوگئیں اور مجھے ساری مخلوق نظر آنے لگی۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ دنیا میں آنکھیں بینا رکھنا چاہتے ہو یا میدانِ حشر میں۔ میں نے حشر کو ترجیح دی۔ آپ نے پھر میری آنکھوں پر ہاتھ ملا تو میں نابینا ہو گیا اور دعا چاہی کہ بلا حساب مجھے داخلِ جنت کیا جائے۔

شواہد النبوت میں ایک اور راوی نے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر سفر فرما رہے تھے میں بھی ہم رکاب تھا۔ ناگاہ دو شخص راستے میں ملے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: یہ چور ہیں انہیں پکڑ لو اور باندھ لو۔ غلاموں نے انہیں پکڑ کر باندھ لیا۔ پھر آپ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس پہاڑ پر چلے جاؤ وہاں ایک غار ہوگی۔ جو کچھ تمہیں اس غار سے ملے لے آنا۔ غلام گیا۔ وہاں سے دو صندوق ملے جو دولت سے بھرے پڑے تھے، اٹھا لایا۔ فرمایا: ایک صندوق کا مالک تو مدینہ میں موجود ہے اور دوسرا غائب ہے۔ جب ہم مدینہ پہنچے اس صندوق والے نے ایک جماعت کو چوری کے الزام میں گرفتار کروا دیا تھا اور حاکم کے سامنے فیصلہ کے لئے لے جا رہا تھا۔ حضرت امامؓ نے اسے صندوق دیا اور بے گناہ لوگوں کو رہائی دلائی۔ اور اس چور کو قطع ید کی سزا دلوائی۔

کچھ عرصہ کے بعد ان چوروں میں سے ایک حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: الحمد للہ کہ میرا قطع ید اور توبہ آپ کے دستِ حق پرست پر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کٹا ہوا ہاتھ تمہارے جنت میں داخل ہونے سے بیس سال پہلے داخلِ جنت ہوگا۔ چنانچہ وہ شخص بیس سال تک مزید زندہ رہا اور پھر وفات پائی۔ تین دن کے بعد دوسرے صندوق کا مالک بھی حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے فرمایا: تمہارے صندوق میں ہزار ہزار دینار کی دو تھیلیاں ہیں۔ ایک تھیلی تو تمہاری ہے مگر دوسری تھیلی کسی اور کی ہے۔ اس نے کہا آپ نے سچ کہا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دوسرے شخص کا نام بھی بتا دیں۔ آپ نے بتایا: اس کا نام محمد بن عبد الرحمان ہے اور اب شہر کے باہر تمہارے انتظار میں بیٹھا ہے۔ وہ شخص غیر مسلم تھا جب اس نے آپ کی گفتگو سنی تو مسلمان ہو گیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ ایک دن ابن عکاشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کا بیٹا جعفر بھی آپ کے پاس کھڑا تھا۔ ابن عکاشہ نے کہا: اب آپ کا فرزند ارجمند سنِ بلوغ کو پہنچ گیا ہے اس کے نکاح کا بندوبست کرنا چاہئے۔ حضرت امام کے پاس ایک ہزار دینار کی

تھیلی تھی جو آپ نے مجھے دی اور کہا کہ مارکیٹ میں ایک ایسا تاجر آئے گا جس کے پاس ایک خوبصورت کنیز ہوگی اسے خرید لانا۔ چند دن بعد آپ نے فرمایا: منڈی جاؤ اور کنیز خرید لاؤ اور یہ تھیلی لے جاؤ۔ میں منڈی میں اس سوداگر کے پاس گیا۔ اس نے کہا: میں تمام سامان واسباب فروخت کر چکا ہوں صرف دو کنیزیں باقی ہیں جو بہت ہی خوب صورت ہیں۔ ان میں سے ایک کنیز کو پسند کر کے خرید لو۔ میں نے قیمت پوچھی تو اس نے ستر دینار بتائی۔ میں نے کہا: میرے تھیلے میں جو کچھ ہے میں اس سے خرید لوں گا لیکن مجھے پتہ نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے۔ سوداگر نے کہا کہ میں ستر دینار سے کم کسی صورت میں قبول نہیں کروں گا۔ میں نے تھیلی کھولی تو اس میں ستر دینار پڑے تھے۔ میں نے سوداگر کے حوالے کئے اور کنیز کو لے کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بڑے خوش ہوئے۔ میں نے کنیز سے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ حمیدہ۔ آپ نے فرمایا: حمیدہ فی الدنیا محمودہ فی الآخرہ۔ پھر میں نے پوچھا: کیا تم کنواری ہو یا منکوحہ۔ اس نے بتایا کہ میں کنواری ہوں۔ میں نے پھر دریافت کیا: تم ان سوداگروں کے ہاتھ سے کیسے بچ گئیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی سوداگر اگر میری طرف بڑھتا تو ایک سفید ریش اور سفید سر آدمی آگے بڑھ کر اسے طمانچہ رسید کر دیتا اور وہ مجھ سے دُور ہٹ جاتا۔ یہ واقعہ کئی بار رُونما ہوا۔ آپ نے حمیدہ کو حضرت جعفرؓ کے حوالے کر دیا اور فرمایا: اس لونڈی کو لے لو یہ برکت کی ایک کان ہے۔ چنانچہ اسی بی بی کے بطن سے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات بروز پیر ہفتم ماہ ذوالحجہ ۱۱۴ھ کو ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ۵۷ سال تھی اور آپکے جسد پاک کو جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔

سال وصل او بگو ہادی عزیز!	ہم بخواں اے یار ہادی انام!
سال ترحیلش امام ایزد است	ہم ولی اللہ واں اسے نیک نام

۱۰۔ حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ ۔ ابو اسماعیل تھی ۔ لقب صادق ۔ آپ کی والدہ ام فروہ حضرت عبدالرحمٰن بن صدیق اکبرؓ کی پوتی تھیں ۔ آپ مدینہ منورہ میں ۱۲۔ ربیع الاول ۸۰ ھ بروز پیر پیدا ہوئے ۔ آپ ائمہ اثنا عشر کے امام ششم تھے ۔ آپ علمائے اہلبیت اور علمائے سادات میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے ۔

خلیفہ منصور عباسی کسی معاندِ اہلبیت کے کہنے پر حضرت جعفر سے کبیدہ خاطر ہو گیا ۔ اپنے مصاحب ربیع کو بلا کر حکم دیا کہ حضرت کو پیش کریں ۔ جب آپ منصور کے سامنے آئے تو کہنے لگا : مجھے اللہ تعالیٰ قتل کر دے اگر میں آپ کو قتل کروں لیکن میں سن رہا ہوں کہ آپ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں اور فتنہ گری میں مصروف ہیں ۔ آپ نے فرمایا : میں نے تو کچھ نہیں کیا ۔ نہ ہی کوئی فتنہ برپا کیا ہے ۔ آپ کے پاس اگر کسی نے ایسی خبر پہنچائی ہے تو وہ دروغ گو اور جھوٹا ہے ۔ اگر خدانخواستہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے ، مجھ سے سرزد ہوا ہے تو جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ظلم کئے تھے تو حضرت یوسفؑ نے انہیں معاف کر دیا تھا آپ بھی درگزر کریں ۔ خلیفہ منصور نے خوش ہو کر آپ کو اوپر بلا لیا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا اور کہا : فلاں ابن فلاں نے یہ باتیں میرے کانوں تک پہنچائی ہیں ۔ آپ نے فرمایا : اسے طلب کیا جائے ۔ جب وہ آیا تو آپ نے پوچھا : کیا تم نے یہ باتیں حضرت صادق کی زبان سے خود سنی تھیں ۔ اس نے کہا ، ہاں ۔ آپ نے فرمایا : تم قسم کھا کر کہتے ہو ۔ اس نے قسم کھانا چاہی ۔ ابھی یہ الفاظ کہے تھے : باللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم ۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا : ایسی قسم مجھے قبول نہیں ۔ جس طرح میں قسم کھانے کو کہتا ہوں ، کہیں ۔ اور یہ بھی کہو کہ من حول اللہ وقوتہ والتجات الی حول وقوتی لقد فعل کذا وکذا جعفر وقال کذا وکذا جعفر ۔ اس شخص نے ایسی قسم کھانے سے پہلے تو تامل کیا لیکن پھر کھا گیا ۔ اسی وقت وہ زمین پر گرا اور مجلس میں ہی مر گیا ۔ منصور نے کہا : اسے پاؤں سے کھینچ کر مجلس سے باہر پھینک دیا جائے ۔

ربیع کہتے ہیں کہ اس دن حضرت جعفر صادق زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ منصور کا غصہ دُور نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ ربیع کہتے ہیں: میں نے حضرت جعفر صادق سے دریافت کیا! کیا بات ہے وُہ جھوٹا مفتری دو بار بعض کلمات کے ساتھ قسم کھا گیا مگر اسے کچھ نقصان نہ ہوا۔ لیکن جب آخری بار قسم کھائی تو اسے سزا مل گئی۔ آپ نے فرمایا: پہلے اس نے خدا کو معبودیت اور رحمانیت کے ساتھ یاد کر کے قسم کھائی تھی اور اس کے عذاب میں تاخیر ہو گئی۔ غلبۂ صفت رحمانیت غالب تھا۔ دوسری بار جب میں نے اسے قسم کھانے کو کہا اس میں لفظ رحمان و رحیم نہیں تھے اس لیے وہ فوری طور پر عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

ایک دن خلیفہ منصور نے حضرت جعفر صادقؑ کو دربار میں طلب کیا اور اپنے حاجب کو حکم دیا کہ جُونہی حضرت امام دربار میں داخل ہوں، انہیں قتل کر دیا جائے۔ جب آپ دربار میں آئے اور منصور کے پاس بیٹھ گئے تو اسے سخت تعجب ہُوا کہ حاجب نے انہیں قتل کیوں نہیں کیا۔ جب آپ واپس گئے تو منصور نے حاجب سے پوچھا کہ تم نے اپنا کام کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم مجھے قطعاً علم نہیں ہے کہ حضرت امام کب دربار میں آئے اور کب واپس گئے۔ اگر میں انہیں دیکھ لیتا تو یقیناً قتل کر دیتا۔

خلیفہ منصور کے ایک قریبی شخص نے بتایا کہ میں ایک دن خلیفہ منصور کے پاس آیا تو اسے بڑا مغموم اور متفکر پایا۔ وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ میں نے علویوں کے سیکڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا ہے مگر ان کے امام جعفر صادقؑ ابھی تک زندہ ہیں۔ میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ میں نے کہا، وُہ ایک خدا پرست آدمی ہیں انہیں دنیا اور منصب دنیاوی کی حاجت نہیں ہے ان کے قتل میں کیا فائدہ۔ خلیفہ منصور نے مجھے کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس کی امامت پر راضی ہو۔ میں آج قسم کھاتا ہُوں کہ جب تک میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوگا، کھانا پینا ترک رہے گا۔ پھر اس نے کہا: میں حضرت جعفرؑ کو بلاؤں گا۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو میں اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھوں گا تم انہیں فوراً قتل کر دینا۔

جب آپؑ دربار میں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے لب ہل رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ اسی وقت منصور کا محل کانپنے لگا اور ایک ہیبت ناک زلزلہ آیا۔ منصور سر پا

برہنہ آپ کے استقبال کو دوڑا اور آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا اور خود ہاتھ باندھ کر نیچے بیٹھ گیا اور کہنے لگا، یا حضرت! اگر کوئی چیز درکار ہو تو مجھے حکم فرمائیں تاکہ بجا لاؤں۔ آپ نے فرمایا: بس ایک ہی حاجت ہے کہ مجھے دوبارہ دربار میں نہ بلایا جائے اگر میں خود بخود آؤں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر آپ اٹھے اور باہر چلے گئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد منصور بے ہوش ہو گیا۔ آدھی رات تک بیہوش رہا۔ چند نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ آدھی رات کے بعد جب ہوش آیا تو اس نے نمازیں ادا کیں۔ جب وُہ فارغ ہُوا تو میں نے اس کی پریشانی، بیہوشی اور اضطراب کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا، جب حضرت امامؑ دربار میں تشریف لائے تو میں نے ایک اژدہا دیکھا جس کی زبان کا ایک سرا تو محل کے فرش پر تھا اور دوسرا محل کی چھت پر۔ اور فصیح زبان سے کہہ رہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اگر حضرت امام کو ذرہ بھر بھی تکلیف پہنچی تو تمھیں اور تمہارے محل کو تباہ کر دیا جائے گا۔ یہ واقعہ تھا جس نے مجھے پریشان کر دیا۔

داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے حضرت امام جعفرؑ کے ایک غلام کو قتل کر کے اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضرت امام داود کے پاس آئے اور فرمایا: تم نے میرے غلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تمہارے حق میں بددعا مانگوں گا۔ اس نے از رہِ مذاق کہا: مجھے اپنی بددعا کی دھمکی سے ڈرا رہے ہو۔ حضرت امام گھر چلے آئے۔ اسی رات داؤد اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

ابو نصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا۔ میری ایک کنیزک تھی جس کے ساتھ میں نے جماع کیا تو مجھے صبح غسل کی حاجت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے دوستوں کی ایک جماعت حضرت جعفر صادقؑ کی زیارت کو جا رہی ہے میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں کس حالت میں ہوں۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت امام مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے، نصیر! رسولِ خدا کے اہلبیت کے گھر جنابت کی حالت میں چلے آئے ہو۔ میں نے کہا، حضرت! میں نے احباب کو دیکھا کہ آپ کی خدمت میں آ رہے تھے۔ خیال آیا کہ میں زیارت سے محروم نہ رہ جاؤں۔ اس لیے چلا آیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم غسل کر کے آتے تو زیارت و ثواب دونوں چیزیں مل جاتیں۔ میں اٹھا اور غسل کرنے چلا گیا۔

ایک دن میں امام جعفر صادقؓ کے ساتھ مکہ میں جا رہا تھا کہ اچانک ہمیں ایک عورت دکھائی دی جس کے سامنے ایک مُردہ گائے پڑی تھی۔ وہ زار زار رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرا اور میرے بچوں کا گزارہ تو صرف اسی گائے کے دُودھ پر تھا۔ اب وُہ مرگئی ہے میں کیا کروں۔ حضرت امامؓ اس کے حالِ زار پر متوجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا! تم چاہتی ہو کہ تمھاری گائے پھر زندہ ہو جائے۔ بڑھیا نے کہا: نوجوان! تم اس ضعیفہ مصیبت زدہ کے ساتھ کیوں مذاق کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا: واللہ مذاق نہیں کر رہا۔ پھر آپ نے دستِ دعا بلند کئے۔ گائے نے پہلے تو سر پاؤں ہلائے، پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بڑھیا خوش ہو گئی اور دو نفل نمازِ شکرانہ ادا کئے اور آسودہ حال ہو گئی۔

ایک اور راوی نے بیان کیا کہ میں امام جعفرؓ کے ساتھ صبح کو جا رہا تھا۔ بر سرِ راہ ایک خشک کھجور کا درخت نظر پڑا جس کے نیچے ہم نے ڈیرہ ڈال دیا۔ جب چاشت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا: اے کھجور! ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کر دے۔ کھجور اسی وقت سرسبز ہو گئی۔ اس کے ساتھ خوشے لگے اور حضرت امامؓ کی طرف جھک گئے۔ حضرت امامؓ نے مجھے آواز دی اور کہا: آؤ بسم اللہ کرو اور کھانا کھاؤ۔ جو ہم نے کھائیں تو بڑی میٹھی اور شیریں کھجوریں تھیں۔ میں نے زندگی بھر ایسی میٹھی کھجوریں نہیں کھائی تھیں۔ ایک اور شخص وہاں کھڑا تھا کہنے لگا: کیا زود اثر جادو ہے۔ آپ نے فرمایا: جادو نہیں، یہ دُعا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اگر تم چاہو تو میں ابھی دُعا کروں اور تم کتے کی شکل میں نظر آنے لگو۔ اعرابی اپنی سنگ طبعی کے باعث کہنے لگا، اچھا دعا کرو۔ حضرت نے فی الفور بددعا کی تو کتے کی شکل میں تبدیل ہو کر اپنے گھر کو جانے لگا۔ حضرت امامؓ نے مجھے حکم دیا کہ اس کتے کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ جب وہ اعرابی اپنے گھر جا کر اپنی اہلیہ کے پاس گیا تو دُم ہلانی شروع کر دی۔ اس نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ وہاں سے نکل کر پھر حضرت امامؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے قدموں میں لیٹنے لگا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت امامؓ کو اس کی حالتِ زار پر رحم آ گیا اور دعا کی تو وُہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔

شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے جو حضرت امام جعفر صادقؓ کی مجلس میں بیٹھا تھا روایت کی ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا کہ حضرت خلیل اللہ نے اللہ کے حکم سے چار پرندوں کو پکڑا اور ذبح کر کے ان کے گوشت کا قیمہ بنا لیا اور

باہم ملا کر انہیں پھر بلایا۔ وُہ زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ ایسا واقعہ پھر رونما ہو اور تم اسے آنکھوں سے دیکھ لو۔ لوگوں نے کہا: یا ابن رسول کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ آپ نے آواز دی: اے مور تم آؤ، اے کوّے تم آؤ۔ اے باز تم آؤ، اے کبوتر تم بھی آؤ۔ چاروں پرندے فوراً حاضر ہو گئے۔ چاروں کو ذبح کر کے ریزہ ریزہ کر دیا اور باہم ملا دیا۔ لیکن ان کے سر علیحدہ محفوظ کر لئے۔ پھر آپ نے مور کا سر اٹھایا اور مور کو بلایا۔ میں نے دیکھا کہ گوشت سے مور کے گوشت کے ریزے بکھرنے لگے اور یکجا اکٹھے ہو کر ایک مور کی شکل میں نظر آنے لگے۔ مور زندہ ہو گیا۔ اسی طرح سارے پرندے ایک ایک کر کے زندہ ہو گئے۔

آپ کا ایک دوست حج بیت اللہ کو روانہ ہوا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے دس ہزار درہم آپ کو بطور امانت دیئے اور کہا اس رقم سے میرے لئے ایک مکان خرید رکھیں تاکہ واپسی پر اس میں سکونت کر سکوں۔ آپ نے اس کے جانے کے بعد سارا روپیہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے میں نے جنّت میں مکان خرید لیا ہے جس کی ایک دیوار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے ملتی ہے اور دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان سے جا ملتی ہے۔ تیسری دیوار حضرت حسن اور چوتھی دیوار حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے گھر سے ملتی ہے۔ میں نے اس مکان کی دستاویز بھی تیار کر لی ہے جو میں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ایک کاغذ لائے جو اس کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے یہ کاغذ اپنے پاس رکھا اور وفات سے پہلے وصیت کی کہ یہ دستاویز میرے کفن میں رکھی جائے۔ اس کے لواحقین نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے دن لوگوں نے وہ کاغذ اس کی قبر پر پڑا پایا۔ اس کی پشت پر لکھا تھا کہ جعفرؓ بن محمد کی تحریر کو منظور کر لیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؓ کی وفات مدینہ پاک میں بروز منگل ۱۵۔ رجب یا بروز جمعہ ۱۸۔ رجب ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے باپ اور دادا کے روضہ کے ساتھ جنّت البقیع میں دفن کئے گئے۔

امام باصفا صادق شہِ دین! | کہ بود اندر طلب مطلوب کامل
عطا و نیک تولیدش عیانست | بتر حیلش بگو محبوب کامل

۱۴۸

۱۱۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ

کنیت ابو حنیفہ، لقب امام اعظم، نام نعمان ابن ثابت اور خیر التابعین میں سے تھے۔ چار ائمۂ دین میں سے پہلے امام اور حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کے جلیس خاص تھے۔ آپ نے حضرت امام جعفرؓ سے بڑا استفادہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سات صحابہؓ کی زیارت کی۔ ان صحابہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن انس، عبد اللہ بن ابی عبد اللہ بن حرث، معقل بن یسار، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم۔ آپ نے ان صحابہ کرام سے احادیث کی روایت کی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بشر حافی، داؤد طائی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے آپ کے شاگرد تھے۔ فقہا میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کا شجرہ پرانی کتابوں میں یوں درج ہے:

"امام ابو حنیفہ نعمان کوفی بن ثابت بن قیس بن یزدجرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیرواں عادل"۔

حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کو ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے اور آپ کو امام اماماں، مقتدائے سنیاں، شرف فقہا و علما لکھا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ جب روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طواف کرتے تو عرض کرتے: السلامُ علیکَ یا رسول اللہ۔ تو جواب آیا کرتا تھا: علیک السلام یا امام المسلمین۔ حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبرِ خدا کو خواب میں دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں ملا کروں؟ فرمایا: علم ابو حنیفہ کے پاس۔ خواجہ محمد پارسا نے فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ اس مذہب پر گامزن ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک اسی دین پر حکم چلایا کریں گے۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کتاب راحت القلوب میں لکھا ہے کہ جناب امام ابو حنیفہ جب آخری حج بیت اللہ کو گئے تو رات کے وقت کعبۃ اللہ کا دروازہ پکڑ کر ایک پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف قرآن ختم کر دیا؛ پھر دوسرے پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف دوسرا ختم کیا۔ پھر کہا ماعرفناك حق معرفتك وما عبدناك حق عبادتك۔ ہاتف نے

آواز دی، ابوحنیفہ تم نے پہچان لیا، جیسے کہ پہچاننے کا حق ہے اور میری تم نے عبادت کر دی جیسا کہ حق ہوتا ہے، ہم تمھیں اور تیرے مقلدین کو بخش دیں گے۔

یہ روایت نقل کی جاتی ہے: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر فرمایا: ہماری یہ امانت ابوحنیفہ کو پہنچا دینا۔ حضور کا یہ لعابِ دہن حضرت انس کے منہ میں ایک آبلے کی طرح محفوظ رہا۔ جب حضرت امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے تو آپ نے یہ امانت آپ تک پہنچا دی۔ یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ حضرت امام ایک رات میں ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے۔ تیس سال تک عشا کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ عین عالمِ شباب میں تھے کہ امام شافعی پیدا ہوئے۔ چار سال تک وہ والدہ ماجدہ کے شکم میں رہے۔ جس رات امام ابوحنیفہ کا وصال ہوا تو آپ پیدا ہوئے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ امام اعظم نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر سے جسم انور کو نکال کر تمام ہڈیاں علیحدہ علیحدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی ہیبت سے آنکھ کھل گئی۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو آپ نے بتایا کہ آپ پیغمبرِ خدا اور حفظِ سنتِ رسول میں وہ مقام حاصل کریں گے کہ صحیح سنت کو سقم سے جدا کر دیں گے۔

ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ نے ارادہ کر لیا کہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں اور یادِ خداوندی میں وقت گزار دوں۔ رات کو حضرت رسالت پناہ کی زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا، ابوحنیفہ! تمھیں اس لیے زندگی عطا کی گئی ہے کہ میری سنت کا اعلان کرتے رہو اور میرے علوم کو پھیلاتے جاؤ، گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس دن کے بعد آپ نے خدمتِ سنتِ رسول میں دن رات وقف کر دیا۔

حضرت امام اعظم کی مسجد کے قریب ہی بچے گیند سے کھیل رہے تھے۔ ایک دفعہ گیند آپ کی مجلسِ قرآن میں آگرا۔ کسی لڑکے کو جرأت نہ ہوئی کہ مجلس سے گیند اٹھائے۔ ایک لڑکے نے اعلان کیا کہ میں جا کر گیند لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ گستاخانہ گیا اور گیند اٹھا لایا۔ حضرت امام نے اس بچے کی بیباکی دیکھ کر فرمایا کہ یہ بچہ حلال زادہ نہیں ہو سکتا۔ جب تفتیش کی گئی تو واقعی ایسا نکلا۔

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: حلال زادوں کے حیا مانع ہوتی ہے۔

حضرت امام اعظم نے ایک شخص سے قرضہ لینا تھا۔ اتفاقاً آپ کا ایک شاگرد مقروض کے محلے میں فوت ہو گیا۔ آپ بھی شریکِ جنازہ ہُوئے۔ چونکہ دُھوپ بہت تھی اس لئے جنازے کے انتظار میں سارے لوگ آپ کے مقروض کے مکان کی دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر حضرت امام ابوحنیفہ دھوپ میں کھڑے رہے۔ لوگوں نے سایہ میں کھڑا ہونے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میں قرضہ لے نہ لُوں اس کی دیوار سے فائدہ اٹھانا داخلِ سُود خیال کرتا ہُوں۔

ایک امیر آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ وہ یہاں تک تعصب کرتا کہ آپ کو یہُودی کہا کرتا یہ بات کو جب امام صاحب نے سنا تو اسے اپنے پاس بُلایا اور کہا کہ بھائی! تمھاری بیٹی کا نکاح ایک مالدار یہودی سے کرنا چاہتا ہُوں۔ وُہ شخص کہنے لگا۔ آپ مسلمانوں کے امام ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ کب روا ہے کہ ایک مسلمان کی بیٹی ایک یہودی کے نکاح میں آئے۔ پھر میں ایک مسلمان ہوں۔ میری بیٹی یہودی کے نکاح میں کس طرح آسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا، سبحان اللہ۔ تم تو اپنی بیٹی یہودی کے نکاح میں دینا گوارا نہیں کرتے مگر حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ روا رکھتے ہو کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیاں ایک یہودی کے نکاح میں دے دیں۔ اس شخص نے بات کی حقیقت کو سمجھ لیا اور اپنے بغض و تعصب سے تائب ہو گیا۔

کوفہ کے لوگوں نے مسجد بنانے کے لیے عوام الناس سے مالی امداد کی اپیل کی۔ حضرت امام اعظم کی خدمت میں بھی گئے کہ تبرکاً کچھ نہ کچھ دیں۔ حضرت امام نے ہزار وقت ایک درہم دیا تو شاگردوں نے کہا، حضرت آپ اتنے سخی ہیں مگر مسجد کے معاملہ میں یہ بُخل۔ آپ کو یہ بات بڑی گراں گزری اور فرمایا کہ مجھے پتہ ہے کہ مالِ حلال آب و گِل پر خرچ نہیں ہو سکتا۔ میرا مال حلال ہے اس لئے جب لوگوں نے روپے مانگے میرے دل پر گراں گزرا۔ چند دن گزرنے کے بعد مسجد کے بانی واپس آئے اور امام صاحب کو ایک درہم واپس کر گئے اور کہنے لگے، یہ تو کھوٹا ہے۔ آپ نے بصد خوشی واپس لے لیا اور فرمایا: الحمد للہ میرا حلال مال آب و گِل پر خرچ نہیں ہوا۔

حضرت علی مخدوم ہجویری گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ شام میں حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر بیٹھا سو گیا۔ خواب میں اپنے آپ کو مکہ مکرمہ میں پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ میں آئے اور ایک بوڑھے آدمی کو بغل میں بچے کی طرح اٹھا لائے۔ اس بوڑھے پر آپ بڑی شفقت فرما رہے ہیں۔ میں حضور کے پاس گیا سلام کہا اور پائے مبارک کو چوما۔ تعجب ہوا کہ یہ بوڑھا کتنا خوش بخت ہے کہ حضور اس پر بچوں کی طرح شفقت فرما رہے ہیں اور گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کی اس کیفیت کو خود ہی بھانپ گئے اور فرمانے لگے، اے علی! یہ امام اہلسنت ابو حنیفہ ہیں۔

بقول صحیحہ آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہے مگر بعض مورخین نے ۸۲ھ میں لکھا ہے۔ آپ کا وصال باتفاق اہل اسلام ۱۵۰ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سن تولیدش بقول اہل سیر ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بے نیاز و لفظ نیک است و امام
کن رقم سلطان تو سال رحلتش ‌‌‌‌‌‌‌‌ طالب حق گو، محبوب انام
نیز سال انتقالش گفت دل ‌‌‌‌‌‌‌‌ قطب از دوراں رواں شد والسلام

۱۲۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ۔ نام مالک یا انس بن مالک تھا۔ آپ چار ائمہ مذاہب میں سے دوسرے امام ہیں۔ حضرت امام شافعی کے استادوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے شمائل، فضائل اور مناقب بے اندازہ ہیں۔ اس مختصر کتاب میں مجال بیان نہیں۔ آپ کی ولادت ۹۵ھ میں اور وفات بروز یکشنبہ ہفتم ماہ ربیع الآخر ۱۷۹ھ (اور بعض تذکروں میں ۱۸۱ھ بھی درج ہے) مزار پرانوار مدینہ منورہ میں ہے۔

قطب محبوبی است رحلت او ‌‌‌‌‌‌‌‌ سالک اہل دل وصالش داں
از خرد صاحب عطا جستہ ‌‌‌‌‌‌‌‌ سرور زاہد سال رحلت آں

۱۳۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی یعقوب بن ابراہیم اور لقب ابو یوسف۔ مقامِ پیدائش کوفہ۔ اور حضرت امام اعظم کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور حضرت امام نے ہمیشہ اپنے اس لائق شاگرد کی تعریف کی اور حضرت نے آپ کو قاضی القضاۃ کا خطاب دیا۔ اگرچہ آپ عدالتی کارروائی میں بہت مصروف رہتے تاہم رات کو دو صد رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ آپ ۱۱۰ھ میں (بقول دیگر ۱۱۱ھ) پیدا ہوئے اور وصال بروز جمعہ ، ۲۷۔ ماہِ رجب ۱۸۲ھ میں ہوا۔ آپ کی عمر ستر سال اور مزار مبارک بغداد میں ہے۔

ابو یوسف آں یوسفِ دین حق — ولی جہاں مقتدائے زماں
خرد گفت وصلش سعید اوّل — دلم گفت عابد ولی جہاں
۱۸۲ھ

۱۴۔حضرت امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد کا اسم گرامی حسن تھا جو شام سے ہجرت کر کے عراق تشریف لائے اور واسطہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اسی مقام پر حضرت امام محمد کی ولادت ہوئی۔ کوفہ میں پرورش پائی اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شاگردی اختیار کی۔ حضرت امام صاحب کے علوم آپ کی کوششوں سے دنیائے اسلام میں پھیلے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کو صاحبین کہا جاتا ہے۔ اور امامین بھی۔ یہ دونوں بزرگ صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں۔ امام شافعی بھی آپ کے ہی شاگرد تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب راحت القلوب میں لکھا ہے کہ امام شافعی حضرت امام محمد کی رکاب تھامے جا رہے تھے اور کہتے تھے: اگر میں یہ کہوں کہ قرآن پاک محمد بن حسن شیبانی کی لغت میں نازل ہوا تھا تو روا ہے۔ کیونکہ آپ بہت ہی فصیح تھے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء (داراشکوہ) نے اس صاحب کمال کی تاریخ وفات ۱۴۔ جمادی الاخریٰ (بقول دیگر رمضان) ۱۸۹ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار رَے میں ہے ـــ

مخبرالواصلین کے مصنف نے آپ کی تاریخِ وفات ۱۰۶اھ بروز پیر ۲۲۔ ماہِ صفر تحریر کی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی قول معتبر ہے۔

محمد چو از لطفِ فضلِ الٰہ — رسید از جہاں در مقامِ جناں
رقم شد وصالش محمد عزیز — دگر ظاہر آمد امام جبنان
۱۰۶ ۹

۱۵۔حضرت موسیٰ کاظم بن جعفر رضی اللہ عنہ

آپ امام ہفتم ائمہ عشرہ میں سے تھے۔ کنیت ابوالحسن۔ ابوابراہیم۔ لقب کاظم۔ اور والدہ کا نام ام ولد حمیدہ بربری تھا۔ آپ کی ولادت بمقام الوا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، ہوئی تھی اور تاریخ ولادت بروز اتوار ۷۔ ماہ صفر ۱۲۸ھ ہے۔ عباسی خلیفہ مہدی بن منصور جب آنحضرت کو پہلی بار مدینہ پاک سے بغداد لائے تو گرفتار کر دیا۔ رات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا جنھوں نے فرمایا: مہدی! فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم۔ ربیع کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے مجھے آدھی رات کو طلب کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس آیت کو نہایت خوش الحانی سے تلاوت کر رہا ہے۔ مجھے کہا جاؤ اور ابھی موسیٰ کاظم بن جعفر کو جیل سے لے آؤ۔ میں لے کر آیا تو گلے لگا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور خواب کا واقعہ پیش کیا اور پوچھا: کیا ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے بے غم کر دیں اور مجھ پر خروج نہ کریں۔ آپ نے فرمایا: واللہ! میں نے ہرگز خروج نہیں کیا اور نہ ہی کروں گا۔ خلیفہ نے پوچھا: آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ پھر ربیع کو کہا کہ دس ہزار دینار حضرت کو دے دیئے جائیں اور سفر کا سامان کریں تاکہ وہ مدینہ شریف جا سکیں۔ ربیع کہتے ہیں: میں نے فوراً تیاری کی اور حضرتِ امام کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اس خوف سے صبح کوئی نئی مصیبت رُونما نہ ہو جائے۔

حضرت امام مہدی کے آخرین ایامِ حکومت تک آرام سے رہے۔ دوسری بار دشمنان آنحضرت نے خلیفہ ہارون الرشید کے کان بھرے اور حضرت کو دوسری بار بغداد میں طلب کر لیا گیا اور قید میں ڈال دیا۔ حتیٰ کہ آپ ایک عرصہ کے بعد زہر خوردنی سے واصلِ بحق ہو گئے۔

جب حضرت کاظم کو یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید کے حکم سے جیل خانہ میں زہر دیا۔ آنحضرت نے زہر کھانے کے بعد فرمایا کہ آج اہلبیت کے معاندین نے مجھے زہر دیا ہے۔ کل میرا بدن زرد ہو جائے گا۔ پھر نصف سرخ ہو جائے گا، نصف سیاہ ہوگا۔ میری روح اس دار الفنار سے دار البقاء کی طرف جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہارون الرشید نے اپنے امراء میں سے علی بن یقطین کو لباس فاخرہ اور زربفتی قبا اس لئے دی کہ وہ حضرت موسیٰ کاظم سے بکمال محبت پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اس قیمتی لباس کو حضرت کے پاس جیل میں لے گئے۔ حضرت نے اور چیزیں تو قبول فرمالیں مگر وہ قیمتی زربفت کا سیاہ لباس اسی طرح واپس کر دیا اور کہا کہ اس قیمتی لباس کو اپنے پاس محفوظ رکھو تاکہ کسی مشکل وقت میں کام آسکے کچھ دنوں کے بعد ایک غلام علی بن یقطین کی طرف سے آیا اور ہارون الرشید کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ خلیفہ نے کہا کہ علی بن یقطین موسیٰ بن کاظم کو اپنا امام تصور کرتے ہیں اور بڑی مالی امداد کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ تحفہ آپ نے قبول نہیں کیا۔ ہارون الرشید اس بات سے بڑا برہم ہوا اور علی کو اپنے پاس بلایا کہ میرے فلاں حجرے میں جاؤ، اس میں ایک صندوق پڑا ہوگا۔ اسے کھولو، اس میں ایک برتن ہوگا اسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ گیا اور برتن لے آیا۔ علی نے ایسا ہی ایک لباس جو خلیفہ نے دیا تھا، اس برتن سے نکالا اور سامنے رکھ دیا۔ ہارون الرشید کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اپنے بُرے ارادے سے رُک گیا۔

شواہد النبوت کے مصنف (حضرت مولانا عبدالرحمان جامی) فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے جو حضرت موسیٰ کاظم کا معتقد تھا، بیان کیا ہے کہ جب پہلی بار مہدی نے حضرت کو مدینہ سے طلب کیا میں مدینہ سے دُور تک آپ کے ساتھ گیا۔ میں رو رہا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: بھائی تجھے کس بات نے اتنا مغموم بنا دیا ہے۔ وُہ کہنے لگا میں کیوں نہ روؤں آپ دشمنِ اہل بیت کے پاس جا رہے ہیں۔ خدا معلوم آپ سے وہ کیا سلوک کریں گے۔ آپ نے فرمایا: فکر نہ کرو میں فلاں ماہ فلاں دن اور فلاں وقت واپس آجاؤں گا۔ تم یہاں ہی آکر میرا انتظار کرنا۔ یہ کہہ کر مجھے اجازت دی۔ جب وعدہ کے مطابق وہ تاریخ آئی تو میں اسی مقام پر بہرا استقبال گیا۔ میں نے دیکھا کہ عراق کی طرف سے ایک حبشی نمودار ہُوا۔ آنحضرت اس حبشی کے آگے آگے ایک

اُونٹنی پر سوار چلے آ رہے ہیں اور آ کر میرا نام لے کر پکارا۔ میں نے لبیک کہا تو فرمانے لگے: تمہارے دل میں شک آنے ہی والا تھا۔ میں نے کہا، ہاں حضرت! آپ نے فرمایا: الحمد للہ میں ظالموں کے پنجے سے بچ کر نکل آیا۔ لیکن میں ایک بار پھر جاؤں گا اور پھر نہیں آؤں گا۔

یاد رہے کہ حضرت کاظم رضی اللہ عنہ بتاریخ ۵۔ رجب ہارون الرشید کے جیل خانہ میں زہرخورانی سے فوت ہوئے۔ آپ کو کھجور میں زہر دیا گیا اور بروز جمعہ ۱۸۶ھ واصلِ بحق ہوئے۔ بغداد میں آپ مدفون ہوئے۔

سال تولید او ست ابہم حسین ۱۲۵	سرورِ دہر سید کونین
کن رقم سید ولی اللہ ۱۸۶	سالِ ترحیلِ آں حبیب اللہ
موسیٰ اہلِ دل خرد فرمود ۱۸۶	باز سالِ وصال آں مسعود!!

---

۱۶ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابو عبد اللہ، لقب شافعی، نام محمد بن ادریس تھا۔ آپ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا نسب نامہ آٹھ واسطوں سے حضرت عبد المطلب سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت ام الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہے۔ اسی لیے آپ کو قریشی، ہاشمی، علوی اور فاطمی کہا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام سوئم ہیں۔ جب تک مدینہ میں رہے حضرت امام مالک سے پڑھتے رہے۔ جب عراق میں آئے امام محمد بن حسن شاگردِ حضرت امام اعظم سے استفادہ کیا۔ آپ کی ولادت بمقام غزہ یا عسقلان یا بقول دیگر مناور ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

امامِ شافعی تیرہ سال کی عمر میں حرم میں کہہ رہے تھے: سلونی بما شئتم۔ جو چاہتے ہو مجھ سے پوچھو۔ پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جنہیں تین ہزار احادیث یاد تھیں آپ کی شاگردی میں فخر محسوس کرتے تھے اور آپ کی غاشیہ برداری میں راحت محسوس کرتے تھے۔ لوگوں نے ایک بار آپ سے کہا: آپ باایں علم و فضیلت ایک بچے کے سامنے

زانو نے تلمذ طے کرتے ہیں اور مشائخ و اساتذہ کی صحبت ترک کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا؛ جو چیز ہمیں یاد آ
شافعی ان کے معنی جانتا ہے۔ فقہ کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے کھول دیا۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے دریافت فرمایا، بیٹا تمہارا کیا حال ہے؛ میں نے عرض کی کہ میں آپ کے کمترین غلاموں میں سے ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے پاس بلا کر اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ اللہ کی برکات تجھے نصیب ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنی انگشتری اتار کر مجھے پہنا دی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے انوار اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے علوم مجھے نصیب ہوئے۔

حضرت امام شافعی کی والدہ زاہدہ، عابدہ اور امینہ تھیں۔ لوگ اپنی امانتیں آپ کے سپرد کر جاتے ایک دفعہ دو آدمی آئے۔ ایک صندوقچہ جو مال و سامان کا بھرا ہُوا تھا آپ کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور وہ صندوقچہ لے گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرا بھی آیا اور صندوقچہ مانگا۔ تو حضرت بی بی نے بتایا کہ تمہارا ساتھی لے گیا ہے۔ اس نے کہا کہ دونوں کی حاضری کے بغیر آپ نے ایک شخص کو کیوں دے دیا۔ حضرت شافعی جن کی عمر پندرہ سال تھی آ گئے۔ سارا واقعہ سننے کے بعد والدہ ماجدہ سے کہنے لگے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ مدعی سے آپ نے پوچھا کہ صندوقچہ دیتے وقت آپ لوگوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم دونوں آئیں تو امانت دی جائے۔ اب تم جاؤ اور اپنے دوست کو ہمراہ لے آؤ تاکہ صندوقچہ دونوں کو دیا جائے۔ جب تک تم دونوں اکٹھے نہیں آؤ گے صندوقچہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ مدعی متحیر ہو کر چلا گیا۔

ہارون الرشید ایک رات اپنی بیگم زبیدہ سے اُلجھ پڑا۔ زبیدہ نے ہارون کو دوزخی کہہ دیا۔ ہارون نے کہا؛ اگر میں دوزخی ہوں تو تمہیں طلاق ہو گئی۔ چنانچہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ زبیدہ ہارون کی محبوب بیوی تھی اور ہارون پر دل و جان سے فدا تھی۔ چنانچہ دونوں اس اتفاقیہ تلخ کلامی سے ایک جدائی میں مبتلا ہو گئے۔ ہارون نے علماء بغداد کو جمع کر کے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا اور فتویٰ چاہا کہ زبیدہ اس پر حلال ہو جائے۔ علماء کے لیے کوئی جواب نہ تھا اور کہا کہ خدائے عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ ہارون دوزخی ہے یا جنتی! اس مجلس سے ایک بارہ سالہ لڑکا اٹھا اور اس نے کہا، میں جواب دوں گا۔ علماء و امراء اس کی اس جرأت پر حیران رہ گئے۔

اور کہنے لگے تم دیوانے ہو۔ لیکن ہارون الرشید نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا اگر ہو سکتا ہے تو جواب دو۔ یہ لڑکا امام شافعی تھے۔ حضرت امام شافعی نے خلیفہ کو کہا۔ چونکہ آپ سائل ہیں اس لئے تخت سے نیچے آجائیں اور مجھے تخت پر بٹھادیں۔ علماء وارث انبیاء ہوتے ہیں اور جانشین رسول ہیں ہارون تخت سے اتر آیا اور امام شافعی تخت نشین ہو گئے۔ ہارون نے ایک سائل کی حیثیت سے مسئلہ بیان کیا۔ حضرت امام شافعی نے کہا، جو کچھ میں پوچھوں اس کا صحیح جواب دیا جائے اور جھوٹ قطعاً نہ ملایا جائے۔ اب تم اپنی زندگی پر نظر دوڑا کر بتاؤ کبھی تم معصیت پر قادر ہو کر خوفِ خداوندی سے ڈر کر رُک گئے ہو۔ ہارون نے کہا، ہاں ایک دفعہ بغداد کے ایک امیر کی ایک خوبصورت اور جواں سال لڑکی میری توجہ کا مرکز بنی، اسے میرا کچھ خیال نہ تھا۔ ہزار ہا حیلہ و مکر کے بعد میں نے اسے طلب کر لیا اور تخلیہ میں لے جا کر اظہارِ مدعا کیا۔ جب وُہ بھی آمادہ زنا ہو گئی تو میں خدا کے خوف سے کانپ اٹھا اور اس عورت سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت شافعیؒ فرمانے لگے: اگر تم اس واقعے میں سچے ہو تو میں فتوے دیتا ہوں کہ تم دوزخی نہیں جنتی ہو۔ اگر جھوٹ بول رہے ہو تو اس کا عذاب تمہاری گردن پر ہوگا۔ اس فتویٰ کو سنتے ہی علماء مجلس نے شور برپا کر دیا کہ آپ کس دلیل سے یہ فیصلہ دے رہے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کی:

واما من خاف مقام ربہ و نہی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ۔

لوگوں نے پوچھا کہ ہارون کے سچا ہونے کی کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ واقعی حلفاً بیان کیا ہے۔ ہارون الرشید نے دوبارہ حلف اٹھایا اور اس واقعہ کی تصدیق کی۔ علماء کرام نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

حضرت امام شافعی کے زمانے میں دیگر مذاہب کے بعض علماء نے علمائے اسلام سے مناظرہ شروع کر دیا۔ بغداد میں بہت بڑا اجتماع ہوا۔ دریائے دجلہ پر بحث و مناظرہ شروع ہوا۔ حضرت امام شافعی جو علمائے اسلام کی طرف سے آئے ہوئے تھے دریائے دجلہ کے پانی پر مصلّی بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا، غیر مذاہب کے جو علماء بحث کرنا چاہتے ہیں میرے سامنے آ کر بیٹھ جائیں۔ مگر کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی۔ تمام شرمسار ہو کر چلے گئے۔ آپ کی وفات بروز جمعہ ماہ رجب ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ مزار پُر انوار قرافہ مصر میں ہے۔

سال ترحیلِ آں یگانہ بگو — سرورِ اصحابِ زمانہ بگو
حبیبِ اصفیا کردم رقم ہم سالِ وصل او — کہ ذاتِ او امام و مقتدا مومناں آید
۲۰۳ھ

۱۷۔ حضرت امام علی بن موسیٰ بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ

ائمہ اثنا عشر میں آٹھویں امام ہیں۔ کنیت ابوالحسن، لقب رضا اور ولادت مدینہ پاک میں ہوئی۔ ولادت ۱۵۲ھ بعد از وفات حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔ تاریخ نگاروں نے آپ کی والدہ کا نام تکمینہ، شمانہ، ام البنین اور استقراد لکھا ہے۔ وہ حضرت کاظم کی والدہ بی بی حمیدہ کی کنیز تھیں۔

ایک رات حضرت حمیدہؓ نے خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا: اپنی کنیز تکمینہ کو اپنے بیٹے موسیٰ کے نکاح میں دے دو۔ اللہ اس سے ایک ایسا بیٹا دے گا جو رُوئے زمین کے بہترین انسانوں سے ہوگا۔

حضرت رضا کی والدہ سے یہ روایت منسوب ہے کہ جب رضا میرے پیٹ میں تھے مجھے کوئی بوجھ یا گرانی محسوس نہیں ہوتی تھی اور خواب میں مجھے اپنے پیٹ سے تسبیح کی آواز سنائی دیتی تھی بعض اوقات میں ڈر جایا کرتی تھی۔ جونہی میں بیدار ہوتی کوئی آواز نہ سنتی۔ حضرت رضا نے ولادت کے وقت اپنے ہاتھ زمین پر رکھ لئے اور نگاہ آسمان کو کر دی اور ہلتے ہوئے لبوں سے دعا جاری تھی۔

خلیفہ مامون نے حضرت رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ جب آپ دربار میں جاتے تو خلیفہ کے امراء اور اعیان استقبال کو کھڑے ہو جاتے اور جو پردہ خلیفہ کے تخت کے ساتھ آویزاں ہوتا، اٹھا دیا جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض درباریوں نے حسد و بغض کی وجہ سے نفرت کے طوفان برپا کر دیئے اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس کے بعد آپ کا استقبال نہ کیا جائے اور نہ ہی پردہ اٹھایا جائے۔ لیکن دوسرے روز جب حضرت امام تشریف لائے تو امرائے دربار اٹھے اور پردہ بھی اٹھا دیا گیا۔ امام صاحب کے اندر جانے کے بعد انہیں احساس ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے کو لعن طعن کرنا

شروع کردیا۔ پھر انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ آئندہ کوئی نہ اٹھے۔ لیکن پھر آپ کے آنے پر اٹھے اور سلام کیا مگر پردہ اٹھانے میں توقف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تیز ہوا کو بھیجا جس سے پردہ اٹھ گیا اور امام صاحب اندر تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو پھر ہوا سے پردہ اٹھا۔ امرادِ دربار نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو قائل ہو گئے کہ امام اللہ کے عزیز ہیں۔ ہمارے ذلیل کرنے سے آپ ذلیل نہیں ہو سکتے۔ مجبوراً رسمِ دربار کے مطابق عمل کرنے لگے۔

امام رضاؒ کی ولیعہدی کے دوران ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مامون الرشید کے بعض وزراء جو خاندانِ نبوت سے بغض رکھتے تھے۔ خلیفہ کو کہنے لگے: جس دن سے آپ نے انہیں ولیعہد مقرر کیا ہے اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ یہ بات خلیفہ کو بڑی ناگوار گزری اور آپ سے طلب نزولِ بارانِ رحمت کی۔ آنحضرت دعا کے لئے اتوار کو ایک صحرا میں نکل پڑے۔ ایک عظیم اجتماع میں بارش کے لئے دعا فرمائی۔ اسی وقت بادل گھر کر آئے ...... اور لوگ دوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف چلے مگر حضرت نے فرمایا، لوگو! رک جاؤ۔ یہ بادل تو فلاں شہر کے ہیں، یہاں نہیں برسیں گے۔ تھوڑے توقف کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔ پھر بادل آئے مگر آپ نے لوگوں کو کہا، یہ بادل فلاں علاقے کے لئے ہیں۔ چنانچہ دس بار اسی طرح ہوا۔ گیارھویں بار جب بادل آئے تو آپ نے فرمایا: یہ بادل تمہارے لئے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ بادل اس وقت تک نہ برسیں گے جب تک تم گھروں میں محفوظ نہ ہو جاؤ گے۔ آپ خود بھی منبر سے اترے اور اپنی جگہ پر پہنچے۔ جب تمام لوگ اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو بارانِ رحمت کا نزول ہوا حتیٰ کہ ایسی بارش پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

مامون الرشید کا ایک مقرب ولی عہدی کی تمنا دل میں اور حسد و بغض کا بوجھ لئے مامون الرشید کو کہنے لگا کہ آپ نے بنو عباس کے خاندان سے خلافت علیحدہ کر کے حضرت علی کے گھر میں بھیج دی ہے حالانکہ یہ لوگ عباسیہ کے بڑے بدخواہ ہیں۔ بادیہ گمنامی کے گمناموں کو ازسرِ نو شہرت دے دی ہے اور ہم لوگوں سے ان لوگوں کے مراتب بلند کر دیئے ہیں۔ یہ بات بلند ہمتی، دلاوری اور انصاف سے بڑی بعید ہے۔ اگر یہ کام اچھا ہوتا تو آپ کے آباء و اجداد ہی کر لیتے۔ مامون نے بتایا کہ علی رضا کی ولیعہدی میری محبت اور الفت کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ

عوام میں بیٹھ کر انھیں خلافت و بیعت پر آمادہ کرتے تھے۔ میں نے اسے اپنا ولی عہد بنا دیا تاکہ وہ لوگوں کو میری طرف دعوت دیتا رہے اور میری خلافت کا اعتراف بھی کرتا رہے اور خاندان عباسیہ کی عداوت سے علیحدہ رہے۔ مجھے خطرہ تھا کہ یہ کوئی نیا فتنہ پیدا نہ کر دے جس کا انسداد میرے لئے مشکل ہو جائے۔ لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔ لیکن اب میں نے اسے نوازا ہے۔ اور اپنا ولی عہد بنایا ہے۔ اب یہی چارہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس کے اثر و رسوخ کو کم کر دیا جائے تاکہ عوام خود معلوم کر لیں کہ یہ ولیعہدی کے لائق نہیں ہیں اور اس طرح معطل کر دیا جائے۔ اس شخص نے کہا: آپ اطمینان رکھیں میں اسے مجمع عام میں شرمسار کر دوں گا اور وہ خود بخود اپنی راہ لے گا اور بغداد میں وہ کبھی نظر نہیں آئے گا۔ ان کے متبعین کو بھی طمع، لالچ دے کر اس سے علیحدہ کر لوں گا اور آپ کے دربار میں حاضر کروں گا۔ جب تنہا رہ جائے گا تو یہ کام زیادہ آسان ہو جائے گا اور کسی عباسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا یا قید خانہ میں جان دے دے گا۔

ایک دن حضرت امام خلیفہ مامون کے پاس تشریف لائے اور اپنی مسند پر آرام سے بیٹھے تھے کہ وہ بدخواہ اور حاسد بھی آ گیا اور آپ کو مخاطب کر کے بولا: اے ابن موسیٰ! میں نے سنا ہے کہ تمھارے معتقدین اور مریدین باران رحمت کے برسنے پر تمھاری کرامت پہ بڑا فخر کرتے ہیں اور تعریف کے قلابے ملاتے رہتے ہیں اور آپ کا مقام پیغمبروں سے بھی بلند جانتے ہیں حالانکہ تم نے (عام مسلمانوں کی) توسل سے دعا، باران رحمت کی۔ اس طرح بادل برسا۔ اندریں حالات تم تن تنہا اس کرامت کے مستحق نہیں ہو جبکہ تمام مسلمانان بغداد کا حصہ ہے۔ ان نااہلوں کو اس حرکت سے روکنا چاہئے۔ حضرت خلیفہ تمھارے لحاظ سے کسی کو کچھ نہیں کہتے اور تمھیں زمین سے اٹھا کر آسمانِ شہرت پر لا رکھا ہے۔ اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا ہے۔ یہ حقوق کا صلہ ہے جو تم دے رہے ہو کر امیر المومنین کے عہد خلافت میں تمھارا رتبہ خلیفہ وقت سے بلند کیا جا رہا ہے۔

حضرت امام نے یہ تمام تفصیل سننے کے بعد فرمایا، میں ان باتوں سے منع تو نہیں کرتا اور نہ ہی انھیں نعمتِ خداوندی کے شکرانے سے روکتا ہوں۔ یہ ولی عہدی کا جو ذکر کیا جا رہا ہے اس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے بادشاہ مصر نے انہیں خود ولیعہد بنایا تھا اور دنیا میں خدا کے نزدیک جو رتبہ تھا، عزیز مصر بننے سے کم نہیں ہوا تھا۔ وہ حاسد اس دندان شکن جواب سے

برافروختہ ہوگیا اور کہنے لگا: ابن موسیٰؑ! تم اپنی حدود سے تجاوز کرتے جارہے ہو اور اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ سے ملا رہے ہو، حالانکہ یہ معمولی سی کرامت جو عام مسلمانوں کی دُعا سے ظاہر ہوئی ہے اس قدر بلند بانگ دعویٰ کر رہے ہو۔ اگر تم اتنے ہی صاحبِ کرامت ہو تو خلیفہ کے دربار میں بچھی ہُوئی قالین پر شیروں کی تصویر کو زندہ کر کے دکھاؤ اور انہیں مجھ پر مسلّط کردو۔ اگر ایسا کردو تو یہ کرامت اور معجزہ ہوگا۔

اس بدگفتار کی یہ گفتگو سنتے ہی حضرت امام رضا جلال میں آ گئے اور غضب ناک ہوکر ان شیروں کو للکارا اور کہا: اس کذاب اور اہلبیت کے دشمن کو پکڑ لو اور اپنا تر نوالہ کرلو۔ حکم ملتے ہی وُہ دونوں تصویریں شیر بن کر جھپٹیں اور شہنشاہ ولایت کے اس بدگو کو اپنے خونیں پنجوں میں دبوچ لیا اور اس کی ہڈیاں توڑ ڈالیں اور اس کی ہڈی اور گوشت چبا گئے۔ خون کے قطرے جو فرش پر گر گئے تھے، چاٹنے لگے۔ خلیفہ مامون یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہوگیا اور زمین پر گر گیا۔ جب دونوں شیر اس کام سے فارغ ہوئے تو امام کی پابوسی کے لیے آئے اور زبانِ حال سے کہنے لگے اگر آپ حکم فرمائیں تو اس غدار خلیفہ کو جو ظاہر میں آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہے مگر دلی طور پر دشمنِ اہلِ بیت ہے کیفرِ کردار تک پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی زندگی مطلوب ہے کیونکہ ایک عظیم کام اس سے لینا ہے تم جس طرح تھے اسی طرح ہوجاؤ۔ چنانچہ دونوں بہادر گرجو کے شیر اپنی اصلی حالت پر چلے گئے اور شیرِ قالین بن گئے۔ حضرت نے عطر و گلاب ... کیا اور خلیفہ کے منہ پر چھڑکا۔ جب خلیفہ ہوش میں آیا تو خوف و ہراس کی بنا پر اس نابکار کے حال... قطعاً دریافت نہ کیا۔

ایک نے روایت کی ہے: میں کوفہ سے خراسان کو روانہ ہوا تو میری بیٹی نے مجھے ایک چادر دی کہ اسے بیچ کر میرے لیے ایک فیروزہ لیتے آئیں۔ میں جب مرو میں پہنچا تو حضرت موسیٰ رضا کا ایک غلام میرے پاس آیا کہ امام صاحب کا ایک خادم وفات پاگیا ہے۔ تمہارے پاس ایک چادر ہے اگر فروخت کردو تو ہم اس کا کفن بنالیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چادر نہیں۔ تھوڑے سے عرصے کے بعد وہ غلام دُوسری بار آیا تو اس نے آکر کہا: امام محترم نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے پاس وُہ چادر ہے جو آپ کی بیٹی نے دی تھی تاکہ فیروزہ خرید سکو۔ چادر کی قیمت یہ لو اور

چادر دے دو۔ میں یہ بات سُن کر حیران رہ گیا کیونکہ اس واقعہ کا میرے اور لڑکی کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ میں نے چادر اس کے حوالے کر دی اور سوچا کہ یہ شخص باطنی علوم سے واقف ہے کیوں نہ اس سے چند مسائل دریافت کروں۔ مسائل ایک کاغذ پر لکھ کر حضرت امام کے دروازہ پر حاضر ہو گیا لیکن عوام کے ہجوم کی بنا پر زیارت نہ کر سکا چہ جائیکہ مسئلہ دریافت کرتا۔ ناگاہ ایک غلام اندر سے آیا اور میرا نام دریافت کر کے ایک کاغذ مجھے دیا اور کہا کہ یہ تمہارے مسائل کا جواب ہے۔

نباج کے علاقہ کے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجدِ حاجیاں میں تشریف فرما ہیں۔ کھجور کے درخت کا ایک طبق بنا کر اس میں کھجوریں رکھی ہیں۔ میں حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے چند کھجوریں مجھے بھی عنایت فرمائیں جب میں نے انہیں گِنا تو سترہ کھجوریں تھیں۔ اس خواب کی تعبیر مجھے یوں آئی کہ اب میں سترہ سال اور زندہ رہوں گا۔ چند دنوں کے بعد حضرت امام موسیٰ بن رضا قصبۂ نباج میں تشریف لائے اور اسی مسجد میں رونق افروز ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے دیکھا تھا۔ کھجوروں کا ایک طبق اسی طرح آپ کے سامنے پڑا ہے۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے بڑی شفقت سے چند کھجوریں دیں جنھیں گِنا تو سترہ تھیں۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر جناب رسالتمآبؐ زیادہ دیتے تو مجھے کوئی مضائقہ نہیں تھا اب میں آپؐ کے خلاف نہیں کر سکتا۔

حضرت امام موسیٰ رضا کے غلام نے روایت کی ہے کہ ایک دن ریان بن ابی الصلت آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: میری دلی خواہش ہے حضرت مجھے اپنے لباس کے دو کپڑے اور چند سکے جن پر آپ کی مُہر ہو مرحمت فرمائیں۔ میں نے حضرت سے اجازت طلب کی ابھی سخن زبان پر نہیں آیا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ ریان چاہتا ہے کہ یہاں آکر دو کپڑے اور چند سکے لے۔ اسے لے آؤ اور دو کپڑے اور تیس درہم دے دو۔

ایک دفعہ ایک تاجر کو قزاقوں نے کرمان کے پاس برفانی گھاٹیوں میں پکڑ لیا اور اس کا منہ برف سے بھر دیا اور مال و دولت لُوٹ کر لے گئے۔ برف کی شدید سردی سے اس کی زبان بیکار ہو گئی اور بات نہ کر سکتا تھا۔ وہ خراسان میں آیا تو اسے خبر ہوئی کہ حضرت موسیٰ رضا

نیشا پور میں تشریف فرما ہیں۔ دل میں کہنے لگا کہ وہ اہل بیت نبوت سے ہیں۔ آپ کی خدمت میں جاؤں شاید کوئی علاج بتائیں۔ رات خواب میں دیکھا۔ گویا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا علاج کمونی اور سعترقہ ملغ ہے۔ ان تینوں کو پانی میں بھگو کر دو تین بار زبان پر رکھو اِن شاء اللہ تعالیٰ شفایاب ہو جاؤ گے۔ جب بیدار ہُوا تو خواب کا اعتبار نہ کیا اور نیشا پور جا پہنچا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ابھی بات نہیں کی تھی کہ آپ نے فرمایا: تمھاری زبان کا علاج تو وہی ہے جو خواب میں بتایا گیا تھا۔ میں نے گزارش کی کہ ایک بار اور فرما دیجئے آپ نے فرمایا: کمونی اور سعترقہ ملغ — ان تینوں کو پانی میں بھگو کر زبان پر رکھو، بحکمِ خدا شفا ملے گی۔ اُس شخص نے ایسا ہی کیا۔ شفایاب ہو گیا۔

ایک شخص سندھ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ عربی زبان نہیں جانتا تھا، سندھی میں بات کرتا تھا آپ نے بھی سندھی میں گفتگو کرنا شروع کر دی۔ اس نے گزارش کی کہ مجھے عربی نہیں آتی اِن شاء اللہ عربی سیکھ لوں گا۔ آپ نے دستِ مبارک اس کے ہونٹوں پر پھیرا تو وُہ اسی وقت فصیح عربی میں گفتگو کرنے لگا۔

ایک دن حضرت امام اپنے صحن میں بیٹھے تھے کہ ایک چڑیا آپ کے قدموں میں آگری۔ اور لوٹ پوٹ ہو کر فریاد کرنے لگی۔ آپ نے حاضرین کو بتایا کہ یہ چڑیا کہہ رہی ہے کہ اُس کے گھر میں سانپ ہے اور اس کے بچّوں کو کھانا چاہتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص جلدی سے سانپ کی تلاش کرو اور سانپ کو مار دو۔ ایک خادم اٹھا اور حجرہ میں گیا۔ دیکھا کہ ایک خونخوار سانپ چھت پر لٹک رہا ہے، اسے پکڑا اور مار دیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، میری بیوی حاملہ ہے، دُعا فرمائیں: اللہ مجھے بیٹا عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: تمھاری بیوی کے پیٹ میں تو دو بچے ہیں وہ شخص گھر گیا تو چند دن گزرنے کے بعد اس کے دو بچّے ہوئے۔ اس نے چاہا کہ ایک کا نام محمّد رکھوں اور دوسرے کا علی۔ آپ نے زور سے کہا: نہیں نہیں، ایک کا نام علی رکھو اور دوسرے بچے کا نام ام عمر! یعنی ایک لڑکا تھا اور دوسری لڑکی۔

حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ نے آنحضرت کی وفات کا واقعہ شواہد النبوت میں یوں قلمبند

کیا ہے۔ آپ کا خادم خاص ابوالصلت بیان کرتا ہے کہ ایک دن امام ذوی الاکرام علی بن موسیٰ رضا کھڑے تھے۔ مجھے فرمانے لگے کہ تم ہارون کی قبر کے گنبد کے پاس چلے جاؤ اور اس کے چاروں طرف سے مٹی لیتے آؤ۔ میں گیا اور مٹی لے آیا۔ آپ نے سُونگھ کر پھینک دی اور کہا دیکھنا مجھے یہاں ہرگز دفن نہ کرنا۔ یہاں ایک پتھر ظاہر ہوگا۔ جو سنگ شکن ہتھیار بھی لایا جائے گا پتھر کو توڑ نہیں سکے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: فلاں مقام سے مٹی اٹھالاؤ۔ میں گیا تو لے آیا اور فرمایا کہ میری قبر اس جگہ بنانا اور میرے دفن کرنے کے وقت تم یہاں حاضر رہنا اور لوگوں کو کہنا کہ سات درجے نیچے لے جائیں اور قبر کے درمیان شق کریں۔ اگر وُہ چھوڑ دیں تو پھر کہنا کہ لحد بنا لیں۔ دفن سے پہلے میرے سر کی جگہ سے پانی کا چشمہ نکلے گا۔ یاد رکھو جس کلام سے میں تم سے بات کر رہا ہوں اسی کلام سے وہاں کلام کرنا۔ پانی جوش مارے گا اور ساری لحد پانی سے بھر جائے گی اور پانی میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی نظر آئیں گی۔ یہ روٹی ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کو کھلا دینا۔ پھر ایک بہت بڑی مچھلی ظاہر ہوگی۔ وہ چھوٹی مچھلیوں کو کھا جائے گی۔ جب ساری مچھلیاں گم ہو جائیں گی، پانی پر ہاتھ رکھنا اور یہ کلام پڑھنا۔ پھر پانی کم ہو جائے گا اور لحد خشک ہو جائے گی لیکن یہ تمام باتیں مامون الرشید کے سامنے کرنا۔ پھر آپ نے فرمایا: ابوالصلت کل میں مامون کے سامنے جاؤں۔ جب میں وہاں سے باہر آؤں گا میرے سر پر کوئی چیز نہیں ہوگی۔ پھر میرے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ اگر میرے سر پر کوئی چیز ہوئی تو میرے ساتھ باتیں کرنا۔ جب رات گزر گئی، صبح ہوئی تو آپ نے نئے کپڑے زیب تن کئے اور انتظار کرنے لگے۔ حتیٰ کہ مامون کا غلام آپ کو بلانے کو آ گیا اور آپ کو مامون کے پاس لے گیا۔ اس وقت مامون کے سامنے تازہ انگوروں کے طبق پڑے تھے۔ اس نے کہا کہ کیا آپ نے ایسا انگور پہلے دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان انگوروں سے اچھے انگور بہشت میں ہیں۔ مامون نے کہا کہ یہ انگور کھا لو۔ آپ نے فرمایا: مجھے معذور سمجھیں۔ مامون نے بڑی تعریف کی۔ کیا آپ میرے دل کو توڑ رہے ہیں یہ کہہ کر ایک خوشہ خود اٹھا کر کھانے لگا۔ باقی کے حضرت کو دے دیئے۔ آپ نے تین دانے کھائے اور باقی کے دانے پھینک دیئے اور اُٹھ کر چلے آئے۔ مامون نے کہا: آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جہاں آپ نے بھیجا ہے۔ کوئی چیز سر پر پہن لی اور

اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں: مامون نے ان انگوروں میں زہرِ ہلاہل ملا دیا تھا اور حضرت امام کو کھلا دیئے۔ تین دانے جو اس نے خود کھائے وُہ زہر سے خالی تھے۔ چونکہ مجھے ہدایت تھی جب میں نے سر پر کچھ پہنا ہو تو مجھ سے بات نہ کرنا۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے گھر پہنچ کر فرمایا کہ دروازہ بند کر دیا جائے اور خود بستر پہ لیٹ گئے۔ میں مکان کے صحن میں پریشانی کے عالم میں پھرتا رہا، میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اندر سے نکلا جو شکل و شباہت سے حضرت سے ملتا جلتا تھا۔ میں دوڑ کر قریب گیا اور پُوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا: مجھے ابھی ابھی مدینہ سے بُلایا گیا ہے اور میں بارہ اماموں میں سے ہوں۔ میں نے نام پُوچھا تو آپ نے بتایا میرا نام حجۃ اللہ محمد تقی بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ۔ پھر والد محترم کے پاس آیا۔ خود چلے گئے اور مجھے نہیں لے گئے۔ جب امام نے اسے دیکھا تو وُہ اُٹھے، گلے لگا لیا اور دو آنکھوں کے پاس بوسہ دیا اور اپنے بستر پر بٹھا لیا اور لیٹ گئے۔ وہ والد محترم کی طرف منہ کر کے بعض رازدارانہ باتیں کہنے لگا۔ اس وقت میں نے حضرت امام کے لبوں پر جھاگ دیکھی، جو برف سے بھی زیادہ سفید تھی۔ محمد تقی اسے چاٹ رہے تھے اور ہاتھ باپ کے سینہ پر رکھے ہیں۔ پیراہن کے اندر پھیر رہے ہیں اور کوئی چیز چڑیا کی طرح نکالی اور دیکھتے دیکھتے حضرت امام رضا واصل بحق ہو گئے۔

امام محمد تقی نے فرمایا: اے ابوالصلت اٹھو اور پانی لاؤ اور ایک تختہ لیتے آؤ۔ میں نے عرض کی نہ اس وقت پانی ہے نہ تختہ۔ آپ نے فرمایا، ہے۔ میں اٹھا، پانی بھی مل گیا۔ یہ پانی دُودھ سے زیادہ سفید تھا اور صندلی لکڑی کا ایک تختہ بھی پڑا تھا جس سے میرا دماغ معطر ہو گیا۔ اٹھا کر لے آیا۔ آپ نے اپنے پدرِ بزرگوار کو غسل دیا۔ میں نے چاہا کہ مدد کروں مگر آپ نے فرمایا میرے ساتھ کچھ لوگ ہیں جو مدد کر رہے ہیں، تمہاری ضرورت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اندر جاؤ، ایک صندوق پڑا ہے اس میں کفن پڑا ہو گا۔ میں باہر گیا تو صندوق معہ کفن لے آیا۔ چنانچہ اسی کفن میں تکفین کی گئی اور نمازِ جنازہ ادا کی۔ پھر مجھے فرمایا کہ تابوت لے آؤ۔ میں نے عرض کی۔ اگر حکم ہو تو کسی ترکھان کو لے آؤں تاکہ تابوت تیار کر لے۔ پھر فرمایا کہ توشہ خانہ میں جاؤ۔ وہاں تابوت پڑا ہے۔ میں گیا تو وہاں تابوت پڑا تھا۔ ایسا تابوت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں اٹھا کر لے آیا۔ آپ کی نعش پاک کو تابوت میں رکھ دیا گیا اور پھر نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ ابھی نمازِ جنازہ

مکمل نہیں ہوئی تھی کہ تابوت اپنی جگہ سے اُٹھا اور چھت کو پھاڑتا ہُوا آسمان کو اُڑ گیا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں نے کہا، اے ابن رسول! مامون ابھی آ رہا ہوگا۔ اگر اسے تابوت نہ ملا تو کیا کہے گا۔ آپ نے فرمایا: خاموش رہو۔ تابوت ابھی واپس آ جائے گا۔ ایک گھنٹے کے بعد تابوت واپس آ گیا اور اسی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر نعش کو تابوت سے نکال کر بستر پر لٹا دیا۔ تابوت اور کفن ساری چیزیں میری نظر سے غائب ہوگئیں۔ نعش یُوں دکھائی دینے لگی کہ اسے ابھی تک غسل بھی نہیں دیا گیا۔ پھر کہا کہ اٹھو اور دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو مامون اپنے غلاموں کے ساتھ اندر داخل ہوا اور مکروفریب سے رونے لگا اور امامِ وقت کے تجہیز و تکفین کی تیاری شروع کر دی۔ جس جگہ پہلے قبر کھودی گئی ایک سخت چٹان آئی۔ پوری کوشش کے باوجود بھی وُہ چٹان ٹوٹ نہ سکی۔ وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ قبر کھودی گئی میں آنحضرت کی وصیت کے مطابق اسی قبر پر حاضر رہا۔ جب لحد تیار ہُوئی تو قبر کے سرہانے سے پانی کی نمی ظاہر ہونے لگی۔ میں نے وہ کلمات جو مجھے پڑھائے گئے تھے، پڑھے تو زمین سے پانی ابلنے لگا۔ لحد پُر ہوگئی۔ اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نظر آنے لگیں۔ میں نے روٹی کے ٹکڑے ان کے سامنے پھینکنا شروع کر دیئے۔ وُہ کھانے لگیں پھر ایک بڑی مچھلی نمودار ہُوئی اور ان ساری مچھلیوں کو کھا گئی اور پھر خود بخود غائب ہوگئی۔ پھر میں نے وہی کلمات پڑھے تو پانی زمین میں دھنس گیا اور لحد کی زمین خشک ہوگئی۔ گویا یہاں پانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھتے ہی مامون کہنے لگا: علی رضا اپنی زندگی میں بعض عجائبات دکھایا کرتے تھے۔ آج موت کے بعد بھی وہی عجائبات نظر آ رہے ہیں۔ ایک شخص جو محب اہل بیت تھا کہنے لگا یہ اس بات کی علامت ہے کہ عباسی حکومت کا اسی طرح خاتمہ ہو جائے گا جس طرح ان چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کا ہوا ہے اور وہ دنیا کے تھوڑے پانی میں مغرور ہیں۔ کوئی ایسا آدمی اس بڑی مچھلی کی طرح نمودار ہوگا جو اس سلطنت کو تباہ کر دے گا اور پھر نہ چھوٹی مچھلی رہے گی نہ بڑی۔ صرف اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ مامون نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ چنانچہ حضرت امام کو اسی قبر میں دفن کیا گیا۔

آپ کا مزار ولایت طوس قرب سناباد میں واقع ہے۔ آپ ۹۔ رمضان المبارک ۲۰۸ھ کو

فوت ہوئے۔ بعض تذکروں میں ۹۔ ماہ صفر ۲۰۳ھ اور ۲۰۵ھ اور ۲۰۶ھ بھی تحریر ہے۔

آں امام علی رضا موسیٰ قرۂ دیدۂ نبی و علی!
طالب عالی است تولیدش رحلتش گو امام دین نبی!
۲۰۹ھ ۲۰۳ھ

۱۸۔حضرت محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ

کنیت ابوجعفر، ابوجعفر ثانی، لقب تقی اور جواد تھا۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی خیزران یا ریحانہ تھا۔ یہ ماریہ قبطیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ ائمہ اثناعشر میں نویں امام تھے۔ آپ مدینہ پاک میں بروز جمعہ ۱۰۔ رجب ۱۹۵ھ پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ابھی چھ سال ہی تھی کہ آپکے علم وفضل کا شہرہ دنیائے اسلام میں پھیل گیا اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچنے لگا۔ چونکہ مامون کے ماتھے پر امام موسیٰ رضا کے قتل کا داغِ بدنامی نمایاں تھا اس نے اس بدنامی کے داغ کو دھونے کے لیے اپنی بیٹی ام الفضل کو آپ سے بیاہ دیا اور مدینہ بھیج دیا۔ وہ ہر سال کے خرچہ کے لیے ایک ہزار دینار بھی دیتا تھا۔

آں حضرت ایک بار گیارہ سال کی عمر میں شہر کی ایک گلی میں چند لڑکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اتفاقاً مامون شکار کے لیے باہر جارہا تھا اسے دیکھ کر سارے لڑکے بھاگ گئے مگر آپ کھڑے رہے۔ جب مامون نزدیک سے گزرا تو آپ کو دیکھا اور تیز نظروں سے دیکھ کر پوچھنے لگا، بیٹا! تم دوسروں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگ گئے؟ آپ نے فرمایا، راستہ تنگ تو نہیں کہ میرے ٹھہرنے سے آپ کو گزرنے میں تکلیف ہو۔ نہ ہی میں نے کوئی جرم کیا ہے کہ آپکو دیکھ کر بھاگ اٹھتا۔ میرا حسن ظن بھی یہ ہے کہ آپ بلا وجہ کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ مامون ان باتوں سے بہت خوش ہوا اور آپ کا نام پوچھا تو آپ نے بتایا: محمد ابن علی رضا۔ چنانچہ واپسی پر مامون اسی راستے سے گزرا تو آپ کے لیے ایک شکاری باز چھوڑا۔ باز غائب ہوگیا اور چند لمحوں کے بعد ظاہر ہوا تو اس کے پنجے میں ایک نیم جان مچھلی تھی۔ مامون اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر واپس آگیا۔ جب آپ کے پاس آیا تو آپ کو

پوچھنے لگا، محمد یہ کیا بات ہے کہ باز مچھلی پکڑ کر لا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہ یمشینا فی بحر قدرتہ سحکا صغارا تصدھا بذاتہ الملوک والخلفا فیختبرون بہا سلالۃ اہل النبوت۔ جب مامون نے یہ بات سنی تو کہنے لگا۔ واقعی آپ ابن الرضاؑ ہی ہیں۔

جب مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کو حضرت امام کے نکاح میں دے کر مدینہ روانہ کر دیا۔ تو آپ راستے میں چند روز کوفہ میں ٹھہرے۔ آپ کے قیام کا آخری دن تھا کہ آپ ایک مسجد میں تشریف لائے جس کے صحن میں بیری کا ایک درخت تھا۔ اس پر کبھی بھی پھل نہیں لگا تھا آپ نے پانی کا ایک کوزہ طلب کیا اور اس میں سے تھوڑا سا پانی پی کر باقی درخت کی جڑوں پر چھڑک دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر اس درخت کے پاس آئے ہی تھے کہ وہ پھل سے بھرا پڑا تھا۔ یہ پھل میٹھا بھی تھا اور بغیر گٹھلی کے بھی۔ لوگ اسے بڑے شوق سے تبرک سمجھ کرلے جاتے۔

صاحب الشواہد النبوت (مولانا جامی) فرماتے ہیں کہ اسلاف میں سے ایک شخص نے روایت کی ہے کہ میں نے ایک دفعہ عراق میں ایک ایسے آدمی کے متعلق سنا جس نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا اور اسے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ میں بھی اسے دیکھنے گیا اور دربان کو اطلاع دے کر اس کے پاس پہنچا، وہ ایک فہیم، ذہین اور باہوش آدمی نظر آتا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کیا ماجرا ہوا۔ اس نے بتایا کہ میں شام میں عبادتِ خداوندی میں مشغول تھا۔ جس مسجد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر نیزے پر رکھا گیا اس میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک رات میں یادِ الٰہی میں مشغول رُو بہ قبلہ بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا: اٹھو۔ میں اٹھا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے کوفے کی ایک ایسی مسجد میں لے گیا جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ امامت کرایا کرتے تھے۔ اس نے مجھے پوچھا، جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے۔ میں نے کہا: یہ کوفہ کی مسجد ہے۔ وہ نماز میں مشغول ہوا اور میں بھی نماز پڑھنے لگا۔ اس کے بعد ہم اس مسجد سے نکل کر شہر سے باہر آ گئے اور تھوڑے ہی وقت میں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ اس مسجد میں بھی دو رکعت نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے اور چند قدم اٹھانے کے بعد ہم نے اپنے آپ کو بیت اللہ میں دیکھا، وہاں نماز ادا کی اور جب بیت اللہ شریف سے باہر آیا تو وہ

غائب تھا۔ میں اس واقعہ سے بڑا ہی متعجب ہوا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ یہ شخص کون تھا اور کہاں سے آیا۔ جب اسی حالت میں ایک سال گزر گیا تو میں نے دیکھا کہ اسی وقت اور اسی مقام پر رات کے وقت وہی شخص آیا اور مجھے ساتھ لے لیا اور گزشتہ سال کی طرح مجھے اُن اُن مقامات سے گزارتا گیا۔ جب وُہ جدا ہونے لگا تو میں نے اسے قسم دی کہ اپنا نام و پتہ تو بتا جاؤ۔ اس نے کہا: میرا نام محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر امام ہے۔ صبح ہوئی تو میں نے بعض لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا۔ رفتہ رفتہ یہ واقعہ حاکم وقت نے بھی سنا اور مجھے دعوت نبوت کے الزام میں قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ دراصل میں غلطی پر ہُوں کہ رازدارانِ خدا کے رازوں کو افشا کرنے کا مرتکب ہوا ہوں یہ بات سن کر میرے دل میں بڑا رحم پیدا ہُوا اور میں نے حاکمِ وقت کو ایک سفارشی رقعہ لکھا۔ اس نے لکھا کہ جو شخص ایک رات میں کوفہ سے مدینہ اور مدینہ سے بیت اللہ ہو کر واپس آیا ہے اسے کہیں کہ وہی لوگ اسے قید و بند سے بھی نجات دلا دیں۔ مجھے اس تحریر سے بڑا دکھ ہُوا اور میں مغموم ہو کر اٹھ کر چلا آیا تاکہ اسے رقعہ کے جواب سے آگاہ کروں۔ میں جیل کے دروازے پر پہنچا تو تمام پہرہ دار اور سپاہی پریشان نظر آئے۔ میں نے پُوچھا تو معلوم ہُوا کہ دعویٰ نبوت کرنے والا قیدی گم ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں چل رہا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اٹھا لیا۔

آپ نے وفات سے تیس ماہ پہلے اپنی وفات کی تاریخ کا اعلان کر دیا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ فلاں نیک انسان نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور آپ کے جسم کے کپڑے مانگے ہیں تاکہ اپنا کفن بنا سکے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب وُہ شخص میرے کپڑوں کے کفن سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ اگرچہ امام کی اس بات سے وُہ شخص کچھ نہ سمجھا مگر اس نے اس شہر میں پہنچ کر سُنا کہ وُہ نیک آدمی کئی دن سے واصلِ بحق ہو چکا ہے اور اسے دفن کر دیا گیا ہے۔

آپ کے احباب میں سے ایک شخص سفر کی تیاری میں مشغول تھا اور آپ کے پاس سلام الوداع کہنے آیا۔ آپ نے فرمایا، آج جانے کا دن نہیں ہے اس لیے آج ٹھہر جاؤ۔ وُہ اپنے شہر سے روانہ ہو کر ایک دوسری جگہ جا ٹھہرا۔ اتفاقاً اس رات ایک سیلاب آیا جس سے وُہ

غرق ہو گیا۔

مامون کی وفات کے بعد جب تیئس ماہ گزرے۔ بتاریخ ششم ماہ ذوالحجہ ۲۲۱ھ معتصم باللہ کے زمانہ اقتدار میں زہرِ ہلاہل کے صدمہ سے فوت ہوئے۔ یہ زہر معتصم باللہ کے حکم سے دیا گیا۔

سالِ وصلش اگر کنی تحقیق   ہست ظاہر ز زاہد صدیق
سالِ ترحیل آں شہ اعظم   ہست مہدی ہادی عالم

۱۹۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد۔ ابو عبد اللہ ہے۔ نام محمد اور احمد بن حنبل تھا آپ ائمہ اربعہ میں سے امام چہارم تھے۔ آپ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ آپ کی ولادت باقوال مختلف ۱۶۴ھ یا ۱۶۵ھ میں ہوئی۔ پہلے قول کو ہم مستند مانتے ہیں۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی تھی۔ ذوالنون مصری، بشر حافی، سری سقطی اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہم آپ کے زمانہ کے بہت بڑے معروف بزرگ تھے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل کی تین خصلتیں ہیں جو مجھے نہیں ملیں۔ اول طلب حلال برائے اہل و عیال۔ ہم طلبِ حلال محض اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ علم درحق میں مشغول ہیں۔ میں صرف بحق مشغول ہوں علم میں نہیں۔ وہ علم کی وجہ سے وارثِ پیغمبر خدا ہیں۔ میں صرف پیرو پیغمبر ہوں۔

آپ کے ایک شاگرد کی والدہ بیمار ہوگئی اور زندگی سے مایوس ہو گئی۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ امام صاحب کے پاس جاؤ اور میرے لیے دعائے شفا طلب کرو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری التجا رد نہیں کریں گے۔ وہ شخص حضرت کے دروازہ پر پہنچا اور آواز دی۔ آپ نے فرمایا، تم کون ہو؟ کہنے لگا، ایک محتاج سائل ہوں جس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس کے لیے دعا شفا کرانے آیا ہوں۔ آپ اٹھے، غسل کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ خادم نے کہا: تم جاؤ! حضرت امام تمہارے کام میں مشغول ہو گئے ہیں۔ جب وہ گھر آیا تو ماں نے بسترِ علالت سے

اٹھ کر دروازہ کھولا اور بیٹے کو خوش آمدید کہا' جیسے پہلے کبھی بیمار نہیں تھی۔

ایک دن امام محمد چشمۂ آب پر وضو کر رہے تھے۔ ایک اور شخص آپ کے اوپر کی طرف بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ ازرہِ تکریم و تعظیم وُہ اٹھا اور نیچے کی طرف آ گیا۔ جب وُہ آدمی فوت ہوا لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے بتایا: حرمتِ امام کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔

امام احمد جب تک بغداد میں رہے بغداد کی روٹی نہیں کھائی۔ کہا کرتے تھے: اس سرزمین کو حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے وقف کر دیا تھا۔ اس کی ساری آمدنی غازیان اسلام کے لیے تھی اور تمام دولت موصل بھیجی جاتی تھی۔ حضرت موصل سے آٹا منگوا لیتے اور اسی آٹے کی روٹی کھاتے۔ آپ کے بیٹے صالح بن احمد ایک سال تک اصفہان کے قاضی رہے۔ زہد و تقویٰ میں معروف تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ اپنے مکان کے سامنے ایک کمرہ بنا رکھا تھا جہاں دن رات بیٹھتے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ کوئی فریادی اگر رات کے وقت بھی آئے، خالی نہ جائے اور انصاف سے محروم نہ رہے۔ وُہ یہ کام محض خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا کرتے تھے۔ عہدۂ قضا سے علیحدہ ہونے کے بعد والدِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک دن حضرت امام حنبل کی روٹی کے لیے صالح کے باورچی خانہ سے خمیر لیا گیا تو روٹی کھانے سے پہلے فرمانے لگے۔ کیا بات ہے آج روٹی سے خیانت کی بُو آ رہی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کے بیٹے صالح سے خمیر حاصل کیا گیا تھا۔ آپ فرمانے لگے وہ ایک سال تک عہدۂ قضا پر فائز رہے ہیں۔ ان کا خمیر میری روٹی کے لائق نہیں۔ میں اس روٹی کو نہیں کھاؤں گا۔ لوگوں نے آپ سے پُوچھا کہ اس روٹی کا کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: دروازے پر رکھ دو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بتا دینا اس روٹی میں خمیر صالح کے گھر کا ہے۔ آٹا امام احمد بن حنبل کا۔ اگر مرضی ہو تو کھا لو ورنہ خیر۔ کہتے ہیں، چالیس دن تک کوئی سوالی نہ آیا اور روٹی پڑی رہی اور سُوکھ گئی۔ آخر کار ملازمین نے وُہ روٹی دریائے دجلہ میں پھینک دی۔ جب آپ نے اس روٹی کے دجلہ بُرد ہونے کی خبر سُنی تو اس دن سے لے کر موت تک دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی۔

عباسی سلطنت میں جب معتزلہ کا غلبہ ہو گیا تو ان لوگوں سے درباری احکام کے پیشِ نظر

امام احمد بن حنبل کو مجبور کیا کہ وُہ بھی قرآن پاک کو مخلوق کہیں۔ جب آپ نے نہ کہا تو آپ کے دونوں ہاتھ کندھے پر باندھ دیئے اور خلیفۂ وقت کے محل کے سامنے لائے۔ خلیفہ کے دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا: حضرت! میں چوری کیا کرتا تھا مجھے ایک دفعہ ہزار ڈنڈے مارے گئے تو میں چوری نہیں مانا تھا۔ آپ بھی ثابت قدم رہیں۔ میں ایک بُرے کام پر صبر کرتا رہا اور رہا ہوگیا۔ آپ حق پر ہیں ثابت قدم رہیئے۔ حضرت امام کے بڑھاپے کے باوجود ننگے بدن پر ایک ہزار تازیانہ برسایا گیا۔ آپ کو کہا گیا کہ جب تک آپ اقرار نہ کریں گے کہ قرآن مخلوق ہے، رہائی نہیں ملے گی۔ آپ نے آخرین دم تک یہ اقرار نہیں کیا۔

خلیفۂ وقت کے سامنے حضرت امام احمد کے جسم پر تازیانے برسائے جارہے تھے، اتفاقاً آپ کا ازار بند کُھل گیا۔ چونکہ آپ کے ہاتھ کندھوں سے بندھے ہُوئے تھے اپنی ازار بند درست نہ کر سکے۔ کوئی ہاتھ غیب سے نمودار ہُوا جس نے آپ کا ازار بند ٹھیک کر دیا۔ خلیفہ نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کو رہا کر دیا گیا مگر آپ اس عقوبت سے واصلِ بحق ہوگئے۔

حضرت امام حنبل عالمِ نزع میں ہاتھ سے اشارہ کر رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے:۔ ابھی نہیں! ابھی نہیں! آپ کے بیٹے نے پوچھا، ابا جان یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بڑا خوفناک وقت ہے تم سوال کر رہے ہو۔ دعا کرتے جاؤ۔ تمام حاضرین جو میرے سرہانے کھڑے ہیں ان میں ایک شیطان بھی ہے وُہ میرے سامنے کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ اپنے سر پر مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ اے احمد! ایمان و جان دونوں مجھ سے سلامت لیے جارہے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں: ابھی نہیں! ابھی نہیں! یعنی جب تک ایک سانس بھی باقی ہے خطرہ باقی ہے۔ جب آپ واصلِ بحق ہوئے، آپ کا جنازہ اٹھا تو سبز مُرغ آسمان سے اترتے دکھائی دیئے اور جنازے پر لوٹتے تھے۔ آپ کا جنازہ دیکھ کر دو ہزار گمراہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ان جامع الکرامات کی وفات بغداد میں بوقت چاشت بروز جمعہ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۴۱ھ (بقولِ دیگر ۲۴۲ھ)، معتزلہ کے ظلم و ستم سے ہُوئی۔ آپ کا مزار پُر انوار بغداد میں ہے اور آپ کی عمر ۹۰ برس کی تھی۔

جنابِ احمد حنبل شہ دیں کہ بود او جامع معقول و منقول

بتولیدش رقم کن قطب احمد ۲۴۲ھ   بترحلیش بگو محبوب و مقبول

۲۰۔ حضرت علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہم

کنیت ابوالحسن، ابوالحسن ثالث، لقب ہادی، عسکری اور نقی مشہور تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ شمانہ، ام الفضل مامون الرشید کی بیٹی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۳۔ رجب ۲۱۲ھ بقول بعضے ۲۱۳ھ ہوئی۔ شواہدالنبوت، سفینۃ الاولیاء اور مخبرالواصلین میں مختلف سال دیئے گئے ہیں۔

حضرت نقی ایک دن رے کے دیہات میں تشریف لے گئے۔ ایک دیہاتی نے آکر عرض کی کہ میرے ذمہ ایک بہت بڑا قرضہ ہے کہ میں اس کے ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ حضرت امام اس کی بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک تمسک تیس ہزار کا لکھ دیا اور اپنی مُہر چسپاں کردی اور اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کل جب میں امراء میں بیٹھا ہوا ہوں لے آنا اور شدید تقاضا کرنا اور بیشک درشت کلامی بھی کرلینا اور اس تدبیر سے تمہارا قرضہ بیباق کرنے میں مدد مل جائے گی۔ دیہاتی نے تمسک تھام لیا اور چلا گیا۔ ایک دن خلیفہ بغداد کو ملنے کے لیے بہت سی مخلوق آئی ہوئی تھی۔ مجلس جمی ہوئی تھی۔ اعرابی آگیا اور تمسک نامہ پیش کیا اور تیس ہزار روپے کا تقاضا کرنے لگا اور سخت توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا رہا۔ حضرت امام نے بڑی نرمی سے اسے ٹالا اور سہولت کے ساتھ ادائیگی کا وعدہ کر لیا۔ خلیفہ نے یہ صورت حال دیکھی۔ تیس ہزار روپیہ خزانے سے منگوا کر حضرت امام کی خدمت میں رکھا اور یوں آپ نے اس دیہاتی کو دے کر روانہ کیا۔

ایک دفعہ خلیفہ متوکل بیمار ہوگیا۔ اس کی ران پر سخت قسم کا پھوڑا نکلا جو کسی دوا سے ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ تمام اطباء اس کے علاج سے بے بس ہوگئے۔ متوکل کی والدہ نے نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا صحت یاب ہوگیا تو اپنے مال کا کچھ حصہ حضرت امام کی خدمت میں بھیجوں گی۔ ایک دن فتح بن خاقان جو متوکل کے مقربین سے تھا کہنے لگا کہ کسی آدمی کو علی بن محمد کی خدمت

میں بھیجا جائے اور اس سے اس موذی مرض میں مدد حاصل کرنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ امام کے پاس کوئی علاج ہو۔ متوکل نے ایک شخص کو حضرت امام کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اطباء کی تشخیص و علاج کے بالکل برعکس کوئی چیز بھیجی اور کہا، اسے گھسا کر پھوڑے پر لگا دیں۔ اللہ کے حکم سے شفا پائے گا۔ اطباء سُن کر مذاق کرنے لگے۔ فتح بن خاقان نے کہا۔ تجربہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس چیز کو لایا گیا اور گھسا کر پھوڑے پر رکھا گیا۔ اسی دن جتنا مواد پھوڑے میں تھا باہر نکل آیا۔ دوسرے روز زخم مندمل ہو گیا۔ اور تیسرے دن غسلِ صحت کر لیا۔ متوکل نے اپنی والدہ کی نذر کے مطابق ایک ہزار دینار کی تھیلی حضرت امام کی خدمت میں بھجوا دی۔ چند دن بعد آپ کے بدخواہوں میں سے ایک نے کہا کہ امام کے پاس تو بہت سا مال و زر ہے اور اپنے گھر میں ایک کثیر دولت دبائے بیٹھے ہیں۔ اسلحہ کی ایک خاصی مقدار موجود ہے۔ اگر اس کا خزانہ اور اسلحہ فوری طور پر ضبط نہ کیا گیا تو چند دنوں میں فساد کا خطرہ ہے جس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ متوکل ڈر گیا اور اپنے خاص آدمی کو بلایا اور کہا آج رات چند واقف کار آدمی لے جا کر کسی حکمت عملی سے امام کے گھر سے تمام خزانہ اور اسلحہ لے آؤ تو بہت سی عنایات حاصل کر لوگے۔

سعید کہتے ہیں کہ میں حسب الارشاد چند آدمی لے کر رات کے اندھیرے میں حضرت امام کے گھر گیا۔ ساتھیوں کو باہر کھڑا کیا اور ایک سیڑھی کے ذریعے اندھیرے صحن میں اترا تو ایک شخص اندر سے پکارا، سعید! اپنی جگہ ٹھہر جاؤ میں شمع روشن کر کے لاتا ہوں تمہیں ساری چیزیں تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ جب شمع جلی تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام پشمین کپڑے پہنے مصلے پر قبلہ رو بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرا گھر تمہارے سامنے ہے، جس چیز کی ضرورت ہو اٹھا لو۔ سعید کہتے ہیں، میں نے سارا مکان چھان مارا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ سوائے ایک تھیلی کے جس میں ایک ہزار دینار پڑے تھے اور اس پر خلیفہ کی والدہ کی مُہر لگی ہوئی تھی۔ تھیلی ابھی تک بند پڑی تھی۔ ایک پرانی تلوار جو آپ نے مصلے کے نیچے رکھی تھی دونوں چیزوں کو اٹھا کر میں خلیفہ کے پاس پہنچا۔ متوکل نے اپنی والدہ سے اس تھیلی کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے یہ نذرانہ بھیجا تھا کیونکہ میں نے تمہاری بیماری پر یہ نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا، ایک تھیلی اور بھی امام کے ہاں بھیج دی جائے۔ اور تلوار بھی امام کو لوٹا دی۔

سعید کہتے ہیں، جب میں دونوں تھیلیاں اور تلوار لے کر آپ کی خدمت میں دوبارہ گیا چونکہ میں نادم تھا، میں نے آپ کے پاؤں چوم کر کہا: رات میں اس نیت سے آپ کے گھر بلا اجازت آیا تھا کیونکہ مجھے حکم سے سرتابی نہیں تھی۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا: سیعلمو ا الذین ظلموا۔

جب متوکل نے حضرت امام کو مدینہ سے عراق طلب کیا۔ آپ راستہ میں ایک جگہ قیام پذیر ہوئے۔ یہ مقام بڑی ویران اور ناپسندیدہ جگہ تھی۔ ایک دن امام صالح ابن سعید کے احباب میں سے ایک صاحب خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا ابن رسول اللہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ نامراد عراقیوں کا لشکر ہمیشہ ہر کام میں خفیہ طور پر آپ کی مخالفت کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اس پُر آشوب مقام پر انہوں نے آپ کو ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن سعید! تم ابھی اسی مقام پر رہو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھو اور آپ نے فرمایا: نظر اٹھا کر چاروں طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو دُور دُور تک خوش مناظر باغ، نہریں اور بلند و بالا محلات نظر آئے۔ مجھے یہ منظر بہشت سے کم نہ تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے فرمایا، حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں اسی طرح باغ و بہار مہک اُٹھتے ہیں۔ ان وحشتناک مقامات سے ہمیں کبھی وحشت نہیں آتی۔

ایک شخص نے کوفہ کے قاضی کے خلاف حضرت امام کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، دو ماہ تک صبر کرو۔ جب دو ماہ گزرے تو قاضی فوت ہو گئے۔

متوکل نے اپنے گھر میں ہر قسم کے پرندے جمع کر رکھے تھے۔ ان کے شور و غل سے بات سنی نہیں جاتی تھی۔ جب امام وہاں تشریف لے جاتے تمام پرندے خاموش ہو جاتے تھے۔ جب تک بیٹھے رہتے کسی جانور کی آواز نہ آتی تھی۔

ہندوستان کا ایک شعبدہ باز متوکل کے دربار میں آیا اور عجیب و غریب شعبدے دکھانے لگا۔ ایک دن متوکل نے شعبدہ باز کو کہا، اگر تم اپنے شعبدہ سے علی نقی کو شرمندہ کر دکھاؤ تو میں تمہیں ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔ وہ کہنے لگا، مجھے مجلس میں امام کے بالکل قریب بٹھا دینا، میں اسے شرمندہ کر دوں گا۔ جب مجلس لگی تو حضرت امام کو اس شعبدہ باز کے ساتھ ہی

کھانا کھانے کو کہا گیا۔ جب امام اور دوسرے اہل مجلس کھانا کھانے لگے تو امام نے جس روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ اڑ کر دوسرے شخص کی طرف چلی گئی۔ دوسری بار ہاتھ بڑھایا تو پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ اہل مجلس اس شعبدے سے بڑے محظوظ ہوئے اور حضرت امام پر ہنسنے لگے۔ آپ نے معلوم کر لیا کہ اس شعبدے کا مقام یہاں ہے، جو شخص میرے پاس بیٹھا ہے آپ نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس مکان کی دیوار پر ایک شیر کی تصویر نقش ہے۔ آپ نے اس شیر کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس دشمن اہل بیت کو پکڑ لو۔ حکم سنتے ہی شیر اصلی شیر کی طرح اٹھا اور شعبدہ باز کا ایک لقمہ کر کے پھر دیوار پر نقش بن گیا۔ متوکل نے بڑی کوشش کی کہ اسے لوٹا دیا جائے مگر آپ نے ایک نہ مانی۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ غصے کے عالم میں مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔

ایک دفعہ کسی امیر کے بیٹے کی دعوتِ ولیمہ پر بغداد کے تمام امرا جمع تھے، امام بھی وہاں ہی تشریف فرما تھے۔ ایک بے ادب آدمی مجلس میں بیٹھا بڑی بے ہودہ گفتگو کر رہا تھا اور آپ کا حقِ ادب بھی سامنے نہیں رکھتا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا: تم کس بات پر ہنسے جا رہے ہو حالانکہ تین دن کے بعد تم قبر میں ہو گے۔ وہ شخص اسی دن بیمار ہوا اور تیسرے دن مر گیا۔

ایک دن حضرت امام عباسیوں کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص گستاخانہ گفتگو کرتے کرتے حد سے تجاوز کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کو آج کے کھانے میں ایک لقمہ بھی نصیب نہیں ہو گا۔ اس کے گھر سے ایک ایسی خبر آنے والی ہے کہ اس کی زندگی حرام ہو جائے گی۔ جب اس شخص نے کھانا کھانے کے لیے ہاتھ دھوئے تو اس کا غلام آہ و فغاں کرتا ہوا اندر آیا اور کہنے لگا، تمہاری ماں کوٹھے سے گر گئی ہے اور وہ حالتِ نزع میں ہے۔ وہ زندگی میں تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتی ہے۔ مجبوراً کھانا کھائے بغیر بھاگ گیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات مستنصر باللہ خلیفہ بغداد کے دورِ خلافت میں ہوئی اور بمقام سر من رائے جو بغداد کے قریب ہی ہے، مدفون ہوئے۔ آپ بروز پیر آخر ماہ جمادی الآخر ۲۵۴ھ کو فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس یا اکتالیس سال تھی۔ آپ کا

عالیشان مقبرہ سرمن رائے میں ہے۔

سالِ تولید آں شہِ ذیجاہ | کن رقم عالم ولی اللہ
نیز تاریخ رحلتِ آں شاہ | ہست سید ولی حق آگاہ
سالِ وصلش خرد ز دل پرسید | گشت ظاہر ولی بجنب شفید

۲۱۔ حضرت حسن بن علی بن محمد بن علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد، لقب زکی، خالص، سراج اور عسکری تھا۔ آپ کی والدہ کا نام سوسن تھا۔ وہ ائمہ عشرہ کے گیارھویں امام تھے۔ ولادت مدینہ منورہ میں ۲۳۰ھ اور بقولِ دیگر ۲۳۲ھ میں ہوئی۔ آپ صرف ۲۹ سال زندہ رہے۔

محمد بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ جعفر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معیشت بڑی مشکل ہوگئی۔ میرے باپ نے مجھے کہا کہ آؤ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں۔ وہ کرم و سخا میں بڑے مشہور ہیں۔ وہ گھر سے نکل کر حضرت کی انتظار میں راستے میں کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: اگر امام مجھے پانسو درہم دے دیں تو دو سو روپے کے کپڑے بنا لوں گا۔ ایک سو کا آٹا خرید لوں گا۔ ایک سو روپیہ سے متفرق اشیا خرید لوں گا۔ ایک سو روپیہ سے خچر خرید کر کوہستان کے علاقہ میں چلا جاؤں گا۔ امام صاحب کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو خود ہی امام کے دروازے پر جا پہنچے اور کسی سے گفتگو کئے بغیر دروازے کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ اسی اثنا میں آپ کا ایک خادم باہر آیا اور کہنے لگا کہ علی ابن ابراہیم اور ان کے صاحبزادے اگر باہر ہوں تو اندر آجائیں۔ ہم اندر گئے اور سلام کہا۔ آپ نے پوچھا: علی! بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے اور اتنی مدت ہوئی تمہیں ہمارے پاس آنے کو کون سی چیز مانع تھی۔ میں نے بتایا کہ سید سے شرم آتی تھی کہ اس تنگ دستی میں آپ کے پاس آتا۔ ملاقات کے بعد ہم اٹھے اور باہر نکلے ہی تھے کہ آپ کا ایک خادم پیچھے سے آیا اور پانسو روپیہ کی تھیلی ہمیں دے کر کہا۔ دو سو کے کپڑے بنا لینا۔ ایک سو کا آٹا، ایک سو کے مختلف اخراجات اور ایک سو کا خچر خرید لینا تاکہ کوہستان جانے میں آسانی ہو لیکن

حضرت امام نے فرمایا کہ کوہستان نہ جانا بلکہ فلاں جگہ جانا تاکہ وہاں زیادہ فائدہ ہو۔ میں حضرت کے حکم کے مطابق وہاں ہی گیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا ہے کہ ایک بار میں بڑی تنگ دستی میں مبتلا ہو گیا۔ میں حضرت حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ آپ کے ہاتھ میں تازیانہ تھا۔ میری داستان سنتے ہی زمین کو کوٹنے لگے اور پانصد کی ایک تھیلی نکال لی اور مجھے عنایت کر دی۔

ایک اور شخص نے بتایا کہ میں خلفائے عباسیہ کے زمانے میں ناحق قید میں پڑا تھا۔ میں قید و بند کی صعوبتوں سے تنگ آ گیا۔ میں ناچار ہو کر حضرت امام کے پاس شکایت لکھی۔ میں نے چاہا کہ اپنی تنگ دستی کی داستان بھی لکھوں لیکن مجھے شرم آئی اور میں نے نہ لکھا۔ آپ نے میرے جواب میں تحریر کیا آج تم ظہر کی نماز اپنے گھر پڑھو گے۔ چنانچہ ظہر سے پہلے ہی مجھے قید خانے سے رہا کر دیا گیا۔ میں گھر گیا، نماز پڑھی ہی تھی کہ مجھے حضرت امام کا ایک خادم آتا دکھائی دیا۔ میں استقبال کو آگے بڑھا۔ اس نے مجھے ایک تھیلی اور رقعہ دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ تم نے شرماتے ہوئے مجھے کچھ نہ لکھا۔ یہ روپے لے لو، خرچ کرو اور پھر ضرورت ہو تو لکھنا۔

ایک اور آدمی نے بیان کیا کہ میرا والد حضرت امام عسکری کے گھوڑوں کا علاج کیا کرتا تھا اسی زمانہ میں خلیفہ کے اصطبل کے گھوڑوں میں ایک ایسا گھوڑا تھا جو کسی کے تابع نہیں ہوتا تھا۔ اس کے منہ میں لگام نہیں ڈالی جا سکتی تھی چہ جائیکہ اس پر کوئی سوار ہو۔ چند سواروں نے اس پر سواری کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر ایک شخص جو دلی طور پر اہلبیت سے بغض رکھتا تھا، کہنے لگا، امام حسن عسکری کو کہو کہ اس پر سواری کرے اور اس کو اپنا تابع کرے۔ اس کام میں دو فائدے ہوں گے۔ اگر گھوڑا مطیع ہو گیا تو بہتر ورنہ حسن عسکری کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑیگا۔ پھر بھی ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا اور آپ اہلبیت کے خطرے سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت امام کو طلب کیا گیا۔ جب آپ محل میں پہنچے تو وہ بدفطرت دشمن اہلبیت منافقانہ استقبال کو بڑھا اور اپنے پاس لے آیا اور گھوڑے کو صحن خانہ میں منگوا کر حضرت امام کو کہا: اس کے منہ میں لگام دیجئے۔ آپ اٹھے اور اس سرکش گھوڑے کے پاس جا کر اس کی پشت پر تھپکی دی۔ گھوڑے کے

جسم سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ آپ نے اس کے منہ میں لگام دی اور اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھے۔ اگرچہ وہ شرارت پسند درباری آپ کے کمال سے واقف ہو گیا تھا تاہم کہنے لگا۔ آپ اس پر زین رکھ کر دکھائیں۔ آپ اٹھے، زین گھوڑے پر رکھی اور واپس آ گئے۔ اس کے باوجود وہ دشمنِ اہلبیت راضی نہ ہوا۔ اب آپ کو سواری کرنے کی فرمایش کر دی اور چند قدم چلانے کا بھی کہا۔ حضرت امام نے میرے والد کو حکم دیا کہ اس پر سوار ہو کر صحن میں چند قدم چلاؤ مگر اس شخص نے کہا کہ حضور آپ خود تکلیف فرمائیں۔ حضرت امام اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے اور صحن میں چلانے لگے۔ اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ گھوڑے نے کوئی سرکشی نہ کی۔ لوگوں نے پوچھا گھوڑا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: بڑا اصیل اور خوش رفتار ہے۔ اس سے اچھا گھوڑا میرے دیکھنے میں نہیں آیا اور پھر وہ شخص کہنے لگا: یہ گھوڑا تو آپ کے لائق ہے۔ حضرت امام نے میرے والد کو فرمایا: گھوڑا میرے گھر لے چلو۔ میرا باپ سوار ہو کر آیا اور گھوڑا گھر باندھ لیا۔ اس دن کے بعد گھوڑے نے کبھی سرکشی نہ کی۔

ایک دفعہ ایک شخص نے بتایا کہ میں نے چند مسائل کے حل کرنے کے لیے حضرت امام کو رقعہ لکھا اور دل میں کہا کہ سر کے چوتھے حصے کا درد بھی ہے لیکن اسے میں رقعہ میں لکھنا بھول گیا۔ حضرت نے میرے خط کے تمام مسائل کا حل لکھا اور ساتھ ہی لکھا کہ تم سر کے چوتھے حصے کے درد کا علاج پوچھنا بھول گئے ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ لکھ کر صاحبِ درد کے گلے میں ڈال دینا، اِن شاء اللہ درد دفع ہو جائے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور بیمار شفایاب ہو گیا۔

ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت امام کی خدمت میں ایک خط لکھا اور پوچھا: "مشکوٰۃ" کے معنی کیا ہیں؟ میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے التجائے دعا کی اور ہونے والے بچے کا نام بھی دریافت کیا۔ آپ نے میرے خط کے جواب میں تحریر کیا کہ مشکوٰۃ قلبِ رسول پاک ہے لیکن میرے بیٹے یا بیوی کے متعلق کچھ نہ لکھا سوائے اس عبارت کے جو رقعہ کے آخر میں لکھی تھی اعظم اللہ اجرك داخلف علیك۔ چنانچہ میری بیوی کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد جب دوسری بار حاملہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بچہ دیا۔

حضرت امام کی وفات بمقام سرمن رائے بروز جمعہ ششم یا ہفتم ربیع الاول ۲۶۰ھ کو ہوئی۔ آپکو حاکم بغداد کے اشارے سے معاندین اہلبیت نے کھانے میں زہر دے دیا اور آپ نے شہادت پائی۔

سالِ ترحیل آں شہِ مظلوم — گشت پیدا ز سید مسموم
باد برجانش تا بروز قیام — صد درود و سلام و اکرام

۲۲۔ حضرت محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہم

کنیت ابوالقاسم۔ لقب مہدی، حجۃ اللہ، قائم ومنتظر، صاحب الزماں اور خاتم الائمہ اثنا عشر تھے۔ علمائے اہل سنت وجماعت اور محقق تذکرہ نگاروں کے نزدیک آپ کی ولادت سرمن رائے میں بتاریخ ۱۲۔ ماہ رمضان ۲۵۸ھ ہوئی۔ دوسری روایت میں ۱۱۔ شعبان بوقت صبح ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام صقیل، مومن، نرجس تھا۔ حضرت حسن عسکری کی پھوپھی نے یہ روایت کی ہے کہ ایک دن میں حضرت حسن عسکری کے پاس بیٹھی تھی۔ آپ نے کہا، عمہ محترمہ آج رات میرے پاس ہی ٹھہریئے اللہ تعالیٰ آج ہمیں ایک لڑکا دے گا۔ میں نے کہا، بیٹا! لڑکا کس سے ہونا ہے۔ نرجس کے تو حمل کے آثار نہیں ہیں۔ حضرت عسکری نے فرمایا، نرجس بھی حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرح ہے، وہ ولادت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں حسب الارشاد رات ٹھہری۔ رات کا کافی حصہ گزرا تو میں اُٹھی اور نمازِ تہجد ادا کرنے لگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ صبح ہونے کو ہے مگر امام کی بات سچی نہیں ہوئی۔ اتنے میں حضرت امام کی آواز آئی: عمہ محترمہ! جلدی نہ کرو۔ میں اٹھی اور نرجس کے کمرے کی طرف بڑھی تو انہیں اپنی طرف آتے دیکھا اور وہ کانپ رہی تھیں۔ میں نے انہیں سہارا دیا اور قل ہو اللہ، انا انزلنا اور آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کیا۔ اس کے بعد میں نے سنا کہ جو کچھ میں نے پڑھا تھا وہ بچہ بھی وہی الفاظ پڑھ رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی سارا کمرہ روشن ہوگیا اور یہ خوش بخت بچہ پیدا ہوا اور آتے ہی سجدہ ریز ہوگیا۔ میں نے اسے اٹھالیا۔ حضرت امام عسکری نے اپنے حجرے سے آواز دی کہ میرے بچے کو میرے پاس لے آؤ۔ میں لے گئی۔ آپ نے اسے بغل میں لے لیا اور اپنی زبان بچے کے منہ میں ڈال دی اور فرمایا، اے

بیٹا! اللہ کے حکم سے گفتگو کرو۔ چنانچہ بچے نے برملا کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔

پھر میں نے دیکھا کہ آسمان سے پرندے نیچے اتر رہے ہیں۔ حضرت امام نے ایک پرندے کو بلایا اور کہا: خذہ واحفظہ حتی یاذن اللہ منہ فان اللہ بالغ امرہ۔ امام نے پوچھا کہ ایک پرندہ سبز تھا اور دوسری مرغیاں ہیں۔ یہ سبز پرندہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور دوسرے رحمت کے فرشتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے پھوپھی! اس بچے کو اس کی والدہ کے حوالے کر دو۔ تقر عینھا ولا تحزن ولتعلم ان وعد اللہ حقٌ ولکن اکثرھم لا یعلمون ۔ میں نے بچے کو اس کی والدہ کو دے دیا۔

حضرت مہدی پیدائش کے وقت ہی ناف زدہ تھے اور ختنہ شدہ تھے اور ان کے دائیں بازو پر یہ آیت کریمہ لکھی جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ ولادت کے بعد آپ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور انگشتِ شہادت اٹھائی اور ایک چھینک ماری اور کہا اَلحمدُ للہ رب العٰلمین۔

شواہد النبوت کے مصنف نے ایک روایت لکھی ہے کہ میں امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کے بعد کون جانشین ہوگا اور امام و خلیفہ کون ہوگا۔ آپ اندر گئے اور ایک بچے کو اٹھا لائے جو حسن و خوبی میں چودھویں کا چاند تھا اور اس کی عمر ابھی تک تین سال تھی اور آپ نے کہا اگر تم خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں عزیز نہ ہوتے تو یہ بچہ میں تمہیں کبھی نہ دکھاتا۔ اس کا نام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہے اور اس کی کنیت بھی وہی ہے۔

ایک اور شخص کی روایت ہے، میں امام عسکری رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حاضر ہوا۔ مجھے آپ کے دائیں ہاتھ ایک چھوٹا سا کمرہ دکھائی دیا جس کے دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ میں نے پوچھا، یا حضرت! آپ کے بعد صاحبِ امر کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اس کمرے میں ہے۔ اتنے میں ایک روشن چہرہ اور خوب صورت بچہ پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے گورے چہرے پر ایک خالِ سیاہ تھا اور دونوں طرف کالی زلفیں لٹک رہی تھیں۔ وہ آتے ہی حضرت امام کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ ہے وہ سید جو میرے بعد تمہارا امام ہوگا۔ چند لمحوں کے بعد

وہ بچہ اٹھا اور پردے کے پیچھے چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: یابنی ادخل علی الوقت المعلوم۔ اور پھر آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ جاؤ اور جا کر دیکھو پردے کے پیچھے کون ہے۔ میں پردہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

ایک اور شخص کی روایت ہے کہ جس دن حضرت حسن عسکری نے وفات پائی۔ فرمانروائے بغداد خلیفہ معتضد نے مجھے دوسرے دو شخصوں کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور کہا: حسن عسکری سرمن رائے میں وفات پا گئے ہیں۔ جلدی جاؤ اور اس کے گھر کی تلاشی لو۔ جو بھی اس کے گھر میں موجود ہے میرے پاس لے آؤ۔ ہم اٹھ کر اُن کے گھر گئے۔ ہم نے دیکھا کہ اندر ایک دریا پر از آب ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پانی پر ایک کشتی ہے اور اس پر ایک حسین وجمیل آدمی نماز ادا کر رہا ہے۔ اس نے ہماری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ میرے پاس جو آدمی بیٹھے تھے انہوں نے چاہا کہ ان کے پاس جائیں وہ پانی میں کود پڑے اور پانی میں غوطے کھانے لگے۔ وہ ڈوبنے ہی والے تھے میں نے ہاتھ پکڑا اور پانی سے باہر نکال لیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے پانی میں پاؤں رکھا اور چاہتا تھا کہ اس کے پاس پہنچے مگر وہ بھی ڈوبنے لگا۔ وہ قریب المرگ تھا کہ میں نے ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ میں حیران تھا اور پکار کر کہا کہ اے صاحب خانہ! میں آپ سے اور خدا سے معافی کا خواستگار ہوں ہم نہیں جانتے تھے کہ کیا حال ہے۔ جو کچھ ہم نے کیا اس سے واپس آتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ اگرچہ میں نے اس قسم کی باتیں کیں مگر وہ متوجہ نہ ہوئے۔ ہم ناچار واپس آ گئے اور معتضد خلیفہ بغداد کے پاس پہنچ گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا۔ اس نے کہا: اس راز کو پوشیدہ رکھنا ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

واضح ہو کہ حضرت امام مہدی کے غائب ہونے اور وفات پانے کے معاملے میں اہلسنت و جماعت کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل مولٰینا جامی نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں دی ہے۔ جامع الاصول میں بھی ایسا ہی مفصل بیان ہے۔ مختصر یہ کہ علمائے اہل سنت امام مہدی کو مہدی آخرالزماں نہیں مانتے۔ وہ آپ کی وفات جو ۲۶۶ھ میں واقع ہوئی اس کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں مہدی آخرالزماں موسوم بہ اسم محمد بن عبداللہ حضرت عیسٰی کے نزول آسمان سے پہلے خانۂ سادات میں پیدا ہوں گے مگر شیعوں کا فرقہ امامیہ حضرت مہدی کو مہدی

آخرالزماں تصور کرتا ہے اوران کے غائب ہوجانے کے معتقد ہیں۔ وُہ کہتے ہیں، حضرت امام محمد بن حسن کو خضر علیہ السلام کی طرح عمر جاوید ملی ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ جاننا بڑا ضروری ہے کہ فضیلت وکمال ولایت اور کرامت حضرات اہلبیت کو صرف انہی بارہ حضرات تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ ان حضرات کے فضائل وکمالات کی بڑی شہرت ہے کیونکہ اہلبیت کی فضیلت، طبقات ائمہ اوران کے ممدوحین میں پائی جاتی ہے۔ متاخرین نے بھی ان حضرات کے فضائل وکمالات کا اعتراف کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کے فضائل سے پُر ہیں لیکن ایسے کمالات دوسرے بزرگانِ ملت جناب غوث الاعظم اور حضرت ابراہیم علوی وغیرہما میں بھی پائے جاتے ہیں۔

آپ کا سنِ وفات یا سال غیبت مختلف اقوال کی روشنی میں دوسو چونسٹھ ۲۶۴ھ ہے۔ بعض نے ۲۶۵ھ بھی لکھا ہے اور بعض تذکروں میں ۲۶۶ھ بھی آیا ہے۔ ہمارے نزدیک آخرین قول ہی زیادہ صحیح اور مستند ہے۔

گر تو تاریخ غیبتش جوئی !! یوسف حق چرا نہ می گوئی
باز تاریخ آں ولی والی !! گفت سرور ولی حق عالی

۲۴۔ حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرّہٗ

معروف نام۔ ابومحفوظ کنیت۔ والد کا نام فیروز یا فیروزان یا علی الکرخی تھا۔ مضافات بغداد کے ایک گاؤں کرخ کے رہنے والے تھے۔ پہلے اپنے والدین کے مذہب ترسا پر تھے۔ ترسا رومی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا اطلاق نصارا و آتش پرست دونوں پر ہوتا ہے۔ حضرت علی رضا[1] امام ہشتم ائمہ اثنائے عشریہ بن امام موسیٰ کاظم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت امام کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ امام صاحب نے بھی ان کی ظاہری و باطنی تربیت اسی طرح پر کی کہ امامِ طریقت اور مقتدائے حقیقت ہو کر دین و دنیا دونوں میں معروف و موصوف ہو گئے۔ علومِ ظاہری حضرت امام اعظم[2] ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے تھے۔ طریقت میں حضرت حبیب راعی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔

---

[1] نام علی بن موسیٰ کاظم۔ کنیت ابوالحسن اور لقب رضا ہے۔ والدہ کا نام تحفہ، اشمانہ یا ام البنین بیان کیا جاتا ہے جو امام موسیٰ کاظم کی والدہ حمیدہ کی لونڈی تھیں۔ صاحب علم و فضل تھے۔ مامون رشید نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کرکے انہیں اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا جس پر خاندانِ عباسیہ کے افراد سخت برہم ہوئے اور اسے فضل بن سہل وزیر مامون کی سازش سمجھا گیا کہ اس طرح خلافت کو بنو عباس سے آلِ علی کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے۔ مامون نے حالات کو سازگار نہ پاکر ان کی ولی عہدی کو منسوخ کر دیا۔ آپ نے ۹ رمضان ۲۰۳ھ میں طوس کے قریب بمقام سناباد میں وفات پائی جو اب مشہد کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ امام صاحب کو مامون رشید نے انگوروں میں زہر دیا تھا لیکن بعض مورخ اس کی تائید نہیں کرتے بلکہ اسے مامون پر تہمت قرار دیتے ہیں۔

[2] نعمان بن ثابت نام۔ ابوحنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب۔ آپ کا شمار تابعین سے ہے۔ متعدد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن حرث۔ معقل بن یسار۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم نے آپ سے روایت کی ہے۔ حضرت فضیل، عیاض، ابراہیم ادہم۔ بشر حافی،

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت فریدالدین عطار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں جب اِن کے والد انہیں استاد کے پاس لائے تو استاد نے کہا "کہو ثالث ثلاثہ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرف اشارہ تھا۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ اللہ ایک ہے۔ استاد نے غصے میں آکر ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس پر آپ مکتب سے بھاگ گئے۔ اِن کے والدین کو بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگے کہ خدا کرے معروف واپس آجائے خواہ کسی مذہب پر آئے ہم اس کی موافقت کریں گے۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد معروف گھر آئے۔ دروازے پر دستک دی۔ والدین نے اندر سے آواز دی کون ہے؟ کہا معروف۔ کہا کس دین پہ آئے ہو؟ کہا دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم پر۔ والدین نے موافقت کی اور حضرت امام علی رضا کی خدمت میں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ امام صاحب نے اپنے نام پر اِن کے باپ کا نام رکھا۔

ایک روز حضرت معروف بازار سے گزر رہے تھے کہ شراب خواروں کی ایک جماعت سے اِن کا آمنا سامنا ہو گیا۔ یہ شیخ سے گستاخانہ پیش آئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے اِن کے

(بقیہ حاشیہ صلا۱۲۶)

داؤد طائی رحمہم اللہ اور حضرت امام ابویوسف اور امام محمد آپ کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ آپ ائمہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ سے امام اول ہیں۔ علم و عمل زہد و تقویٰ اور حق گوئی میں بے نظیر و بے عدیل تھے۔ علومِ قرآن و حدیث و فقہ کے عظیم المرتبت مجتہد تھے۔ تحقیقِ حدیث و استخراجِ مسائل میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے خداداد اجتہاد سے فقہ اسلام کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ صدیوں تک اسلامی ممالک کا آئین سلطنت رہا۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

لہ حضرت شیخ مجد الدین بغدادی المتوفیٰ ۶۱۶ھ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے وقت کے جیّد عالم و فاضل اور شاعر تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی المتوفی ۸۹۸ھ اپنی تصنیف نفحات الانس میں لکھتے ہیں: "گروہِ صوفیا میں سے کسی نے اپنے کلام میں اسرارِ توحید اور حقائق و معارف اس قدر بیان نہیں کئے جس قدر شیخ عطار نے بیان کئے ہیں۔" آپ کئی ایک بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے تذکرۃ الاولیاء اور منطق الطیر زیادہ مشہور ہیں۔

حق میں بد دعا کی درخواست کی تاکہ یہ بداعمال اپنے کئے کی سزا پائیں۔ شیخ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی۔ یا الٰہی جس طرح تُو نے اس گروہ کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح عاقبت میں بھی انھیں خوشحال رکھ۔ دُعا قبول ہُوئی۔ شراب خواروں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ لرزتے، کانپتے اور گرتے پڑتے خدمتِ شیخ میں تائب ہُوئے اور اپنے کئے پر معذرت چاہی۔ اس پر شیخ نے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھا جہاں میری دعا سے خیر سے ہم سب اِن کے رنج و آزار سے آزاد ہو گئے وہاں یہ شراب خواری کی آفت سے نجات پا گئے۔ گویا دونوں فریق اپنی اپنی مراد پا گئے۔ آپ کے خالو قصبۂ کرخ کے حاکم تھے۔ ایک روز انھوں نے دیکھا کہ شیخ معروف ایک ویرانے میں بیٹھے روٹی کھا رہے ہیں۔ ایک کُتا سامنے بیٹھا ہے۔ ایک لقمہ اپنے مُنہ میں ڈالتے ہیں اور دُوسرا کُتے کے منہ میں۔ یہ دیکھ کر خالو نے کہا۔ معروف تجھے شرم نہیں آتی کُتے کے ساتھ بیٹھا روٹی کھا رہا ہے۔ آپ نے کہا مجھے خدا سے شرم آتی ہے اس لئے ایک لقمہ خود کھاتا ہُوں اور دُوسرا کُتے کو کھلاتا ہوں۔ اس عمل سے مجھے وُہ حکومت حاصل ہے جو تجھے میسر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر سر اٹھایا اور ایک اڑتے ہُوئے پرندے کو بُلایا۔ پرندہ آکر آپ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا اور اپنے سر و چشم کو پروں میں ڈھانپ لیا۔ شیخ نے خالُو سے مخاطب ہو کر فرمایا: دیکھا جو اللہ تعالیٰ سے شرم کرتا ہے تمام دنیا اس سے شرم کرتی ہے۔

ایک روز شیخ معروف دریائے دجلہ کے کنارے کے قریب بیٹھے ہُوئے تھے کہ شیخ کو وضو کی حاجت ہو گئی۔ اس وقت وہیں بیٹھے بیٹھے تیمم کر لیا۔ پھر وضو کے ارادے سے اُٹھے۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ جب دریا چند قدموں کے فاصلے پر تھا تو تیمم کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا: مجھے اس دنیائے ناپائدار میں زندگی کی اُمید دم بھر کے لئے بھی نہیں ہے۔ تیمم کرنے کا یہی سبب تھا کہ اگر دریا پر پہنچنے سے پہلے ملک الموت میری رُوح قبض کر لے تو حالتِ حدث میں نہ مروں۔

وفات سے چند روز پہلے حضرت امام رضا کی ملاقات کے لئے گئے۔ دربانوں نے اندر نہ جانے دیا۔ جب اصرار پر نوبت پہنچی تو پاسبانوں نے شیخ کو زدوکوب کیا جس سے جسم پر شدید ضربات آئیں اور پسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ یہی صدمہ آپ کی وفات کا باعث ہوا۔

وفات کے وقت شیخ سری سقطی حاضرِ خدمت تھے۔ کہا: مجھے نصیحت و وصیت فرمائیے۔ فرمایا: جب میں مروں تو میرا کُرتہ صدقے میں دے دینا تاکہ دنیا سے برہنہ جاؤں کیونکہ بطنِ مادر سے برہنہ ہی پیدا ہوا تھا۔

جب وفات پائی تو یہود و نصارا دعویٰ کرنے لگے کہ شیخ ہمارے مذہب پر تھے۔ مسلمانوں نے تردید کی۔ نزاع بڑھی۔ خدام کہنے لگے ہمارے شیخ کی وصیت تو یہ ہے کہ جو ہمارا جنازہ زمین سے اٹھائے گا ہم اسی سے ہیں۔ اس پر یہود و نصارا نے باری باری جنازہ اٹھانے کی کوشش کی مگر اٹھا نہ سکے۔ پھر مسلمان آئے انہوں نے جنازہ اٹھایا اور جس جگہ شیخ نے وفات پائی تھی وہیں دفن کیا۔ شیخ معروف تجرید و تفرید اور بے سروسامانی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ[1] صاحبِ کشف المحجوب لکھتے ہیں: "شیخ معروف کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ علوم میں قوم کے مقتدا اور امام ہیں۔"

---

[1] غزنی کے ایک محلہ ہجویر میں پیدا ہوئے تھے۔ والد کا نام عثمان بن ابی علی الجلابی تھا۔ مختلف شہروں میں علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل کی تھی۔ حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن الختلی المتوفی ۴۵۰ھ کے مرید تھے۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی المتوفی ۴۵۰ھ شیخ ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ شیخ ابوالقاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ھ کے علاوہ اور بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا۔ حنفی المذہب تھے۔ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے عہدِ حکومت میں لاہور تشریف لائے اور اشاعتِ اسلام کا باقاعدہ نظام قائم کیا۔ صبح کو قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے۔ سہ پہر کو مبلّغین کی روحانی تربیت کرتے تھے شام کو اسلام کی خوبیوں پر وعظ فرماتے تھے۔ رات کو ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ تھا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بے شمار ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تصانیف میں سے کشف المحجوب کو قبولِ خاص و عام کی سند حاصل ہوئی ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف پر اوّلیں کتاب ہے اس لئے تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ آپ نے یہ کتاب اپنے ایک رفیق شیخ ابوسعید ہجویری کی فرمائش پر لکھی تھی اس میں خالص اسلامی تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔ تصوف کے اصول کو قرآن و حدیث کی (باقی ص ۱۳۰ پر)

ایک روز شیخ معروف روزہ دار تھے۔ نمازِ عصر کے بعد بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک سقّے نے آواز دی "رحمۃ اللہ من یشرب من ھذا الماء" یعنی اللہ اس پر رحمت کرے جو اس پانی کو پئے۔ شیخ معروف نے یہ آواز سنتے ہی پانی کا پیالہ اٹھا کر پی لیا۔ ساتھیوں نے پوچھا: کیا آپ روزے سے نہ تھے؟ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ لیکن میں دعائے رحمت سن کر پانی پی گیا۔ وفات کے وقت ایک شخص نے شیخ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا: آپ سے خدا نے کیا سلوک کیا۔ فرمایا: سقہ کی اس دعائے رحمت پر مجھے بخش دیا جس نے اس کی طرف ترغیب دی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے: جوانمردوں کی علامت تین چیزیں ہیں۔ ایک وفاداری جس میں بے وفائی کا شائبہ نہ ہو۔ دوسرے ستائشِ بے جود، تیسرے بے مانگے داد و دہش۔

۸۔ محرم ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ بعض مورخ ۲۰۶ھ بیان کرتے ہیں مگر صاحبِ نفحات الانس اور شہزادہ داراشکوہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء پہلے قول ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

قطعہ تاریخ وفات:۔

شیخ معروف پیرِ والیٔ کرخ!!	گشت چوں از جہاں دنیا طاق
زبدۂ اصفیاء است تاریخش	شد عیاں نیز زبدۂ آفاق
صاحبِ عادل است و اہلِ یقیں	باز تاریخِ آں شہِ مشتاق

۲۰۶

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) روشنی میں بیان کیا ہے اور مقاماتِ تصوف کی کیفیت، اہلِ تصوف کے ارشادات، صوفیوں کے مختلف طبقات کے حالات اور معاصر صوفیوں کے رموز و نکات اور ذکر و شغل کے آداب مفصل طور پر لکھے ہیں۔ ابتدائے احوال میں سماع (قوالی) کے شائق تھے۔ پھر توبہ کر لی تھی۔ فرماتے ہیں سماع کی خواہش صرف اسی وقت تک ہے جب تک مشاہدہ کی لذت حاصل نہ ہو۔

فرماتے ہیں، خدا برتر نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا جب انسانوں نے حرص کا نام شریعت، تکبر اور طلبِ جاہ کا نام عزت، ریا کا نام خوفِ خدا، جہالت کا نام علم، مجادلہ کا نام مباحثہ، نفسانیت کا نام محبت، بے دینی کا نام فقر اور ترکِ شرع کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔

۲۴۔ حضرت شیخ سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز

سری نام۔ ابوالحسن کنیت۔ حضرت شیخ معروف کرخی کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقتدائے زماں، شیخِ وقت، صاحبِ علم اور امامِ اہلِ طریقت تھے۔ سب سے پہلے بغداد میں آپ ہی نے بر سرِ منبر حقائقِ توحید بیان کئے۔ عراق و عجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ پیشہ تجارت تھا۔ خوردہ فروشی کی دکان تھی۔ متفرق چیزیں بیچا کرتے تھے۔ اس لئے سقطی مشہور ہو گئے (سقطی خوردہ فروش بساطی متفرق چیزیں بیچنے والے کو کہتے ہیں) دکان بازار میں تھی جس میں پردہ ڈال رکھا تھا۔ ہر روز ایک ہزار رکعت نمازِ نفل ادا کرتے تھے۔ دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لیتے تھے۔ ایک دن ساٹھ دینار کے بادام اکٹھے خرید لئے۔ ساتھ ہی بازار میں باداموں کا بھاؤ چڑھ گیا۔ ایک دلال آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت بادام بیچ ڈالئے۔ فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ میں دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لوں گا۔ دلال نے کہا: میں آپ کے مال کو خسارہ پر نہیں بیچوں گا۔ فرمایا: میں اپنے وعدے کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس پر نہ دلال نے بادام فروخت کئے نہ آپ نے دیئے۔

ایک دفعہ بازار میں آگ لگ گئی۔ جب یہ خبر شیخ نے سُنی تو کہا: مقامِ شکر ہے متاعِ دنیا سے خلاصی پائی۔ جب آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ شیخ کی دکان بچ گئی ہے۔ یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ کہا مسلمان بھائیوں کے ساتھ نقصان میں موافقت کرنا واجبات سے ہے۔ تمام مال راہِ خدا میں درویشوں کو دے دیا۔

ایک روز شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا، آپ کے احوال کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ فرمایا: ایک روز حبیب راعی قدس سرہٗ میری دکان کے سامنے سے گزرے میں نے انہیں کچھ دیا کہ درویشوں میں بانٹ دیجئے۔ انھوں نے کہا اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔ اس روز سے مال میرے لئے بے حقیقت ہو گیا ہے۔ دوسرے روز شیخ معروف کرخی آئے اُن کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا۔ آپ نے فرمایا اِسے کچھ کپڑا دو۔ میں نے اُسے کپڑا دیا۔ فرمایا حق تعالیٰ دنیا کو

تیرے دل کے لئے دشمن کر دے اور تجھے اس شغل سے راحت دے۔ اُسی روز سے میں دنیا و اہلِ دنیا سے فارغ ہو گیا۔

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی کو عبادت میں سری سقطی سے زیادہ کامل نہیں پایا۔ ۹۸ سال کامل گزر گئے کہ زمین پر پہلو تک نہیں رکھا بجز بیماری و مرض الموت کے۔

ایک روز شیخ کی بہن آئی دیکھا کہ گھر میں ہر طرف کوڑا کرکٹ بکھرا پڑا ہے۔ شیخ سے جھاڑو دینے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ دوسرے روز شیخ کی بہن پھر آئی۔ دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت گھر میں جھاڑو دے رہی ہے۔ کہا سبحان اللہ مجھے تو جھاڑو دینے کی اجازت نہ دی مگر اس نامحرم عورت کو دے دی۔ فرمایا اے ہمشیر یہ بوڑھی عورت نہیں ہے۔ یہ دنیا ہے جو میرے عشق میں جلتی تھی اور مجھ سے محروم تھی۔ اب اس نے اللہ تعالیٰ سے چاہا کہ اپنا نصیبہ مجھ سے حاصل کرے اس لئے اسے میرے گھر کی جاروب کشی کا حکم ہوا ہے۔

ایک رات حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ کہا اے جدِ پیغمبراں دنیا میں گرفتارِ عشقِ یوسفؑ ہو کر یہ کیا شور و فغاں پیدا کر دیا۔ عشقِ یوسفؑ کے ساتھ عشقِ حق کس طرح جمع ہو سکتا ہے۔ غیب سے ندا آئی۔ سری خاموش رہ یوسف کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ۔ جونہی جمالِ یوسفؑ کو دیکھا غش کھا کر گر پڑے۔ تیسرے روز ہوش میں آئے۔ پھر ندائے غیبی آئی سری یہ اس شخص کی سزا ہے جو عاشقانِ خدا کو ملامت کرتا ہے۔

ایک روز شیخ مجلس میں بیٹھے تھے کہ خلیفۂ بغداد کا ایک مصاحب شیخ احمد نامی گھوڑے پر سوار اس طرف سے گزرا۔ شیخ نے توجہ باطنی دی وہ اُسی وقت گھوڑے سے اُتر کر حاضرِ خدمت ہوا۔ شیخ نے فرمایا: ایزد تعالیٰ کی اَن گنت مخلوق میں سے آدمی سے زیادہ کوئی چیز ضعیف نہیں ہے۔ نیز انواعِ خلق میں سے کوئی چیز اتنی گناہ گار بھی نہیں ہے جتنا اپنی ضعیفی کے باوجود انسان ہے۔ کاش یہ ناکارہ اپنی قدر و منزلت جانتا کہ میں کیا چیز ہوں اور کس چیز سے پیدا ہوا ہوں۔ شیخ کا یہ کلام نشتر کی طرح شیخ احمد کے دل میں اتر گیا۔ اس قدر رویا کہ ہوش جاتے رہے۔ جب اپنے آپ میں آیا تو پھر اسی طرح روتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ رات بھر

نہ کسی سے بات چیت کی نہ کچھ کھایا پیا۔ صبح پھر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا کہا اے استاد تیرا یہ سخن میرے دل میں گھر کر گیا ہے۔ دنیا میری نظروں میں ہیچ و ناکارہ ہو گئی ہے۔ اب دل میں یہی سمائی ہے کہ ترکِ علائق کر لوں۔ اس معاملے میں میری رہنمائی کیجئے۔ فرمایا: اس منزل کی طرف ایک راہِ عام ہے اور ایک راہِ خاص ہے۔ راہِ عام تو یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔ مال ہو تو اس کی زکوٰۃ دی جائے۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھے جائیں۔ حجِ بیت اللہ کیا جائے۔ خدائے تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رسالت کا دل و جان سے اقرار کیا جائے۔ راہِ خاص یہ ہے ان کے ساتھ ترکِ دنیا کی جائے۔ کسی آرام و آسائش کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ اگر کچھ دیا بھی جائے تو نہ لیا جائے۔ غیر اللہ سے پوری طرح رُوگردانی کی جائے۔ دل کو اللہ کے ساتھ لگایا جائے۔ یہ سن کر شیخ احمد نے کہا اے استاد اللہ آپ کو جزائے خیر دے میں دوسرا راستہ اختیار کرتا ہوں۔ چند روز کے بعد ایک بوڑھی عورت بدحال و گریاں خدمتِ شیخ میں آئی اور کہا۔ اے امام اہل اسلام میرا جوان بخت بیٹا ایک روز تیری مجلس میں آیا اور دیوانہ ہو کر گیا۔ اب میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اُس عورت کی حالتِ زار پر شیخ کا دل پسیجا۔ کہا غم نہ کھا، پریشان نہ ہو۔ تیرا بیٹا جب آ گیا تجھے اطلاع دوں گا۔ ایک رات شیخ احمد خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک خادم سے کہا جاؤ اس کی ماں کو بُلا لاؤ۔ جب اس کی ماں اس کے اہل و عیال کے ساتھ آئی تو سب نے اسے دیکھ کر نالہ و فریاد کرنا شروع کر دیا۔ ہر چند چاہا کہ ان کے ساتھ گھر چلے مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوا بلکہ شیخ سے کہا آپ نے ان لوگوں کو ناحق بلایا ہے اور میرا وقت خراب کیا ہے۔ یہ تو میرے لئے وبالِ جان ہو گئے ہیں۔ میرا وقت جو یادِ الٰہی میں صرف ہونا تھا وہ غارتِ غول ہو رہا ہے۔ اِس پر اس کی بیوی بولی: تُو نے اپنا بنا بنایا کام خراب کر دیا ہے اور اپنے جیتے جی بانک بگاڑ دی ہے۔ مجھ پر تو جو گذرے گی اس کو خوش و ناخوش اپنے سر پر لوں گی۔ اِس اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لیتا جا۔ اس نے کہا: بہت خوب۔ اس وقت لڑکے نے جو لباسِ فاخرہ زیبِ تن کر رکھا تھا باپ نے اسے اتروا دیا اور اس کی بجائے اسے پرانی گدڑی پہنا دی اور ہاتھ میں زنبیل دے دی۔ لڑکے کی

ماں نے جو یہ صورت دیکھی تو بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گئی اور شیخ احمدؒ نے اپنی راہِ دشت لی۔ چند سال کے بعد ایک شخص خانقاہِ شیخ سریؒ میں آیا اور کہا مجھے شیخ احمد نے بھیجا ہے۔ وہ کہتا ہے میری سانس اڑی ہوئی ہے۔ ابھی وقتِ ملاقات ہے تشریف لائیے شیخ سریؒ اس شخص کے ساتھ ہو لئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا شیخ احمدؒ خاکِ گورستان پر پڑا ہوا ہے اور کوئی دم کا مہمان ہے مگر زبان کو حرکت دیتا ہے۔ شیخ سریؒ نے اس کے سر کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ شیخ احمدؒ نے آنکھ کھولی اور کہا مرحبا بروقت آئے۔ یہ آخری ملاقات ہے یہ کہا اور واصل بحق ہو گیا۔ شیخ سریؒ اُٹھے اور چاہا کہ تجہیز و تکفین کا سامان کریں اس کو وہاں چھوڑا اور شہر کی طرف چل پڑے۔ دیکھا کہ لوگوں کی ایک کثیر جماعت گورستان کی طرف آ رہی ہے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا آپ کو خبر نہیں کہ اس وقت آسمان سے آواز آ رہی ہے کہ جو چاہتا ہے کہ خدا کے ولی کی نمازِ جنازہ پڑھے وہ گورستان کو جائے۔ پس ایک انبوہِ کثیر شیخ احمدؒ کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوا اور اُس کے جسمِ پاک کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں شیخ سریؒ مرض الموت میں تھے۔ میں اُن کی عیادت کو گیا دیکھا کہ ایک پنکھا قریب ہی گرا ہوا ہے اُسے اٹھا کر ہلانے لگا۔ شیخ نے آنکھ کھولی اور کہا جنیدؒ پنکھا ہاتھ سے رکھ دے۔ مجھے ہوا نہ دے۔ ہوا سے آگ تیز تر ہوتی ہے۔ میں نے کہا: مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا خلق کے ساتھ مشغول اور خالق کے ساتھ شاغل رہ۔

آپ کا فرمان ہے مرد وہ ہے جو بازار میں بھی ذکرِ حق میں مشغول رہے۔ خرید و فروخت بھی کرے لیکن یادِ الٰہی سے بھی غافل نہ رہے۔

فرمایا: بہادر وہ ہے جو اپنے نفسِ امارہ پر غالب آئے۔

فرمایا: ادب دل کا ترجمان ہے جو شخص اپنے نفس کی تربیت و تادیب سے عاجز ہے وہ دوسروں کو کیا ادب سکھا سکتا ہے۔

فرمایا: پانچ چیزیں دل میں نہیں رہتیں اگر دل میں دوسری چیز موجود ہو:

۱۔ خدا کا خوف ۲۔ رجا

۳۔ محبت ۴۔ حیا

۵۔ خلق سے شفقت

فرمایا: خُلقِ خداوہ ہے جس سے مخلوق کو تکلیف و آزار نہ پہنچے۔

۶۔ رمضان ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد گورستان شونیز بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات:-

شیخ سری ابنِ سرِ خدا محرم راز و واقفِ تقدیر

سالِ وصلش بجوز قطب الحق ۲۵۰ھ باز خواں سنِ ارتحالش میر ۲۵۰ھ

۲۵۔ سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرّہٗ

کنیت ابوالقاسم۔ لقب سیدالطائفہ و طاؤس العلماء و قواریری و زجاج تھا۔ قواریری و زجاج آپ کو اِس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد بن جنید آبگینہ فروش تھے نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن حضرت جنید کا مولد و منشاء بغداد تھا۔ حضرت سفیانؒ ثوریؒ[1] کے مذہب کے پیرو تھے۔ حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے اور انھی سے بیعت بھی تھے۔ حضرت رویمؒ[2]، حضرت شیخ ابوالحسنؒ نوریؒ، حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ (آپ کا ذکر آگے آئے گا)

---

[1] سفیان نام۔ ابوعبداللہ کنیت۔ باپ کا نام سعید تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بزرگانِ وقت آپ کو امیرالمومنین و امام المسلمین کہا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے اکابر علماء و صلحا سے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اویسی تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بڑے انیس و شفیق تھے طبع میں بے حد سوز و گداز تھا۔ اپنے آپ کو ثوری یعنی چارپایہ کہا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز مسجد میں انتہائے استغراق کے باعث بایاں پاؤں رکھا۔ غیب سے ندا آئی۔ سفیان شاید تو چارپایہ ہے۔ سنتے ہی حالت محو میں آ گئے اور داڑھی پکڑ کر اپنے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ مسجد میں باادب قدم نہ رکھنے کی وجہ سے تیرا حیوانوں کے زمرے میں نام آ گیا۔ بیہوش کر۔ ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

[2] کنیت ابومحمد اور ابوالحسن تھی۔ باپ کا نام احمد بن یزید بن رویم تھا۔ اصل وطن بغداد تھا۔ جید عالم اور فقیہ تھے۔ علومِ ظاہر و باطن میں مہارت کامل حاصل تھی۔ حضرت جنید بغدادی کے مرید کامل اور شاگردِ رشید تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور اسی طرح دوسرے مشائخ اپنے سلسلوں کو اُن کی طرف نسبت کرکے درست کرتے ہیں۔ آپ سے نسبت رکھنے والوں کو جنیدیہ کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم علی ہجویری کشف المحجوب میں فرماتے ہیں: ایک روز کسی نے شیخ سری سقطی سے پُوچھا: "کیا کسی مرید کا درجہ اپنے پیر و مرشد سے بڑھ سکتا ہے۔" فرمایا "ہاں کیوں نہیں۔ اور یہ ظاہر دلیل ہے کہ جنید بغدادیؒ کا درجہ مجھ سے بہت بلند ہے۔"

خلیفۂ بغداد نے ایک روز حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کو بے ادب کہا۔ آپ نے کہا سبحان اللہ بھلا میں کس طرح بے ادب ہو سکتا ہوں جبکہ اپنا نصف دن حضرت جنید قدس سرہ کی صحبت میں گزارتا ہوں۔"

شیخ ابوجعفر حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر عقل مرد ہوتی تو جنید کی صورت پر ہوتی۔" آپ نے کامل تیس سال تک عشاء کی نماز پڑھ کر اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ اللہ کیا ہے اور اسی عشاء کی نماز کے وضو سے نمازِ صبح ادا کی ہے۔ صاحب "تذکرۃ الاولیاء" لکھتے ہیں۔ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا: بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ حضرت جنیدؒ سامنے حاضر ہیں۔ ایک شخص نے آکر فتویٰ طلب کیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جنیدؒ سے فتویٰ لو۔ اس شخص نے عرض کیا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں: اگرچہ رویم خود کو جنید کا شاگرد بتاتے تھے مگر آپ اپنے استاد سے زیادہ کامل و بہتر تھے۔ میں ان کے ایک بال کو بھی ایک سو جنید سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں: ہم فارغ ہوتے ہوئے بھی مشغول ہیں اور رویم مشغول بھی فارغ ہے۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں شونیز کے مقام پر ہے۔ ؎ نام احمد بن محمد اور لقب نوری ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد بغشور کے رہنے والے تھے جو ہرات اور مرو کے درمیان واقع ہے مگر آپ کا مولد بغداد ہے۔ شیخ سری سقطی کے مرید اور سید الطائفہ جنید کے ہم عصر ہیں۔ راہِ طریقت میں مجتہد اور صاحب مذہب گزرے ہیں۔ آپ کے طریقہ کو طریقۂ نوریہ کہتے ہیں۔ آپ کو نوری اس وجہ سے کہتے ہیں۔ جب آپ کسی تاریک مکان میں گفتگو کرتے تو آپ کے باطنی نور سے وہ گھر روشن ہو جاتا تھا اور اُس نورِ حق کی وجہ سے مریدوں کے اسرار پر مطلع ہو جاتے۔ آپ کا ارشاد ہے "جس نے خدا کو دنیا میں نہیں پہچانا وہ آخرت میں بھی اُسے نہ پہچان سکے گا۔" ۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ "سید بود بوالحسن" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

یارسول اللہؐ آپ کی موجودگی میں دوسرے سے فتویٰ کیوں لوں"۔ فرمایا: "تمام انبیاء کو جس طرح اپنی اپنی امت پر فخر و مباہات ہوتا ہے مجھے اپنے جنیدؒ پر فخر ہے"۔

شیخ جنیدؒ نہ سماع سنتے تھے نہ وجد کرتے تھے۔ بہ ظاہر و باطن بشرعِ مقدس آراستہ و پیراستہ تھے۔ ایک روز مجلس میں توحید کے متعلق کلام فرمار ہے تھے کہ ایک مرید نے نعرہ لگایا۔ شیخ نے اسے منع کیا اور کہا اگر تو نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو تجھے مہجور کر دوں گا۔ یہ کہہ کر پھر اپنے کلام میں مشغول ہو گئے۔ اس نوجوان میں تابِ ضبط نہ تھی۔ دوبارہ نعرہ لگایا۔ شیخ جنیدؒ نے اُس کی طرف نگاہِ گرم سے دیکھا۔ وہ اسی وقت ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے جا کر دیکھا تو وہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔

ابتدائے احوال میں ایک روز شیخ جنیدؒ مدرسے سے گھر آئے۔ دیکھا کہ والد رو رہے ہیں۔ سبب پوچھا۔ کہا کہ تمہارے خالو شیخ سری سقطیؒ کے پاس حصۂ مالِ زکوٰۃ لے کر گیا تھا۔ انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اس پر گریہ کر رہا ہوں کہ جس مال کے لئے عمرِ عزیز ضائع کر دی وہ دوستانِ خدا کے لئے قابلِ قبول بھی نہیں۔ شیخ جنیدؒ نے کہا: مجھے دیجئے میں جا کر دیتا ہوں۔ شیخ نے مالِ زکوٰۃ لیا اور دروازۂ شیخ سری سقطیؒ پر جا کر دستک دی۔ اندر سے پوچھا کون ہے؟ کہا جنیدؒ۔ پوچھا کیوں آئے؟ کہا یہ مالِ زکوٰۃ لے لیجئے۔ شیخ نے جواب دیا: ہرگز نہ لوں گا۔ حضرت جنیدؒ نے کہا، اسے خدا کے لئے لے لیجئے۔ جس نے آپ پر فضل اور میرے باپ پر عدل کیا۔" فرمایا: اے جنید! کہو خدا نے مجھ پر کیا فضل کیا اور تیرے باپ پر کیا عدل کیا۔ شیخ جنیدؒ نے کہا: خدا نے آپ پر یہ فضل کیا کہ آپ کو درویشی اور ترکِ دنیا عطا کی اور میرے باپؒ کے ساتھ یہ عدل کیا کہ اسے دنیوی کاروبار میں مشغول کر دیا۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا نہ کریں اور میرا باپ چاہے نہ چاہے مگر زکوٰۃ کا ادا کرنا اس پر حکماً فرض ہے۔ اس لئے کہ یہ مال حقداروں کا حصہ ہے اور اس کا یہ فرض ہے کہ یہ مال ان تک پہنچائے۔ شیخ سریؒ اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اے بیٹا میرے پاس آ۔ اس سے پہلے کہ میں یہ مال قبول کروں تم کو قبول کرتا ہوں۔ پس دروازہ کھولا اور مرحبا کہا۔ اور شیخ جنیدؒ کو اپنے دامن میں جگہ دی۔

ایک دفعہ شیخ سریؒ حضرت جنیدؒ کو اپنے ساتھ حج کے لئے لے گئے جبکہ ان کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی۔ وہاں جاکر دیکھا کہ حرم شریف میں چار سو پیرانِ روشن ضمیر بیٹھے مسئلہ شکر پر بحث کر رہے ہیں۔ ہر بزرگ ادائے حقِ شکر میں تقریر کر رہا ہے۔ شیخ سریؒ نے حضرت جنید سے کہا، اے نورالعین تو بھی اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہہ کہ شیخ جنیدؒ نے سر اٹھایا اور کہا:

• شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو گناہ میں خرچ نہ کرے اور اسے معصیت سازی کا سبب نہ بنائے۔" تمام حاضرین نے آفرین وتحسین کہی اور آپ کے اس قول پر اتفاق کیا۔

حضرت جنیدؒ کے اقوالِ توحید جب زبان زدِ خاص و عام ہوئے تو مخالفانِ شیخ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ شیخ جنیدؒ ایسی باتیں کرتا ہے کہ جن کو عقل قبول نہیں کرتی۔ ایسے فتنہ انگیز کو درمیان سے ہٹا دینا چاہئے۔ خلیفہ نے کہا: حجتِ شرعی کے بغیر یہ کام مشکل ہے۔ آخر اس کے لئے ایک حیلہ پیدا کیا گیا۔ خلیفہ کے پاس ایک نہایت ہی حسین وجمیل کنیز تھی اُسے مزید بناؤ سنگار کے ساتھ شیخ کے پاس یہ سبق پڑھا کر بھیجا کہ اپنے حسن وجمال، ناز و کرشمہ اور تحریصِ مال و دولت سے شیخ کو اپنے پر مائل کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔ چنانچہ وہ خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرے پاس بڑا زر و مال ہے۔ چاہتی ہوں کہ یہ مال و دولت آپ پر نثار کر کے تمام عمر خدمت میں گزار دوں۔ مجھے قبول فرمائیے۔ شیخ نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کنیز نے اپنے حسنِ دلفریب اور عشوہ وغمزہ سے شیخ کو اپنے دامِ مکر و فریب میں لانے کی بڑی کوشش کی مگر شیخ نے نظر اٹھا کر بھی اس کی جانب نہ دیکھا۔ جب اس کا عجز و انکسار حد سے بڑھ گیا تو شیخ نے اپنے دلِ پُر سوز سے آہ آہ تین بار کہا۔ شیخ کی آہِ سوزاں کی چنگاریوں سے کنیز کو آگ لگ گئی اور وہ چشمِ زدن میں جل کر خاکستر ہوگئی۔ خادمہ جو کنیز کے ساتھ آئی ہوئی تھی یہ حال دیکھ کر خلیفہ کے پاس بھاگی گئی اور تمام حالات بیان کئے۔ خلیفہ یہ سن کر خدمتِ شیخ میں حاضر ہُوا اور کہا: اے شیخ تُو نے اس خُوب رُو کنیز کو جلا کر راکھ کر ڈالا ہے۔ ایسے ظلم کی توقع آپ سے نہ تھی۔ شیخ نے فرمایا: تُو چاہتا تھا کہ میری چالیس سالہ ریاضت و عبادت تباہ و برباد ہو جائے۔ تم دونوں نے اپنا کیا پا لیا۔ اِس وقت رحم و شفقت خود میرے حال پر ظلمِ عظیم تھا۔

شیخ جنیدؒ نے جب علومِ ظاہر و باطن میں تکمیل کر لی تو شیخ سریؒ نے انہیں وعظ و نصیحت کی اجازت دی مگر شیخ جنیدؒ نے اپنے مرشد کے سامنے وعظ کہنا ترکِ ادب و گستاخی پر محمول کر کے وعظ نہ کہا۔ ایک رات شیخ جنیدؒ نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں: اے جنید تو وعظ کیوں نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے تیری زبان میں بڑی تاثیر دی ہے۔ صبح کو شیخ جنیدؒ جب خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے دیکھا کہ شیخ سریؒ دروازے میں کھڑے ہیں۔ شیخ جنیدؒ کو دیکھتے ہوئے فرمایا: اے جنیدؒ میں نے نہ کہا کہ لوگوں سے کلام کر پس اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لوگوں سے کلام کر۔ چنانچہ شیخ جنیدؒ کی پہلی مجلس میں چالیس آدمی حاضر ہوئے جن میں سے سترہ شیخ کی تاثیرِ کلام سے جاں بحق ہو گئے اور بیس بے ہوش ہو گئے۔

حسین بن منصور حلاج حضرت شیخ عمرؒ بن عثمان مکی الصوفی سے غلبۂ حال میں اظہارِ بیزاری کر کے شیخ جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے حسین تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جو تم نے شیخ عمر بن عثمان مکی اور سہیل بن عبد اللہ تستریؒ سے سلوک کیا ہے۔

لہ ابو عبد اللہ کنیت۔ یمن کے رہنے والے اکابر سادات سے تھے۔ تمام عمر مکہ میں گزاری تھی اس لئے مکی مشہور ہوئے۔ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی کے مرید اور حسین بن منصور حلاج کے استاد تھے۔ علومِ حقائق و معارف میں بڑے پایہ کے عالم تھے۔ آپ کا کلام جب بازیک و گہرا ہوا تو لوگوں نے اسے کلام کی طرف منسوب کر کے آپ سے قطع تعلق کر لیا۔ حتیٰ کہ مکہ سے بھی نکال دیا۔ جب آپ جدہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے انہیں اپنا قاضی بنا لیا۔ کہا جاتا ہے حسین بن منصور حلاج پر جو کچھ گزرا وہ انہی کی دعا کا اثر تھا کہ انہیں رنج پہنچایا تھا۔ ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ "منور" اور "نامور" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

لہ کنیت ابو محمد ہے۔ مذہباً حنفی تھے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مرید ہیں۔ عراق کے مشائخ عظام اور علمائے کبار سے تھے۔ حقیقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہ سہیلیہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بناء اجتہاد اور مجاہدہ پر ہے۔ فرمایا بدبختی کی علامت یہ ہے کہ علم ملے لیکن عمل کی توفیق نہ ہو۔ فرمایا: جہالت سے بڑھ کر کوئی معصیت زیادہ بری نہیں۔ بڑی کرامت یہ ہے کہ اپنی بری عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل کر دو۔ خدا کی غفلت سے بڑھ کر کوئی معصیت نہیں۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ "صدیقِ ہادیِ جہاں" تاریخِ وفات ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حسینؒ نے کہا: صحو و سکر دو وصف ہیں۔ بندہ کو ہمیشہ وصفِ خدا میں فانی ہونا چاہئے۔ شیخ نے فرمایا: اے پسرِ منصورؒ تو غلطی پر ہے صحوِ حق کے ساتھ صحتِ حال ہے۔ اے منصورؒ کے بیٹے! میں تیرے کلام میں بڑی فضول اور بے معنی عبارت دیکھتا ہوں۔ مجھے اس کا انجام نیک نظر نہیں آتا۔

فرمایا: میرے دل میں آرزو تھی کہ ابلیس کو دیکھوں۔ پس ایک روز میں مسجد سے باہر آرہا تھا دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص میری طرف آرہا ہے۔ جب وُہ میرے قریب پہنچا تو مجھے اُس سے وحشت آئی۔ میں نے اس سے پوچھا، تُو کون ہے؟ اس نے کہا: جس سے ملنے کی تمہیں آرزو تھی۔ میں نے کہا، اے ملعون! کس چیز نے تجھے آدم کو سجدہ نہ کرنے دیا۔ وحدتِ حق تعالیٰ میں نے نہ چاہا کہ غیر اللہ کو سجدہ کروں۔ میں اس کے جواب سے متحیر ہوا۔ میں ابھی اسے جواب دینے نہ پایا تھا کہ ندائے غیبی آئی: "اے جنید! اسے کہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر میرے بندے ہوتے تو میرے حکم سے سرتابی نہ کرتے۔" ابلیس نے جب یہ ندا سُنی تو نعرہ مارا اور کہا: اے جنید! خدا کی قسم تُو نے مجھے جلا ڈالا اور غائب ہوگیا۔

شیخ جنید کے مریدوں میں سے ایک مرید نے آبادی سے کہیں دور ایک ویرانے میں عبادت خانہ بنایا اور وہیں اہلِ دنیا سے کنارہ کش ہوکر رہنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ہر رات اُس کے پاس ایک اونٹ لایا جاتا اور لانے والے کہتے کہ ہم آسمانی فرشتے ہیں۔ آپ اِس اُونٹ پر سوار ہوجائیے۔ ہم آپ کو بہشت کی سیر کرائیں گے۔ وُہ اس اونٹ پر سوار ہوگیا۔ اسے مقاماتِ دلکش کی سیر کرائی گئی۔ جہاں گل ہائے رنگارنگ تھے۔ آبِ رواں تھا۔ صورت ہائے زیبا تھیں۔ رات بھر وُہ اس پُرفضا مقام کی گل گشت کرتا۔ صبح کو پھر اپنے اُسی مقام پر آجاتا۔ یہ سلسلہ نادیر قائم رہا۔ اِس چیز نے اُس کے دماغ میں رعونت پیدا کردی اور وُہ متکبر و مغرور ہوگیا۔

(بقیہ ص ۱۳۹) ؎ ابو عبداللہ کنیت ہے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر اصل وطن اقلیم مصر ہے۔ امام مالک کے شاگرد تھے۔ آپ کا شمار متقدمین علماء و مشائخ میں ہوتا ہے۔ توحید و تجرید میں یکتائے روزگار، عارفِ کامل اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ آپ کا ارشاد ہے راہِ راست پر وُہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ جب خدا کا ڈر اٹھ گیا تو راہِ راست سے بھٹک گیا۔ فرمایا: خدا کی محبت کی علامت یہ ہے کہ خدا کے حبیبؐ کے اخلاق و افعال اور امر و سنت سب میں پوری اتباع کی جائے۔ فرمایا: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد مصر میں ہے۔

رفتہ رفتہ یہ خبر شیخ جنیدؒ کے کانوں تک پہنچی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ مغرورانہ بیٹھا ہوا ہے۔ شیخ نے تمام احوال پوچھے۔ اس نے سب کچھ اسی طرح بتایا۔ شیخ نے کہا آج رات جب تو وہاں جائے تو تین بار لاحول پڑھنا۔ رات کو حسبِ معمول اسے انہی مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اس نے براوِ امتحان کلمۂ لاحول پڑھا۔ شیاطین جو اس کام کے موکل تھے فرار ہو گئے۔ وہ تنہا رہ گیا اور اپنے آپ کو ایسی گندگی کے ڈھیر پر پایا جس کی عفونت سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ آس پاس مردار جانوروں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر بے حد پشیمان ہوا توبہ کی اور دوبارہ خدمتِ شیخ میں رہنے لگا۔ ایک بار شیخ کے ایک مرید سے کوئی بے ادبی سرزد ہوئی۔ وہ مارے ندامت کے باہر چلا گیا۔ اتفاقاً راستے میں شیخ سے دوچار ہو گیا۔ شیخ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ ہیبت سے ایسا گرا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ چند قطرے خون کے زمین پر گرے جن سے لفظِ اللہ لکھا گیا۔ شیخ نے جب یہ دیکھا تو کہا: اچھا میرے سامنے جلوہ گری کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ بچے جو میرے سامنے کھیل رہے ہیں اس مقام میں تیرے برابر ہیں۔ شیخ کی یہ بات اس پر نہایت سخت گزری حتیٰ کہ جاں بحق ہو گیا۔

بصرہ میں شیخ جنید کا ایک مرید رہتا تھا۔ ایک روز اس کے دل میں خطرۂ گناہ گزرا جس سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ آئینہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ہر چند کوشش کی مگر چہرے کی سیاہی دور نہ ہوئی۔ تین روز اسی طرح گزر گئے۔ پھر سیاہی آہستہ آہستہ دور ہونی شروع ہوئی اور چند روز میں چہرہ بالکل سفید ہو گیا۔ شیخ کا ایک خط اس کے نام پہنچا کہ بارگاہِ رب العزت میں باادب کیوں نہیں رہتے۔ مجھے چند روز سے دھوبی بننا پڑ گیا ہے تاکہ تیرے چہرے کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو جائے۔

شیخ جنید کے آٹھ مرید تھے جو سب کے سب ولایت میں کامل و اکمل تھے۔ ایک روز انہوں نے خدمتِ شیخ میں عرض کی: اے شیخ شہادت ایک عجیب نعمتِ جانفزا ہے۔ اسے حاصل کرنا چاہیے۔ شیخ نے ان کی تائید کی اور ان کے ساتھ ملکِ روم کی طرف جہاد کے لئے چل پڑے۔ ایک جگہ کفار سے مقابلہ ہو گیا۔ ایک گبر (آتش پرست) کے ہاتھوں شیخ کے آٹھوں مرید ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ شیخ فرماتے ہیں میں نے اس وقت ہوا میں

نو کجاوے معلق دیکھے۔ میرے ساتھیوں میں سے جو شہید ہوتا تھا اس کی روح ایک کجاوے میں رکھتے اور آسمان کی طرف لے جاتے۔ آخر ایک کجاوہ باقی رہ گیا۔ میں نے یہ کہا یہ میرے لئے ہے۔ جنگ میں مشغول ہو گیا۔ دورانِ جنگ میں وہ گبر جس نے میرے ساتھیوں کو شہید کیا تھا، میرے پاس آیا اور کہا: اے ابوالقاسم! یہ آخری کجاوہ میرے لئے ہے تو بغداد واپس چلا جا۔ اپنی قوم کی قیادت و سیادت کر اور اپنا مذہب میرے سامنے پیش کر۔ میں نے اسے تلقینِ اسلام کی۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر کفار سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اس آخری کجاوے میں اس کی رُوح رکھ کر آسمان کی طرف لے گئے ہیں۔

ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا: "دل کس وقت خوش رہتا ہے۔"

فرمایا: "جس وقت خدا دل میں جلوہ گر ہو۔"

فرمایا: "مرد کو مردانہ خصلت اختیار کرنی چاہئے اور شبہات و وہم میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔"

فرمایا: "جس نے خدا کی معرفت حاصل نہیں کی، وہ کبھی شاد نہیں رہ سکتا۔ وقت سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ جب یہ گزر جاتا ہے تو پھر اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

فرمایا: جوانمردی یہ ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالا جائے اور جو کچھ پاس ہو اُسے راہِ خدا میں دے دیا جائے۔"

فرمایا: "خُلق چار چیزیں ہیں:

۱۔ سخاوت

۲۔ الفت

۳۔ نصیحت

۴۔ شفقت ۔"

کسی نے پوچھا: "کس شخص کی صحبت اختیار کریں؟"

فرمایا: "جو تیرے ساتھ نیکی کر کے بھلا دے۔"

کسی نے بندہ کی تعریف پوچھی۔ فرمایا، جو دوسروں کی بندگی سے آزاد ہو۔

پوچھا گیا: خدا تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟

فرمایا: ترکِ دنیا اختیار کر۔ نفس کے خلاف کر۔ خدا تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔

بروز شنبہ، ۲۔ رجب، ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ مزارِ اقدس بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

بیان کیاجاتا ہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔ آپ کی زبان پر تسبیح جاری تھی چار انگلیوں کو باندھے ہوئے تھے۔ بڑی انگلی کھولے ہوئے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی آنکھیں بند کیں اور واصلِ بحق ہو گئے۔

غسال نے چاہا کہ آنکھوں کے اندر پانی ڈالے۔ ندائے غیبی آئی۔ ہمارے دوست کی آنکھوں سے اپنے ہاتھ کو الگ رکھ۔ جو آنکھ ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہے وہ ہمارے لئے ہی کھولی جا سکتی ہے۔

غسال نے چاہا کہ آپ کی انگلیوں کو کھول کر سیدھا کر دے۔ پھر ندا آئی۔ جو انگلیاں ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہیں وہ ہمارے حکم ہی سے کھل سکتی ہیں۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک سفید کبوتر جنازہ پر آکر بیٹھ گیا۔ اسے ہر چند اڑانا چاہا مگر وہ نہ اڑا اور کہنے لگا اپنے آپ کو اور مجھے پریشان نہ کرو۔ میرے پنجے عشق کی میخوں سے اس جنازہ کے گوشوں پر جمے ہوئے ہیں آج جنیدؒ کا قالب فرشتوں کے دوش پر ہے۔ اگر تمہارا شور و غل نہ ہوتا تو جنیدؒ کا جسم سفید باز کی طرح ہمارے ساتھ ہوا میں اڑتا۔ پھر وہ کبوتر جو دفن کے وقت جنازہ کے اوپر تھا، غائب ہو گیا۔

قطعۂ تاریخ وفات:

سید الطائفہ ولیٔ زماں!	یعنی حضرت جنیدؒ عالیشاں
رفت چوں ازجہاں بباغِ جناں!	نامور گشت سالِ رحلت آں ۲۹۷ھ

۲۶- حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس اللہ سرہ العزیز

نام جعفر بن یونس ۔ کنیت ابوبکر ۔ خراسانی الاصل تھے ۔ موضع شبلیہ کے رہنے والے تھے مگر ولادت بغداد میں ہوئی تھی اور یہیں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ان کے والد خلیفۂ بغداد کے حاجب (چوبدار) تھے اور خود شیخ شبلی حاکمِ نہاوند تھے۔ ایک روز خلیفہ نے انہیں بغداد میں بلایا اور حسنِ خدمات کے صلے میں خلعت پہنایا۔ خلیفہ سے رخصت ہوکر دربار سے نکلے ہی تھے کہ اتفاقاً چھینک آئی اور آستینِ خلعت ہی سے ناک صاف کرلی۔ مخالفانِ شیخ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ یہ شخص کسی طرح بھی لائقِ خلعت نہیں ہے۔ حضور کے عطاکردہ خلعت سے اس نے ناک صاف کی ہے اور یہ انتہائے بے ادبی ہے۔ خلیفہ نے اس گستاخی پر شیخ کو معزول کر دیا۔ اس واقعہ نے شیخ کی زندگی کو بدل ڈالا۔ آپ نے کہا اگر کوئی مخلوق کے عطیہ کو بطورِ دستمال (رومال) کے استعمال کرتا ہے تو اسے منصب سے معزول کر دیا جاتا ہے اور جو شخص خلعتِ معرفتِ الٰہی کی قدر نہ کرے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ تارک الدنیا ہوگئے اور حضرت خیر نساج قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر کروہاتِ دنیوی سے توبہ کی۔ حضرت خیر نساج[1] نے انہیں شیخ جنیدؒ کی خدمت میں بھیج دیا کیونکہ آپ ان کے قرابت داروں سے تھے۔ آپ نے خدمتِ شیخ میں رہ کر علم و عرفان کا بلند درجہ حاصل کیا اور خرقۂ خلافت پایا۔ شیخ جنید آپ کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔ فرمایا: ہر قوم کا مالک ایک تاج (سردار) ہوتا ہے

---

[1] نام محمد بن اسماعیل اور کنیت ابوالحسین ہے۔ سکونت بغداد میں تھی۔ سامرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سری سقطی کے مرید تھے۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ نساجی (بافندگی) آپ کا پیشہ نہیں تھا۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں: شام کی نماز کا وقت تھا کہ ملک الموت نے سایہ ڈالا۔ آپ نے سرانے سے سر اٹھایا اور کہا۔ عفاک اللہ تھوڑی دیر توقف کرو کہ میں بھی خدا کا بندہ ہوں اور تم بھی خدا کے بندے ہو۔ تم کو خدا نے حکم دیا ہے کہ میری جان نکالو اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو سب کام چھوڑ دو۔ جو تمہیں حکم ملا ہے وہ قضا نہیں ہوگا اور جو مجھے حکم ملا ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ پھر آپ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ۳۲۱ھ میں وفات پائی۔ "محرمِ دل" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

میرا تاج ابوبکر شبلی ہے۔ آپ فقہی مسائل میں حضرت امام مالکؒ[1] کے مقلد تھے۔

ایک روز شیخ شبلیؒ نے حضرت جنیدؒ سے کہا: آپ کو ایزد تعالیٰ نے گوہر آشنائی عطا فرمایا ہے۔ آپ اسے یا تو بیچ دیجئے یا بخش دیجئے۔ شیخ جنیدؒ نے فرمایا: نہ فروخت کروں گا نہ بخشوں گا۔ فروخت کروں تو تیرے پاس قیمت ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے اور اگر بخش دوں تو یہ موتی تیرے ہاتھ مفت میں آجائے گا۔ مردانِ باہمت کی طرح اپنے آپ کو دریائے معرفت میں ڈال اور گوہرِ مقصود حاصل کر۔ شیخ شبلیؒ نے پوچھا: پھر کیا کروں؟ فرمایا: ایک سال تک کبریت فروشی کر۔ (دیا سلائی بیچ) ایک سال گزرنے کے بعد شیخ شبلیؒ خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے۔ فرمایا: اب ایک سال تک بغداد کے کوچہ و بازار میں گدائی کر۔ مگر اس طرح پر کہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا۔ شیخ شبلیؒ فرمودۂ مرشد کے مطابق بغداد کے بازاروں میں گداگری کرتے رہے مگر کسی شخص نے آپ کو ایک حبہ بھی نہ دیا۔ سال گزرنے پر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیوں شبلیؒ اپنی قدر و قیمت معلوم ہوئی؟ کوئی شخص تیری طرف متوجہ بھی نہ ہُوا۔ اچھا اب نہاوند جا، جہاں تو حکومت کرتا رہا ہے۔ وہاں ایک سال دریوزہ گری کر، چنانچہ آپ وہاں پہنچے۔ کسی نے آپ کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیا۔ سال گزار کر خدمتِ مرشد میں آئے۔ شیخ جنید نے فرمایا: شبلیؒ ابھی ایک سال اور بغداد کے کوچہ و بازار میں گدائی کر۔ چنانچہ حکمِ شیخ کے مطابق آپ بغداد کی گلیوں میں بھیک کا ٹھیکرا لئے بھک منگا بن کر بھیک مانگتے رہے۔ شام کو خانقاہِ شیخ میں بھی حاضر ہوتے اور بھیک کے ٹکڑوں کو خدمتِ مرشد میں پیش کرتے۔

---

[1] مالک نام کنیت ابوعبداللہ۔ آپ ائمہ اربعہ میں سے اہل سنت کے دوسرے امام ہیں۔ تدبر و تفکر فی الدین۔ تفحصِ حدیث اور زہد و ورع میں مقامِ بلند رکھتے تھے۔ صحیح احادیث کا ایک مجموعہ موطاء کے نام سے مدون کیا تھا جو کتبِ صحاح ستہ میں شامل ہے۔ اس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے اسے فقہی مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ محمد نفسِ زکیہ بن عبداللہ بن حسن ثانی نے جب ابوجعفر المنصور عباسی کے عہد میں دعوائے خلافت کیا اور شکست کھائی۔ مدینہ میں حضرت امام صاحب نے ان کی حمایت کی تھی۔ اس کی پاداش میں منصور نے آپ کو کوڑوں سے پٹوایا۔ حضرت امام شافعی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ "امام زمن" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

اور شیخ انہیں درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایک سال گزرنے کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا؛ کیوں شبلیؒ اب تیرے نفس کا حال تیرے نزدیک کیا ہے؟ عرض کیا: پیرومرشد اپنے آپ کو خلقِ خدا کی کمترین مخلوق سمجھتا ہوں۔ فرمایا: اب تیرا ایمان درست ہوا۔

روایت ہے شیخ شبلی ہمیشہ اللہ اللہ کہتے۔ ایک درویش نے پوچھا: لاالٰہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے۔ فرمایا: ڈرتا ہوں اگر لفظِ اللہ سے پہلے نفیٔ لا میں مشغول رہا اور سانس منقطع ہو گئی تو مقامِ نفی میں رہ جاؤں گا۔ درویش نے کہا میں اس سے بہتر توجیہہ چاہتا ہوں۔ کہا لا نفیٔ غیر اللہ کے لئے ہے اور میں غیرِ حق کو کسی صورت نہیں چاہتا۔ نوجوان نے کہا: میں اس سے اور زیادہ واضح جواب چاہتا ہوں۔ فرمایا، اللہ کہنے میں مَیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اتباع کرتا ہوں جیسا کہ روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ حسبِ حیثیت راہِ خدا میں اپنا مال دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال لاکر خدمتِ رسولؐ میں حاضر کر دیا اور حضرت صدیقِ اکبرؓ نے تمام مال لاکر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا: اے ابی بکرؓ اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ آئے؟ عرض کیا: اللہ۔ اس نوجوان نے کہا: اے شیخ میں اس سے بھی اعلیٰ وضاحت چاہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: اے نوجوان میں نے بہتر سے بہتر صورتیں اور مثالیں تیرے سامنے پیش کیں لیکن تیری ہمت اور حوصلہ بہت بلند ہے۔ سُن اب اس سے بہتر کہتا ہوں۔ فرمایا: اس طریق کو اختیار کرنا اور اُس پر عمل کرنا جو بموجب حکمِ خداوندی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا: "اے رسول فرما دیجئے تیرے لئے بس اللہ ہی کافی ہے۔ ان سب کو اپنے لہو ولعب میں مشغول رہنے دیجئے۔ اِن سے کوئی سروکار نہ رکھئے" پس اللہ کہنے کے لئے امرِ الٰہی صادر ہو گیا۔ نوجوان نے عرض کی: جزاک اللہ بس اب میرے لئے یہی کافی ہے۔ ایک نعرہ مارا اور واصلِ بحق ہو گیا۔

اس نوجوان کے وارثوں نے خلیفہ کے پاس جاکر دعوائے خون کر دیا۔ خلیفہ نے شیخ کو بلایا اور حقیقتِ حال کی وضاحت چاہی۔ شیخ نے فرمایا: اُس کی رُوح مشتاقِ دید ہوئی۔ رونے لگی۔ فریاد کی۔ اُس طرف سے دعوت آئی۔ اس نے لبیک کہا اور جاں بحق ہو گیا

میرا اس میں کیا قصور ہے۔ خلیفہ نے کہا شیخ شبلیؒ کو یہاں سے فوراً رخصت کر دو۔ اس کے کلام سے میرے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ قریب ہے کہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ اس پر شیخ شبلیؒ کو مدعیانِ خون سے رہائی حاصل ہوئی۔ ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا، اکرم الاکرمین کون ہے اور کب ہوتا ہے؟ فرمایا: جب کسی گناہ کو معاف کرے تو پھر اُس گناہ پر اُس کو سزا نہ دے بلکہ یہ کہنا بھی گناہ ہے کہ میں نے اپنے فلاں دوست کو بخش دیا۔

روایت ہے شیخ شبلیؒ کچھ عرصہ اپنے مقام سے غائب رہے۔ ہرچند تلاش کیا، پتہ نہ پایا۔ ایک روز مخنثوں کے گروہ میں دیکھے گئے۔ لوگوں نے پوچھا: اے شیخ یہ کیا بات ہے فرمایا: یہ گروہ دنیا میں نہ مرد ہے نہ عورت۔ میں بھی اسی حالت میں گرفتار ہوں۔ نہ مرد ہوں نہ عورت۔ پس ناچار میری جگہ انہی میں ہے۔ روایت ہے شیخ ابھی مرض الموت ہی میں تھے کہ آپ کی وفات کی خبر شہر میں اُڑ گئی۔ لوگ انبوہ در انبوہ نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آنے شروع ہوئے۔ شیخ نے جب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ہنس کر کہا: عجیب بات ہے کہ مردے زندہ کے جنازہ کے لئے آ رہے ہیں۔ اُس وقت ایک شخص نے کہا: اے شیخ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہئے۔ فرمایا: لا نہیں کہوں گا۔ لوگوں نے کہا: اس وقت سوائے کلمہ کہنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ ایک شخص نے بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھا۔ شیخ نے فرمایا: سبحان اللہ مُردہ زندہ کو تلقینِ شہادت کرتا ہے۔ چند ساعت کے بعد حاضرین نے پوچھا: کہئے آپ کیسے ہیں؟ فرمایا: ابھی محبوب سے ملا چاہتا ہوں۔ یہ کہا اور واصلِ بحق ہو گئے۔ ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

شیخِ دیں شبلی است پیرِ بے نظیر	یافت چوں از دہر در جنت مقام
سیدِ دوراں ست سالِ وصلِ او	ہم محبِ اصفیا ہادیٔ امام
۳۳۵ھ	۳۳۴ھ

۲۷۔ حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی قدس سرہٗ

کنیت ابوالفضل، باپ کا نام عبدالعزیز بن حرث بن اسد تھا۔ شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفۂ اعظم تھے۔ خادمِ شریعت۔ سالکِ طریقت۔ واقفِ حقیقت اور امامِ اہل سنّت والجماعت تھے۔ مذہبًا حنفی تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور شریعت و طریقت میں اپنے مرشد کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ ۴۲۵ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ مزار حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

جنابِ عبدِ واحد شیخِ اکبر	بر اوجِ شرع غرّا مہرِ انور
بہ شکلِ ماہ چوں اندر جناں شد	بوصلش "نورِ حقانی" عیاں شد

۴۲۵ھ

۲۸۔ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی قدس اللہ سرہٗ

آپ کی اصل طرطوس سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔ اپنے زمانے کے قدوۂ اولیاء و زبدۂ مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ صاحبِ مقامات و کرامات تھے۔ توکل اور تجرید و تفرید پر تمام عمر ثابت قدم رہے۔ ۴۴۷ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

حضرتِ ابوالفرح طرطوسی ولی	شیخِ والا مرشدِ پیر و جواں
شد چو از دنیا بفردوسِ بریں	بود "پیرِ بے ریا" سالِ عیاں

۴۴۷ھ

۲۹۔ حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قریشی قدس سرہٗ

علی بن محمود بن جعفر الہنکاری نام ہے۔ حضرت ابوالفرح طرطوسی قدس سرہٗ کے اکابر خلفاؑ سے تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار سے تھے۔ صاحبِ خوارق وکرامت، مقتدائے زمانہ، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ تین روز کے بعد روزہ افطار کرتے تھے۔ بعد از نمازِ عشاء تا نمازِ تہجد دو قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ ۴۸۶ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

بوالحسن آں رہبرِ دینِ رسولؐ	چوں ز دنیا گشت راہی در جناں
آفتاب آمد دگر تاجِ عطا	سالِ وصلِ آں شہِ والا مکاں
۴۸۶ھ	۴۸۶ھ

۳۰۔ حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہٗ

مبارک بن علی بن حسین مخزومی نام۔ حضرت شیخ ابوالحسن قریشی ہنکاری کے نامور مرید وخلیفۂ اعظم تھے۔ اپنے زمانے کے سلطان الاولیاء، برہان الاصفیاء، قدوۂ عارفاں، زبدۂ سالکاں، پیرِ طریقت اور واقفِ رموزِ حقیقت تھے۔ نیز حضرت خضر کے رفیق و مصاحب اور حضرت محبوب سبحانی، قطبِ ربانی محی الدین عبدالقادر جیلانی کے پیرِ خرقہ تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ مذہباً حنبلی المذہب[1] تھے۔ حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ

---

[1] حضرت امام احمد بن حنبل اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے امامِ چہارم ہیں۔ حضرت امام شافعی کے شاگردِ رشید تھے۔ علومِ قرآن وتفسیر وحدیث وفقہ میں امامِ وقت اور مجتہد العصر تھے۔ زہد وتقدس میں بے نظیر اور اعلائے کلمۃ الحق میں بے خوف تھے۔ مسئلہ خلق قرآن کے اختلاف پر معتصم باللہ عباسی نے آپ کو کوڑوں سے کئی بار پٹوایا۔ کیونکہ آپ نے معتزلہ کے عقائد کے مطابق قرآن کو مخلوق اور خدا کی صفات اُس کی ذات سے الگ ماننے سے انکار کر دیا تھا اور معتزلہ اُن لوگوں کو مشرک اور گمراہ تصور کرتے تھے جو قرآن کو غیر مخلوق اور صفاتِ الٰہی کو قائم بالذات سمجھتے تھے۔ معتزلی عقائد کو فروغ دینے میں معتصم اپنے بھائی مامون الرشید (باقی صفحہ ۱۵۱ پر)

سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائے حال میں خدائے تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ میں اُس وقت تک نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک وُہ خود نہ کھلائیں پلائیں گے اور لقمہ میرے منہ میں نہ رکھیں گے۔ چالیس دن گزرنے پر ایک شیخ آیا اور کچھ کھانا میرے پاس رکھ کر چلا گیا۔ قریب تھا کہ بھوک کی شدت سے کھانے پر آمادہ ہو جاتا مگر میں نے اپنے دل سے کہا بخدا میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہوا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا۔ اچانک میں نے آواز سنی کہ کوئی زور زور سے الجوع الجوع (بھوک بھوک) پکار رہا ہے۔ اتنے میں حضرت شیخ ابوسعید اس طرف سے گزرے۔ یہ آواز سن کر آپ نے پوچھا: اے عبدالقادر یہ آواز کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت یہ میرے نفس کا اضطراب اور بے چینی ہے۔ مگر روح اپنی جگہ پر قائم ہے اور مشاہدۂ انوارِ خداوندی میں محو ہے۔ فرمایا: میرے گھر چلو۔ عرض کی میں اس جگہ سے قدم باہر نہ رکھوں گا۔ میرا یہ جواب سن کر آپ تشریف لے گئے۔ اتنے میں ابوالعباس خضر تشریف لے آئے۔ فرمایا: اٹھو اور ابوسعید کی خدمت میں جاؤ۔ میں اُن کی طرف چل پڑا۔ دیکھا کہ آپ اپنے مکان کے دروازے میں کھڑے ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا: اے عبدالقادر جو کچھ میں نے تجھے کہا تھا، کیا وہ کافی نہ تھا کہ تُو نے خضر کو تکلیف دی۔ یہ فرمایا اور مجھے اپنے مکان کے اندر لے گئے اور جو کھانا تیار تھا وہ لقمہ لقمہ میرے منہ میں ڈالتے تھے۔ یہاں تک کہ میں اچھی طرح سیر ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے خرقہ پہنایا۔ پھر میں ان کی صحبت میں رہنے لگا۔ مدرسۂ باب الازخ کی عمارت آپ ہی کی تعمیر کردہ ہے جو آپ نے حضرت غوث الثقلین کی زندگی ہی میں اُن کے سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم کا مزار اسی مدرسہ میں ہے۔ ۵۰۸ھ یا ۵۱۳ھ میں وفات پائی۔ قطعۂ تاریخ وفات:

بوسعید آں اسعدِ دورِ زمن! جلوہ گر شد در جناں چو ماہِ عید

شمسِ حق گو باز قطبِ عارفاں (۵۱۳ھ) سالِ وصلش طرفہ بے گفت و شنید (۵۰۸ھ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) سے بھی آگے تھا۔ اس نے امام صاحب پر بڑی سختیاں کیں مگر ان اذیتوں کے باوجود آپ کے عزم و استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور برابر اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ "محبوب و مقبول" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

۱۲۔ حضرت حماد دباس بن مسلم قدس سرہ

ابوعبداللہ کنیت ۔ حماد بن مسلم دباس نام ۔ دباس دوشاب فروش کو کہتے ہیں اور دوشاب انگور یا کھجور کے شیرہ کو کہتے ہیں جو باسی اور ترش ہو چکا ہو۔ اسی اعتبار سے اس کو دوش آب یعنی باسی کہا جاتا ہے۔ (نیز اس کے معنی ٹھنڈا پانی بیچنے والے کے بھی ہیں) اپنے زمانے کے پیران کبار، عارفِ اسرار اور صاحبِ خوارق وکرامت میں سے تھے ۔ حضرت غوثِ اعظم کے پیر بھائی تھے ۔ حضرت غوث ثقلین اکثر آپ کی خدمت میں جاتے تھے اور فوائد عظیم حاصل کرتے تھے ۔ اگرچہ اَن پڑھ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی عطا فرما کر دولتِ علم سے مالا مال کر دیا تھا ۔ آپ کے کم وبیش بارہ ہزار مرید تھے ۔ ایک روز فرمانے لگے میرے بارہ ہزار مرید ہیں اور ہر رات میں سب کو یاد کرتا ہوں اور ان کی ضرورتوں کو خدا سے طلب کرتا ہوں ۔ ان میں سے اگر کوئی گناہ کے جرم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لئے توبہ کی توفیق کی دعا مانگتا ہوں یا پھر اس کے لئے جہان سے اٹھا لینے کی درخواست کرتا ہوں تاکہ تادیر گناہوں میں مبتلا نہ رہے ۔

حضرت غوث الاعظم نے جب آپ کی زبان سے یہ سنا تو آپ کے دل میں یہ گزرا اگر حق تعالیٰ مجھے ایسی قربت ومنزلت عطا فرمائے تو میں یہ درخواست کروں کہ میرے مریدوں میں سے کوئی بھی تا قیامِ قیامت بغیر توبہ کے نہ مرے اور میں اس امر میں ان کا ضامن ہوں شیخ حماد کو نورِ باطن سے معلوم ہو گیا کہ جو کچھ عبدالقادر نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا ہے ۔ نقل ہے اوائل عمر میں حضرت غوثِ اعظم حماد کی مجلسِ وعظ میں حاضر ہوتے تھے ایک روز شیخ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ اس نوجوان عجمی کا قدم اپنے وقت کے تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا ۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اسے عبدالقادر! کہو" قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ" جب آپ نے یہ فرمایا تو تمام اولیائے وقت نے اپنی گردنیں جھکا لیں ۔ ماہِ رمضان ۵۲۱ھ یا ۵۲۵ھ میں وفات پائی ۔

قطعۂ تاریخ وفات:

شیخ حماد پیرِ روشن دل | بود در سترِ معرفت مستور
سالِ ترحیلِ اوست پیرِ طریق | ہم رقم کن زہے مہِ پُر نور
۵۳۱ھ | ۵۲۵ھ

۳۲۔ حضرت شیخ بقا بن طلو قدس سرہٗ

تاج العارفین شیخ ابوالوفا[1] سے بیعت تھے۔ بڑے زاہد و عابد اور صاحبِ کرامت تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ صاحبِ انیس القادریہ رقم طراز ہیں کہ آپ نے ایک روز فرمایا: میں مجلس حضرت غوث الثقلین میں حاضر تھا اور حضرت منبر کے پہلے پائے پر وعظ فرما رہے تھے کہ دورانِ وعظ میں دفعتہً خاموش ہوگئے اور منبر سے نیچے اتر کر زمین پر آگئے۔ ساعت بھر خاموش رہے۔ پھر منبر کے پایۂ دوم پر رونق افروز ہوکر وعظ کہنا شروع کیا۔ اس دوران میں میں نے مشاہدہ کیا کہ منبر حدِ نظر تک کشادہ ہوگیا ہے اور اُس پر سبز رنگ کی مسند بچھائی گئی ہے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ کبار رضی اللہ عنہم کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ نے حضرت غوث اعظم کے دل پر تجلی فرمائی ہے اور حضرت غوث انوارِ تجلی کی شدت سے گرا ہی چاہتے ہیں کہ حضورِ اقدس انہیں سنبھال لیتے ہیں۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا جسم چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک

---

[1] اصلی نام کاکیش تھا۔ حضرت شیخ شبکی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار اور اولیائے کاملین سے تھے۔ فضل و کمال میں آپ کی ذات آیت من آیات اللہ تھی۔ بڑے بڑے صاحبِ کمال آپ کے حلقۂ تربیت سے فیض یاب ہوکر نکلے۔ حضرت غوث اعظم ایامِ جوانی میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوکر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ آپ نے ان کو اپنی تسبیح، کاسہ اور عصا عطا فرمایا تھا۔ حضرت شیخ عمر بزاز فرماتے ہیں، تسبیح کو اگر زمین پر رکھا جاتا تو دانہ دانہ ہوکر بکھر جاتی اور سر دانہ گھومنے لگتا۔ پیالہ کو اگر کوئی ہاتھ لگانا یا لینا چاہتا تو یہ پیالہ خود بخود اس کے ہاتھ میں آجاتا۔ ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔ "عاشق مہدی" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

کہ وہ چڑیا کے مانند ہوگیا ہے مگر پھر ساتھ ہی بڑھنا شروع ہوگیا ہے اور اس قدر بڑھ گیا ہے کہ آپ کے چہرہ مبارک سے خوف آنا شروع ہوگیا ہے۔ یہ سب معاملہ چشم زدن میں میری آنکھوں سے پوشیدہ ہوگیا ہے اور حضرت نے دوبارہ وعظ کہنا شروع کر دیا ہے جب اصحابِ مجلس نے یہ واقعہ حضرت بقا کی زبانی سنا تو رویتِ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت پوچھی۔ آپ نے کہا ایزد تعالیٰ نے ارواحِ پاک کو صور و اجساد اور صنات اعیان میں متبدل ہونے کی صلاحیت و طاقت عطا فرمائی ہے مگر ان کو وہی دیکھ سکتے ہیں جن میں ایسی ہی صلاحیت و قوت ہو۔ حاضرینِ مجلس نے حضرت غوثِ اعظم کے گرنے اور پہلے چھوٹا ہونے اور پھر بڑا ہونے کا سبب دریافت کیا۔ کہا، تجلیٰ الٰہی ابتدا میں حضرت غوثیہ پر ایسی تھی کہ انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا مگر تائید جنابِ نبویؐ اسی لئے حضورؐ نے انھیں پکڑ لیا اور تجلیٰ ثانی صفتِ جلال میں تھی کہ جسمِ مبارک گداز ہونا شروع ہوگیا اور چڑیا سے بھی چھوٹا نظر آنے لگا اور تجلیٰ ثالث صفتِ جمال میں تھی جس کے ظہور سے پہلے آپ کا جسم بے حد و نہایت بڑھا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ شیخ بقا نے ۵۵۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بابِ توسل میں ہے جو نہر ملک کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

چوں بقا با صد ہزاراں خرمی!	رفت از دارِ فنا سوئے بقا
سالِ ترحیلش ز سرور شد رقم	"زبدۂ آفاق قطبِ الحق بقا"

۵۵۳ھ

۴۳۔ حضرت شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار مشائخ کبار اور بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے ہوتا ہے۔ تاج العارفین شیخ ابو الوفاء کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات سے حصۂ وافر حاصل کرتے تھے۔ جس وقت حضرت غوثِ اعظم نے "قدمی ھذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ" فرمایا تھا تو آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے منبر پر جا کر حضرت کا

قدمِ مبارک اپنی گردن پر رکھا تھا۔ ایک روز آپ حضرت غوثِ اعظمؒ کی مجلسِ وعظ میں شریک تھے اور آپ کے نزدیک ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر غلبۂ خواب طاری ہونا شروع ہُوا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت غوثِ اعظمؒ نے فرمایا: اے اہلِ مجلس خاموش ہو جاؤ اور آپ خود منبر سے نیچے تشریف لا کر اُن کے پاس باادب کھڑے ہو گئے۔ جب شیخ علیؒ بیدار ہوئے تو حضرت نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: میں اسی لئے تو حضورِ اقدس کے احترام میں مودب کھڑا تھا۔ پوچھا کس بات کی وصیت فرمائی؟ کہا: آپ کی صحبت میں رہنے کی تاکید کی ہے۔ فرمایا: تم جو خواب میں دیکھ رہے تھے میں حالتِ بیداری میں دیکھ رہا تھا۔

حضرت غوثِ اعظمؒ ان کی بڑی توقیر فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ارشاد کیا کہ اولیاء اللہ میں سے جو کوئی عالمِ غیب و شہود سے بغداد میں آئے گا وُہ میرا مہمان ہے لیکن میں علی بن ہیتی کا مہمان ہوں۔

ایک روز آپ قصبۂ نہر ملک میں گئے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ وہاں کے باشندے ایک مقتول کے سرہانے کھڑے جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے سر پر قتل کا الزام رکھ رہے ہیں۔ آپ نے جب یہ نزاع دیکھی تو مردے سے مخاطب ہو کر کہا: بندۂ خدا خود ہی کیوں نہیں بتا دیتا کہ تیرا قاتل کون ہے؟ مردے نے فی الفور آنکھیں کھولیں اور کہا میرا قاتل فلاں ابن فلاں ہے اور پھر آنکھیں بند کر کے مر گیا۔ ۵۶۱ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرقد زریران میں ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

علی رہنمائے خفی و جلی | علی رازدارِ علی و نبی
بگو کاملِ عشق ترحیلِ او | دگر بود "مقبولِ دوراں علی"

۵۶۱ھ ۵۶۱ھ

۴۲۔ حضرت غوث الثقلین محی الدین سلطان شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (الحسنی الحسینی الحنبلی الشافعی)

سید عبد القادر نام، ابو محمد کنیت، امام الائمہ محی الدین لقب، محبوبِ سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی خطاب۔ غوث الثقلین، غوث الاعظم عرف، سلسلۂ نسب سید محمد معروف بہ حسن مثنیٰ بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک اس طرح منتہی ہوتا ہے۔ سید عبد القادر بن ابی صالح بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ بن سید عمر زاہد بن سید محمد روحی بن سید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن عبد اللہ ثانی بن موسیٰ ثالث بن سید عبد اللہ محسن بن سید محسن بن سید محمد معروف بہ حسن مثنیٰ بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

روایت ہے آپ نے فرمایا جمعہ کے روز میں باہر سے شہرِ بغداد میں داخل ہوا۔ میں ایسے بیمار کے پاس سے گزرا جو نہایت زار و نزار کمزور ضعیف تھا۔ اس ضعف و نقاہت کے باعث اس کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ مجھے سلام کہا۔ میں نے جواب دیا۔ پھر کہا میرے پاس آیئے۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس نے کہا: کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا: میں آپ کے جدِ امجد کا دین ہوں۔ مجھے بٹھائیے۔ میں نے اسے سہارا دے کر بٹھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بیٹھتے ہی اس کا جسم تازہ اور اس کا چہرہ روشن ہو گیا ہے۔ رنگ نکھر گیا ہے اور وہ تندرست معلوم ہونے لگا ہے۔ اُس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور آپ محی الدین (دین کو زندہ کرنے والے) ہیں۔ میں اس سے رخصت ہو کر جامع مسجد گیا جب نماز سے فارغ ہوا تو لوگ ہر طرف سے آکر مجھے محی الدین کہنے لگے۔ فرمایا: میرا تصرف جن و انس پر ہے۔ چنانچہ جس طرح انسان آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے اسی طرح جنات بھی صف بہ صف حاضرِ خدمت ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔ فرمایا: جس طرح انسان میں مشائخ ہوتے ہیں اسی طرح جنات و ملائکہ میں بھی مشائخ ہوتے ہیں۔

میں جن وانسان اور ملائکہ سب کا شیخ ہوں۔

شیخ ابو سعید عبداللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری ایک سولہ سالہ لڑکی تھی۔ایک روز وہ چھت پر گئی اور گم ہو گئی۔ ہر چند تلاش کیا نہ ملی۔حضرت غوث الثقلین کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔فرمایا: تم آج رات بغداد کے محلہ خرابہ کرخ میں جاکر زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور اُس میں بیٹھ کر بسم اللہ علی بنت عبدالقادر پڑھتے رہو۔ رات کی تاریکی میں جنات کی ایک جماعت کا اُس طرف سے گزر ہو گا۔ جن کی صورتیں مختلف ہوں گی۔تم اُن سے خوف نہ کھانا۔صبح کے وقت جنات کا بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے گزرے گا۔ وہ تجھ سے کہے گا، بتاؤ کیا کام ہے؟ تم کہنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ہمیں تمہاری خدمت میں بھیجا ہے اور اپنی لڑکی کے گم ہونے کا واقعہ بتانا۔

پس اس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔جنات گروہ در گروہ مختلف شکلوں میں اس طرف سے گزرتے لیکن اس دائرہ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔حتیٰ کہ ان کا بادشاہ گھوڑے پر سوار ایک بڑے لشکر کے ساتھ ظاہر ہوا اور دائرہ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہا، تیرا کیا کام ہے۔میں نے کہا: شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اُتر آیا۔زمین چومی اور دائرے کے باہر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کس لئے بھیجا ہے۔ میں نے اپنی لڑکی کے غائب ہو جانے کا واقعہ سنایا۔اُس نے حکم دیا: اس کی لڑکی کو جو جن اٹھا کر لے گیا ہے وہ فوراً حاضر کیا جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ جن مع لڑکی کے حاضر کیا گیا۔یہ جن چین کے جنات سے تھا۔بادشاہ نے اس سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تو نے اس لڑکی کو حضرت غوث اعظمؒ کے حلقے سے اٹھا لیا۔اُس نے کہا: مجھے اچھی لگی تھی، میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔شاہِ جنات نے حکم دیا کہ اس کا سر اڑا دیا جائے۔اور لڑکی کو میرے حوالے کر دیا۔میں نے بادشاہِ جنات سے پوچھا تجھ سے زیادہ میں نے فرماں بردار شیخ کا کسی اور کو نہیں پایا۔کیا وجہ ہے۔ اس نے جواب دیا، ہم اُن کے فرماں بردار کس طرح سے نہ ہوں جب وہ گھر میں تمام دنیا کے جنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی ہیبت سے جنات تھرا اُٹھتے ہیں۔

آپ جیلان یا گیلان کے رہنے والے تھے۔ یہیں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ یہ قصبہ طبرستان کے مضافات سے ہے۔ اس قصبہ کو جیل یا گیل بھی کہتے ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو جیلانی و گیلانی کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے
انا الجیلی و محی الدین اسمی۔ و اعلامی علی راس الجبال۔

بعض مورخین کی رائے میں جیل دریائے دجلہ کے کنارے ایک قصبہ کا نام ہے نیز ایک اور روایت کے مطابق مدائن کے قریب جیل ایک موضع کا نام ہے۔ اِن دونوں کی نسبت سے آپ کو جیلانی یا گیلانی کہتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے اِن دونوں مقامات پر سکونت فرمائی ہو جیسا کہ برجِ عجمی میں آپ کچھ عرصہ قیام پذیر رہے اور یہ برج آپ کے ساتھ منسوب ہو گیا حالانکہ یہ بغداد میں واقع ہے مگر درحقیقت آپ کا مولد گیلان ہی ہے جو طبرستان کے مضافات میں سے ہے۔

آپ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اویسی تھے اور خرقۂ ارادت حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہٗ سے حاصل کیا ہے جن کا سلسلۂ بیعت حضرت معروف کرخیؒ تک پہنچ کر حضرت امام علی رضاؓ تک منتہی ہوتا ہے اور پھر اِن کے آبا کے واسطے سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے پیرِ صحبت حضرت شیخ حماد دباسؒ قدس سرہٗ تھے نیز آپ کی اکثر صحبت حضرت خضر سے رہی ہے۔ فقہی مسائل میں آپ امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ[1] کے مقلد تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی کنیت ام الخیر،

---

[1] محمد بن ادریس نام، ابوعبداللہ کنیت، لقب شافعی تھا۔ قریشی ہاشمی تھے۔ ائمہ اربعہ کے تیسرے امام ہیں پہلے مدینہ میں حضرت امام مالک سے اکتسابِ علم کیا۔ ان سے موطا پڑھی۔ پھر عراق آئے اور حضرت امام محمد شیبانی جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے تلامذہ سے تھے اُن کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر تکمیلِ علوم کی۔ اور مرتبۂ اجتہاد حاصل کیا۔ علوم قرآن وحدیث وفقہ میں لاثانی تھے۔ اس تبحرِ علم کے ساتھ بڑے زاہد و عابد و امین تھے۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ تمام عمر علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں گزاری۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ مزار اقدس قرافۂ مصر میں واقع ہے۔ "حبیبِ اصفیاء" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

لقب امت الجبار اور نام فاطمہ بنت شیخ عبداللہ صومعیؒ ہے۔ جو گیلان کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی[1] نفحات الانس میں فرماتے ہیں: حضرت شیخ عبداللہ صومعی گیلان کے اکابر مشائخ۔ سردارانِ زہاد اور مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے۔ عرفان و سلوک اور خوارق و کرامت میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ اگر آپ کسی سے ناراض ہوجاتے تو اللہ تعالیٰ فوراً آپ کی طرف سے انتقام لے لیتا تھا اور جیسی آپ کی خواہش ہوتی تھی ویسا ہی ظہور پذیر ہوتا تھا۔

آپ کے اصحاب کی ایک جماعت بغرضِ تجارت سمرقند روانہ ہوئی۔ راستے میں رہزنوں نے حملہ کرکے اُن کے مال و متاع کو لوٹنا چاہا۔ چنانچہ آپ کے دوستوں نے اس افراتفری میں آپ کو استمداد کے لئے پکارا۔ آپ فی الفور گھوڑے پر سوار وہاں پہنچے اور باآواز بلند "سبوح قدوس ربنا و رب الملائکۃ والروح" کہا۔ یہ سنتے ہی تمام رہزنوں پر خوف و ہراس چھا گیا اور وہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب امن و اطمینان ہوا تو آپ کی اِدھر اُدھر تلاش کی گئی مگر آپ کو نہ پاکر یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی یہ امداد باطنی تھی۔

حضرت غوث الاعظمؓ کی ولادت جیلان میں ماہِ رمضان کی پہلی شب ۴۷۱ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی والدۂ ماجدہ کی عمر ساٹھ سال کی تھی اور اِس عمر میں اولاد کی توقع منقطع ہوجاتی ہے۔ مگر یہ بھی آپ کے کرامات سے ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ بڑی عارفہ و صالحہ

---

[1] عبدالرحمٰن نام، لقب عمادالدین اور خطاب نورالدین تھا۔ والد کا نام نظام الدین تھا۔ پہلے اصفہان میں سکونت رکھتے تھے پھر نقلِ مکان کرکے جام آکر قیام پذیر ہوگئے تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت امام محمد شیبانی المتوفیٰ ۱۸۹ھ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے منتہی ہوتا ہے۔ ظاہری علوم ہرات میں مولانا خواجہ علی سمرقندی جو اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر تحصیل کئے۔ پھر حضرت خواجہ سعدالدین کاشغری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر تکمیلِ سلوک کی۔ اپنے زمانے کے جید عالم، بے مثال فاضل اور عارف کامل تھے۔ آپ کی ذات جامع علومِ شریعت و طریقت ہے۔ شاعری میں بھی درجۂ بلند رکھتے تھے۔ تمام کلام عارفانہ اور حقائق و معارف سے پُر ہے۔ حنفی المذہب تھے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی المتوفیٰ ۸۹۵ھ سے آپ کو والہانہ عقیدت تھی۔ نفحات الانس، شواہد النبوت، سلسلۃ الذہب، مثنوی یوسف زلیخا، دیوان جامی آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۸۹۸ھ میں وفات پائی۔ "خواجہ جلی" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔

آپ فرماتی ہیں: جب میرا لڑکا عبدالقادرؒ پیدا ہوا۔ رمضان بھر دن میں کبھی دودھ منہ میں نہیں لیا۔ فرماتی ہیں: ایک روز مطلع ابر آلود تھا، چاند نظر نہ آ سکا۔ لوگوں نے آ کر مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا آج دن بھر میرے لڑکے عبدالقادر نے دودھ نہیں پیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں جیلان سے بغداد تحصیلِ علم کے لئے تشریف لائے۔ پہلے قرآن شریف ختم کیا۔ پھر تفسیر و حدیث و فقہ اور دیگر علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں ممتاز شہرۂ آفاق ہو گئے اور اسی پہلے سفر میں ساٹھ رہزنوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

۵۲۱ھ میں بہ اشارہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علیؓ منبر پر وعظ کہنا اور دعوت و تبلیغ کرنا شروع کر دیا۔ آپ تمام علومِ متداولہ میں مہارتِ کامل رکھتے تھے اور ہر علم سے متعلق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آں جناب اکثر حالتِ وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ "اے اہل آسمان و زمین آؤ اور میری بات سنو کہ میں نائب و وارثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں"۔

آپ کی ہر مجلس میں ستر ہزار حاضرین کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ چار سو شخص آپ کے کلام کو لکھتے۔ تاثیرِ کلام کا یہ حال تھا کہ سامعین میں سے اکثر لذتِ ذوق و شوق و غلبۂ حال میں جاں بحق ہو جاتے۔ بعض پر بیخودی و وجد طاری رہتا اور وہ کئی دن تک ہوش میں نہ آتے۔

شیخ ابوسعید قیلوی[1] فرماتے ہیں، آپ کی مجلسِ وعظ میں میں نے بار ہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و دیگر پیغمبران علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز ملائکہ اور جنات کو صف بہ صف دیکھا ہے۔

تصانیف میں فتوح الغیب[2]، جلاء الخواطر، غنیۃ الطالبین، فتح الربانی اور قصائد وغیرہ

---

[1] حسنی سادات اور عراق کے مشائخ کبار سے تھے۔ زہد و تقویٰ، علم و فضل اور کرامات و مقامات میں درجۂ بلند کے حامل تھے۔ خرقۂ ارادت حضرت غوث الاعظم سے حاصل کیا تھا۔ ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار قیلویہ میں ہے۔

[2] یہ کتاب آپ نے اپنے فرزند شیخ شرف الدین عیسیٰ المتوفیٰ ۵۷۳ھ کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کی تو الیف و تصانیف سے ہیں۔ کتابوں میں آپ کا حلیہ مبارک (خلقت و صورت آرائش وصفت) اس طرح تحریر کی گئی ہے۔ نحیف الجسم، قد میانہ، کشادہ سینہ، بلند پیشانی، گندم گوں رنگ، دونوں ابرو باہم پیوستہ، آواز بلند، لباس عالمانہ زیبِ تن فرماتے تھے۔ کبھی اطلس کے قیمتی کپڑے پہنتے تھے اور کبھی ایسے کپڑے ہوتے تھے کہ ایک گز ایک دینار قیمت کا ہوتا تھا۔

فرماتے ہیں "میں اس وقت تک نہیں پہنتا جب تک پہننے کا حکم نہ فرمائیں۔ میں اُس وقت تک نہیں کھاتا جب تک وُہ نہ کھلائیں۔ میں اُس وقت تک بات نہیں کرتا جب تک کہ نہ بلوائیں۔

سلاطین و امراء کے علاوہ اگر کوئی شخص خدمتِ اقدس میں ہدیہ و نذرانہ پیش کرتا تو اُسے قبول فرما لیتے اور حاضرین میں تقسیم فرما دیتے۔ اگر کوئی صدقہ لاتا، اُسے بھی قبول کرتے مگر خود اُس میں سے تناول نہ کرتے۔ تمام کا تمام حاضرینِ مجلس میں تقسیم کر دیا جاتا۔ آپ سے زیادہ خوش اخلاق، باحیا، شریف، مہربان اور نرم دل کوئی دوسرا نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے ہر مصاحب کو یہی گمان ہوتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ اور کسی کو نہیں چاہتے۔

ایک روز ایک چور آپ کے گھر آیا۔ اندھا ہو گیا اور کچھ نہ لے جا سکا۔ اسی اثنا میں جناب خضرؑ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: یا ولی اللہ ایک ابدال[1] فوت ہو گیا ہے جس کے لئے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۹) حضرت کے یہ صاحبزادے آپ ہی کے خلیفہ و شاگرد تھے۔ جامع علومِ ظاہر و باطن تھے۔ بغداد میں حدیث و فقہ کا درس دیتے تھے۔ علمِ تصوف کے حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصنیف جواہر الاسرار ہے۔

[2] یہ کتاب حضرت غوث الاعظم کے ملفوظات ہیں۔ انہیں آپ کے فرزند شیخ تاج الدین عبدالرزاق المتوفیٰ ۵۹۵ھ نے جمع کیا تھا۔ آپ بھی اپنے والد ماجد ہی کے خلیفہ و شاگرد تھے۔ ولایت و امامت میں مدارجِ بلند پر فائز تھے۔

[3] علومِ فقہ و حدیث و تصوف میں آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ المتوفیٰ ۱۰۶۸ھ نے حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہ المتوفیٰ ۱۰۴۶ھ کے ایماء سے کیا تھا۔

[1] ابدال، اوتاد، رجال الغیب، اہلِ تصوف میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ ابدال کی تعداد ستر بیان کی جاتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی وصال پا جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اوتاد اہلِ تصوف میں سے اُن اولیاء کا خطاب ہے جو اپنے مقام سے کہیں نہیں جاتے ان کی تعداد چار ہوتی ہے۔ رجال الغیب یا (باقی اگلے صفحہ پر)

حکم ہوا اُسے اُس ابدال کی جگہ پر مقرر کر دیا جائے۔ فرمایا: ہمارے گھر میں ایک شخص امیدوار آیا ہوا ہے اور ہمارے گھر کے ایک کونے میں چھُپا ہوا ہے۔ جاؤ اسے باہر لاکر مرحوم ابدال کی جگہ پر مقرر کر دو۔ حضرت خضر اسے باہر لے آئے۔ خدمتِ اقدس میں حاضر کیا وہ گمراہ ایک ہی نظرِ کیمیا اثر سے بینا ہو کر مرتبۂ ولایت کو پہنچ گیا۔

رجال الغیب میں سے ایک اڑتا ہوا شہر بغداد کی جانب سے گزرا۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ شاید بغداد میں اس وقت کوئی مردِ باخدا نہیں ہے۔ حضرت غوث الاعظم کو نورِ باطن سے اِس کا علم ہو گیا۔ آپ نے اُس کے کمالات واحوال کو اسی وقت سلب کر لیا۔ پس وُہ مردِ غیب ہوا سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے قصور کی معافی چاہی اور تائب ہُوا۔ حضرت نے اُس کے کمالات واحوال اُسے واپس فرما دیئے اور وُہ پھر اسی طرح اڑتا ہوا واپس چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت غوثِ اعظم منبر پر رونق افروز ہو کر وعظ فرما رہے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) چہل تناں۔ اہلِ تصوف میں وُہ چالیس ابدال جن کے وجود سے عالمِ ایجاد کا انتظام بحکم ملک العلام قائم ہے۔ غوث وقطب، رئیسِ اولیا، ابوالوقت، عارفِ کامل، پیشوائے طریقت، صاحبِ تصرف و خوارقِ کرامت اور واصل بحق ہوتا ہے۔ نیز علماء و صوفیہ کی ایک جماعتِ کثیر حضرت خضر کی نبوت اور ان کی حیاتِ جاوید پر متفق ہے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں کہ جمہور اہل علم وصلاح کا یہی قول ہے کہ خضر زندہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک قرآن مجید اٹھا نہیں لیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے شرح البخاری میں اور امام سخاوی نے بھی یہی کہا ہے مگر محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا جن میں امام بخاریؒ، ابن مبارک، ابن حزم اور ابن جوزی شامل ہیں۔ صوفیہ سے حضرت خضر کی ملاقات تواتر کی حد تک پہنچی ہُوئی ہے۔ آپ غوث وقطب کی صحبت میں وقت گزارتے ہیں۔ صلحائے زمانہ کو تعلیم دیتے ہیں اور اکثر متبرک مقامات پر تشریف لاتے ہیں۔ بعض صوفیہ اپنے مرشد سے فیض یاب ہونے کے علاوہ حضرت خضر اور دیگر بزرگوں کے بھی اویسی تھے۔ اویسی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کسی سے باطنی فیض پہنچا ہو۔

دو سو کے قریب اولیاء اللہ حاضرِ مجلس تھے، جن میں شیخ حماد و یاس بن مسلم، شیخ بقا بن بطو، شیخ علی ہیتیؒ، خواجہ یوسف[۱] ہمدانی، شیخ ضیاء الدینؒ ابو النجیب[۲] عبد القاہر سہروردیؒ، شیخ الشیوخ شہاب[۳] الدین عمر سہروردیؒ، شیخ قضیب[۴] البانؒ، شیخ احمد بن[۵] مبارکؒ، شیخ صدقہ، شیخ جاگیرؒ

---

[۱] یوسف بن ایوب نام، ابو یعقوب کنیت، ہمدان کے رہنے والے تھے۔ شیخ بو علی فارمدی سے بیعت تھے۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ جب تحصیلِ علوم کے لئے بغداد تشریف لائے تو حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں بھی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ مذہباً حنفی تھے۔ سلسلۂ خواجگانِ چشت کے سردار ہیں۔ ۵۳۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مرو میں ہے۔ خواجہ حسن اندانی، خواجہ احمد یسوی، خواجہ عبد الخالق غجدوانی آپ کے نامور مرید و خلفاء ہیں۔

[۲] نام عبد القاہر، لقب ضیاء الدین، سلسلۂ نسب حضرت ابو بکر صدیق تک منتہی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ احمد غزالی المتوفیٰ ۵۱۰ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ تمام علوم میں کامل و اکمل تھے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ سے ہم نشینی کی سعادت حاصل تھی۔ ۵۶۳ھ میں وفات پائی۔

[۳] شہاب الدین نام، ابو حفص کنیت، شیخ الشیوخ لقب، والد کا نام شیخ محمد تھا۔ عراق عجم کے مشہور قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے۔ اپنے عم بزرگوار حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہرؒ کے بزرگ ترین مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ سلسلۂ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ اپنے وقت کے امام و مقتدا تھے متعدد تصانیف کے مصنف ہیں جن میں سے عوارف المعارف تصوف میں بڑے پایہ کی تصنیف ہے۔ علوم قرآن کے فاضل اور حدیث و فقہ کے عالمِ متبحر تھے۔ تمام احوال و مقامات کو شرعی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کے مرید بھی اپنے وقت کے فاضل و کامل ہوئے ہیں۔ خاص کر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، سید نور الدین مبارک غزنویؒ، قاضی حمید الدینؒ ناگوری، شیخ نجیب الدینؒ علی برغش شیرازی آپ کے نامور خلفاء تھے۔

[۴] کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظمؓ کے کامل مریدوں سے تھے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ کسی نے حضرت غوث اعظمؓ سے شکایت کی کہ قضیب البان نماز نہیں پڑھتے۔ فرمایا اس کا سر ہر وقت خانہ کعبہ کے آستانہ پر سجدہ ریز رہتا ہے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔

[۵] عابد و زاہد اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ حضرت غوثِ اعظمؓ کے خادم خاص تھے۔ آپ کو ہمیشہ حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ حضرت جب وعظ کے لئے کرسی پر تشریف لاتے تو آپ کرسی پر اپنی چادر بچھایا کرتے تھے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے اکابر صوفیہ بھی شریکِ مجلس تھے ۔ درمیان خطبہ میں آپ نے فرمایا: "قدمی ھذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ"۔ شیخ علی ہیتی اُٹھ کر منبر کے پاس آئے اور حضرت غوثِ اعظم کا پائے مبارک اُٹھا کر اپنی گردن پر رکھا۔ اس پر تمام اولیا نے اپنی گردنیں جھکالیں ۔ روایت ہے اکثر اولیاء جو حضرت غوث الاعظم کے زمانے سے پہلے گزرے ہیں ۔ انہوں نے اپنے نورِ باطن سے ظہورِ نورِ غوثیہ کی پیشین گوئی کی تھی ان میں سے خاص کر شیخ ابوبکر بن مراد الطانجی قدس سرہٗ جو عراق کے متقدمین اکابر مشائخ سے ہیں اور خوارق وکرامت مقامِ بلند ہیں جنہوں نے عالمِ رویا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی اور خرقہ حاصل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ جو بھی میرے روضہ میں داخل ہو اس پر دوزخ کی آگ حرام فرما اور یہ مشہور ہے کہ اُن کے مزار کے قریب گوشت یا مچھلی پکانے سے کبھی نہیں پکتی تھی۔ مزار مبارک بطائح میں ہے۔ فرماتے ہیں: عراق کے اوتاد سات بزرگ ہیں۔ معروف کرخی، امام حنبل، بشر حافی، منصور بن عمار، جنید بغدادی، سہیل بن عبداللہ تستری اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم ۔ اِن سے پوچھا گیا: شیخ عبدالقادر کون ہے؟ فرمایا: ایک کریم النفس عجمی ہے۔ جو بغداد میں پیدا ہوگا اور اس کا ظہور پانچویں صدی ہجری میں ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صلا) لے کنیت ابوالفرج ہے۔ باپ کا نام حسین تھا، سکونت بغداد میں تھی ۔حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں اکثر حاضر ہوکر فیوض وبرکات حاصل کرتے تھے۔ زہد و ورع اور عبادت وریاضت میں باکمال تھے۔ ۵۰۳ھ میں وفات پائی۔

ان کے آباد اجداد کردستان کے رہنے والے تھے۔ نواحِ سامرہ ان کا وطن تھا۔ تاج العارفین ابوالوفا کے مرید تھے ۔ عالم و فاضل اور صاحبِ کراماتِ عالیہ تھے۔ حضرت غوث الاعظم سے شرفِ ہم نشینی حاصل تھا۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

لہ کنیت ابونصر ہے۔ والد کا نام حارث بن عبدالرحمٰن ہے۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ عراق کے مشائخ متقدمین میں مرتبۂ بلند رکھتے تھے۔ صاحبِ خوارق وکرامت تھے۔ بغداد میں سکونت رکھتے تھے ۔ اپنے ماموں علی خشرم کے مرید تھے ۔ امام احمد حنبل اور فضیل عیاض کی صحبت میں رہے تھے۔ ۲۲۵ھ میں وفات پائی ۔

کنیت ابومحمد ہے۔ مذہباً حنفی تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید تھے ۔ عراق کے علمائے کبار اور مشائخ عظام سے تھے ۔ طریقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہ سہیلیہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بنیاد اجتہاد اور مجاہدۂ نفس پر ہے۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت غوث الثقلین فرماتے ہیں : میں نے مکمل پچیس سال جنگلوں میں تجرید و تفرید اور عبادت و ریاضت میں گزارے ہیں۔ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے پندرہ سال تک نمازِ عشاء کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر طلوعِ صبح سے پہلے ایک قرآن شریف ختم کیا ہے۔ ایک رات میرے نفس نے آرزوئے خواب کی۔ مگر میں نے اُس کی اِس خواہش پر کان نہ دھرا اُس وقت میں چالیس دن کا روزہ رکھتا تھا اور چالیس روز کے بعد جنگل کے پتوں اور اشیائے مباحِ بیابانی سے روزہ افطار کرتا تھا۔

فرمایا : حق تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا۔ میں نے اپنی حدِ نظر تک دیکھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی میرے اصحاب اور مریدوں کے نام لکھے ہوئے تھے جو قیامت تک اپنی نسبتوں کو میری طرف منسوب کرکے اصلاح چاہیں گے۔ حکم ہوا میں نے ان سب کو تیری وجہ سے بخش دیا۔

فرمایا، خدا کی قسم میں اُس وقت تک سجدے سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرے مریدوں کو میرے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

فرمایا : اگر میرا کوئی مرید مشرق میں برہنہ ہوجائے تو میں مغرب میں ہونے کے باوجود اُس کو اپنے دامن میں چھپالوں گا۔

دریافت کیا گیا، حضرت اگر کوئی شخص اپنے آپ کو حضور کا مرید کہے۔ مگر درحقیقت اس نے آپ سے بیعت کی ہو نہ خرقہ پہنا ہو۔ کیا ہم اُس کو حضرت کے مریدوں میں شمار کریں۔ فرمایا : ہاں کیوں نہیں جو اپنی نسبت میری طرف کرے گا حق تعالیٰ اُس کو قبول فرمائے گا، اُس کے گناہ بخش دے گا اور وہ میرے مریدوں ہی سے سمجھا جائے گا۔

فرمایا : ہر مسلمان جو میرے مدرسے کی طرف سے گزرا یا اس نے میرا مُنہ دیکھا یا میرا نام سُنا اور خوش ہوا۔ اُس پر سے تا روزِ قیامت عذاب دُور کر دیا جائے گا۔

آپ کی وفات شریف بروایات صحیح بشب شنبہ ۸ یا ۹ ربیع الثانی بعد از نمازِ عشاء ۵۶۱ھ یا ۵۷۰ھ میں واقع ہوئی۔ بعض اہلِ تاریخ گیارہ یا تیرہ یا سترہ ماہِ مذکور بیان کرتے ہیں مگر صحیح ۹۔ ربیع الثانی ہی کہا جاتا ہے۔ پاک و ہند میں آپ کا سالانہ عرس ۱۱ کو اور بغداد میں

۱۷ کو ہوتا ہے۔

مزارِ اقدس بغداد میں مدرسہ باب الازخ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

[آخر میں مولف خزینۃ الاصفیا حضرت مولانا مفتی غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ حضرت غوث الاعظم سے جتنی کرامات سرزد ہوئی ہیں اُتنی کسی اور ولی اللہ سے نہیں ہوئیں۔ جن کا ذکر کتب بہجۃ الاسرار، تحفۂ قادریہ، انیس القادریہ، مناقب غوثیہ وغیرہ میں مفصل و مشروح مذکور ہے۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے کتاب خزینۃ الاصفیاء سے پہلے ایک کتاب گلدستۂ کرامات حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ و مطالعہ کی جائے۔

مولفِ علام نے تین کتابیں حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کی منقبت میں تالیف و تصنیف کی ہیں:

۱۔ گلدستۂ کرامات: یہ کتاب ۱۲۷۷ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نولکشور لکھنؤ سے چار بار، دہلی سے دو بار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اُردو نظم و نثر میں ہے۔ اس میں کل اکیانوے مناقب ہیں کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی اکیانوے سال کی تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ "باغِ محی الدین گیلانی" اس کی تاریخِ تالیف ہے۔

۲۔ مناقبِ غوثیہ: حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اُردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب آجکل کم یاب ہے۔

۳۔ دیوانِ سروری: اُردو نظم میں ہے۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا۔ لکھنؤ، دہلی اور لاہور میں کئی مرتبہ چھپا۔ یہ پورا دیوان حضرت غوث الاعظم کی منقبت میں ہے۔ دو غزلیں لکھی جاتی ہیں جن سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مغفور کو غوث الاعظم قدس سرہٗ سے کس قدر والہانہ ارادت و عقیدت تھی۔

(۱)

توئی در دو جہاں والی اغثنی شاہِ محی الدین

توئی شاہنشہِ عالی اغثنی شاہِ محی الدین

منم یک خادمِ کمتر بحالِ خویش بس مضطر
مدد کن اے شہِ اکبر اغثنی شاہِ محی الدین

من ایں حالت کرا گویم مدد من از کجا جویم!
سیاہ رویم کجا پویم اغثنی شاہِ محی الدین

منم بیکس نہ کس دارم نہ کس فریاد رس دارم!
فقط از تو ہوس دارم اغثنی شاہِ محی الدین

بہ بیں چشم پُر آبِ من بہ بیں حالِ خرابِ من
بہ بیں ایں پیچ و تابِ من اغثنی شاہِ محی الدین

حکومت را توئی شاہے ولایت را توئی ماہے
توئی پیرِ دل آگاہے اغثنی شاہِ محی الدین

توئی سردارِ کُل عالم بہر بیکس توئی ہمدم
بسرور کن نظر ہر دم اغثنی شاہِ محی الدین

---

(۲)

افسرِ اہلِ صفا حضرت غوث الثقلین! گشت محبوبِ خدا حضرت غوث الثقلین
جلوہ گر نورِ رخش گشت بعالم چوں ماہ ماہ رو ماہِ لقا حضرت غوث الثقلین
مخزنِ لطف و کرم مطلعِ انوارِ قدم معدنِ جُود و سخا حضرت غوث الثقلین
مرشدِ اہلِ صفا ہادئ اقلیمِ ھُدا! مظہرِ نورِ خدا حضرت غوث الثقلین
گر تو خواہی کہ شوی زِ اہلِ صفا اے سرور
پس بگو صبح و مسا حضرت غوث الثقلین (مترجم)

قطعاتِ تاریخِ ولادت و وفات:

عزِ آلِ حیدری و فخرِ اولادِ حسن! عبدِ قادر شاہِ محی الدین ولی پیرانِ پیر

دوست فرما عشق گو عاشق بداں ملت بخواں
سالِ تولیدش دگر محبوبِ سلطان الکبیر

باز از دل گشت محی الدین نورانی رقم
نیز محی الدین بحرِ حق بتولیدش بگیر

ارتحالِ پاکِ او سلطان عبدالقادر است
عاشقِ کامل دگر مہدی ولی اللہ فقیر

گفت مسکین عبدِ قادر ہم فقیرِ نیک نام
خانہ ام از بہرِ وصلِ آں شہِ روشن ضمیر

عارفِ محبوب محی الدین شدہ تاریخِ او
باز محی الدین رکن الحق خیر شد از خبیر

مثنوی

محی دین غوثِ معلّٰی قطبِ دین
ذاتِ او محبوبِ ربّ العالمین

پیرِ پیراں نیزِ میراں دستگیر
شاہِ والا پیرِ ہر برنا و پیر !!

قرۂ چشمِ جنابِ مصطفےٰؐ
نورِ حق لختِ دلِ خیر النساء

سالِ تولیدش بگو اے مدح خواں
پیرِ محی الدین والئ جہاں

بالیقیں تولید آں والئ حق
خواں امام المسلمین ہادئ حق

سالِ تولیدش بصد صدق و صفا
شد رقم محبوبِ قطبِ اصفیاء

گفت دل سالِ وصالِ او چنیں
اہلِ دل محبوبِ ربّ العٰلمین

۳۵۔ حضرت شیخ ابو عمر قرشی قدس سرہٗ

عثمان نام، مرزوق بن حمید بن سلامہ باپ کا نام تھا۔ حنبلی مذہب رکھتے تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کے مرید و شاگرد تھے۔ علمِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ صاحبِ کشف و کرامت اور مصر کے مشائخِ عظام سے تھے۔ ایک سال دریائے نیل میں بےحد طغیانی آ گئی، مصر کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طغیانی کے کم ہو جانے کی درخواست کی۔ آپ دریا کے کنارے پر آئے۔ بیٹھ کر وضو کیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا۔ اگلے سال

پانی کم آیا۔ مصری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پانی کی زیادتی کی التماس کی۔ آپ دریا پر آئے اور اپنے ساتھ اپنا کوزہ لائے۔ وہاں بیٹھ کر وضو فرمایا۔ دریا کا پانی بڑھنا شروع ہوا اور آپ کی دعا کی برکت سے زراعت میں ترقی ہوئی۔ ۵۶۱ھ میں وفات پائی۔ مزار حضرت امام شافعی کے مزار کے قریب ہے۔ قطعۂ تاریخِ وفات:

چو عمر شیخ مقتدائے جہاں پیر والا گہر ولی مقبول
رحلتش ہست بو عمر معصوم ہم ز بو عمر ولی مقبول

۲۶۔ شیخ قضیب البان موصلی قدس سرہٗ

کنیت ابوعبداللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظمؓ کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔ آپ کی ذات سے بے حد خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ قاضی موصل کو آپ سے سخت اختلاف تھا۔ ایک روز موصل کے کسی بازار سے گزرتے ہوئے قاضی سے دوچار ہوگئے۔ قاضی نے دل میں کہا: آج موقع ہے گرفتار کرکے حاکم کے سپرد کر دینا چاہئے تاکہ اچھی طرح سزا ملے۔ قاضی نے اچانک دُور سے دیکھا کہ گرد اڑ رہی ہے۔ جب وُہ قریب آئی تو معلوم ہوا کوئی قوی ہیکل مغرور پہلوان ہے اور قریب ہُوا تو ایک اعرابی کی صورت میں متشکل ہوگیا۔ پھر عالم و فقیہی کی شکل میں ظاہر ہوا اور قاضی کے قریب آکر کہنے لگا۔ کہو ان تینوں شکلوں میں سے کون سی شکل حاکم کے سامنے لے جاکر سزا دلانا چاہتے ہو۔ قاضی اسی تبدیلِ ہیئت سے خوف زدہ ہوگیا۔ تائب ہوکر شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔

کسی نے حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں شکایت کی کہ شیخ قضیب البان نماز نہیں پڑھتے۔ فرمایا: اُن کا سر ہمیشہ خانہ کعبہ کی دہلیز پر پڑا رہتا ہے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک موصل میں ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات:

رہنمائے جہاں قضیب البان شیخ ذی جاہ رہبرِ معصوم
رحلتش کاشف القلوب بگو خواں دگر بار پیر دیں مرحوم
۵۷۰ھ ۵۷۰ھ

۲۷۔ شیخ احمد بن مبارک قدس سرہٗ

زاہد و عابد، صاحبِ کشف و کرامت اور حضرت غوث الاعظم کے خادمِ خاص تھے۔ ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی روشن دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ جب حضرت غوث الثقلین وعظ کے لئے کرسی پر تشریف رکھتے تھے تو آپ اپنی چادرِ مبارک کرسی پر بچھایا کرتے تھے۔ ۶۰۲ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

شیخ احمد بن مبارک چوں بفضلِ ایزدی یافت از دنیائے دوں در جنتِ اعلیٰ مقام
رحلتش احمد مقدس بن مبارک شد رقم نیز احمد نورِ ربانی شد از سرور عیاں
۶۰۲ھ ۶۰۲ھ

۲۸۔ حضرت شیخ سید احمد رفاعی بن سید ابی الحسن قدس سرہٗ

اپنے زمانے کے شیخ الوقت اور امام الاولیاء تھے۔ بڑے عابد و زاہد، عالم و فاضل اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ آبائی نسبت امام علی بن موسیٰ کاظم سے ہے۔ نسبتِ خرقہ پانچ واسطوں سے حضرت شیخ شبلی تک منتہی ہے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین نے ان کی ہمشیر کو اپنی بہن کہا تھا اس لئے آپ انہیں اپنا خواہر زادہ سمجھتے تھے۔ ایک روز شیخ احمد رفاعی کے بھانجے شیخ ابو الحسن ان کے حجرے کے دروازے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر نظر کی تو دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ حیران رہ گئے کہ یہ کس راستے سے اندر آیا ہے۔ چند ساعت تک وہ شیخ سے ہم کلام رہا۔ جب فارغ ہوا تو جو روزنِ دیوارِ خلوتِ شیخ میں تھا اُس میں سے برقِ خاطف کی طرح نکل گیا۔ شیخ ابو الحسن کہتے ہیں میں یہ حال دیکھ کر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ یہ کون شخص تھا۔ فرمایا: "تُو نے اسے دیکھا ہے"۔ کہا ہاں۔ فرمایا: یہ شخص رجال الغیب سے تھا۔ تین روز ہوئے بارگاہِ کبریائی سے مہجور (یعنی معزول) ہو گیا ہے۔ میں نے

سبب پوچھا۔ فرمایا: ایک روز جزائر بحرِ محیط میں جہاں یہ مقیم ہے۔ دو تین روز بارش ہوتی رہی اس کے دل میں خیال گزرا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ بارش آباد زمین پہ ہوتی اور خلقِ خدا کو اس سے پورا نفع ہوتا۔ اپنے اس خیال کی وجہ سے بارگاہِ رب العزت سے مہجور ہو گیا ہے۔ میں نے کہا: آپ نے اسے اس حال سے خبر کیوں نہ دی۔ فرمایا: شرم آئی کہ اس کے سامنے اس کی معزولی کا حال بیان کروں۔ میں نے کہا: اگر آپ فرمائیں تو اسے اس حال سے مطلع کروں۔ فرمایا: کر سکتا ہے۔ کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: اپنا سر گریبان میں ڈالو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک لمحہ کے بعد آواز آئی۔ اے ابوالحسن! سر اٹھا اور آنکھیں کھول۔ جب سر اٹھایا اور آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں بحرِ محیط کے جزائر میں سے ایک جزیرے میں ہوں۔ حیران رہ گیا۔ ہمت کر کے اٹھا۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ ایک جگہ پر اس مرد کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پاس گیا۔ سلام کیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے مجھے قسم دی کہ جس طرح میں کہوں تم نے اسی طرح کرنا ہے۔ میں نے کہا بسروچشم۔ اس نے کہا: میرا خرقہ میری گردن میں ڈال اور مجھے زمین پر گھسیٹ اور یہ کہہ کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے۔ پس میں نے اس کا خرقہ اس کی گردن میں ڈالا اور زمین پر گھسیٹنا ہی چاہتا تھا کہ ندائے غیب آئی: اے ابوالحسن اسے چھوڑ دے۔ ملائکہ زمین و آسمان پر گریہ زاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر خوش ہے۔ میں نے جب یہ آواز سنی تو بے خود ہو گیا۔ جب اپنے آپ میں آیا تو دیکھا سیّد احمد رفاعی کے سامنے حاضر ہوں۔ میں اپنے آنے جانے پر مطلق آگاہ نہ ہوا۔ صاحبِ مناقبِ غوثیہ حضرت شیخ محمد صادق شیبانی فرماتے ہیں: ایک روز میں حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے اپنے ایک خادم سے کہا: سیّد احمد رفاعی کے پاس جا اور پوچھ کہ عشق کیا ہے؟ اور اس کا جواب مجھے لا کر دے۔ خادم ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کا پیغام دیا۔ یہ سنتے ہی انہوں نے ایک آہِ جانکاہ اپنے سینۂ پُرسوز سے کھینچی اور کہا کہ عشق ایک ایسی آگ ہے جو ما سوا اللہ کو جلا ڈالتی ہے۔ اُن کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہوئے تھے وہ جل اٹھا اور سیّد احمد رفاعی بھی اس کے ساتھ جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر وہی راکھ پانی ہو کر

برف کی مانند جم گئی ۔ خادم خوف زدہ ہو کر خدمتِ حضرت غوث الاعظم میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کیا ۔ فرمایا : پھر اسی جگہ پر جا اور اس جگہ کو بخور و عطر سے معطر کر ، جسمِ سید احمد رفاعی اس عالمِ عنصری کی طرف رجوع کرے گا ۔ چنانچہ خادم اسی جگہ پر واپس آیا اور حضرت کے فرمودہ کے مطابق اس جگہ کو معطر کیا ۔ ابھی ایک ساعت بھی نہ گزری تھی کہ جو پانی سید احمد رفاعی کی جگہ پر جما ہوا تھا اس نے جسم کی صورت اختیار کر لی اور سید احمد رفاعی دوبارہ زندہ ہو گئے ۔

روایت ہے جو شخص حاجت کے لئے آپ سے تعویذ طلب کرتا آپ اسے تعویذ کر دیتے ۔ اگر قلم و سیاہی نہ ہوتی تو سفید کاغذ پر ہی اپنی انگلی سے بغیر قلم و سیاہی لکھ دیتے ۔ ایک روز ایک شخص بغرضِ امتحان تعویذ کھول کر خدمتِ شیخ میں لایا اور استدعا کی کہ تعویذ لکھ دیجئے ۔ جب انہوں نے کاغذ ہاتھ میں لے کر دیکھا تو فرمایا : اے فرزند تعویذ تو اس پر لکھا ہوا ہے ۔ اگر تو چاہتا ہے تو سادہ کاغذ پر دوبارہ سیاہی سے لکھ دوں ۔ اس کاغذ پر حروف بشکلِ نور موجود ہیں ۔

ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے واسطے سے آتشِ دوزخ سے آزاد ہو جاؤں اور مجھے اسی وقت خطِ آزادی آسمان سے آجائے ۔ اُسی وقت ایک سفید کاغذ برق خاطف کی طرح آسمان سے آپ کے سامنے آگرا ۔ شیخ نے وہ کاغذ اٹھا کر سائل کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا : لے آتشِ دوزخ سے یہ تیرا خطِ آزادی ہے ۔ اس نے دیکھا تو وہ محض سفید کاغذ تھا ۔ عرض کیا : اس پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا ۔ فرمایا : یہ کاغذ نور سے لکھا ہوا ہے جو دل ہی کی آنکھ سے پڑھا جا سکتا ہے ۔ ۵۷۶ھ میں وفات پائی ۔

قطعۂ تاریخِ وفات :

سید احمد رفاعیؒ سرورِ دورِ زماں	شد چو از دنیائے فانی راہیِ خلدِ بریں
قطبِ کامل شاہِ دین شد سالِ ترحیلش رقم	ہم بگو "احمد رفاعی سید ہادیِ دیں"
۵۷۶ھ	۵۷۶ھ

۳۹۔ حضرت شیخ سید شرف الدین عیسٰی قدس اللہ سرہ العزیز

سید شرف الدین عیسٰی نام، کنیت ابو عبدالرحمٰن۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادوں سے ہیں۔ تحصیلِ علوم اپنے والدِ گرامی ہی کے زیرِ سایہ کی تھی۔ حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ کتاب جواہر الاسرار علمِ تصوف کے حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ کتاب فتوح الغیب حضرت غوث الاعظم نے آپ ہی کے لئے تصنیف کی تھی۔ ۵۷۳ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

شیخ شرف الدین چو رفت اندر جناں   سالِ وصلِ آں شہِ اہلِ کمال!
کن رقم "مسعود سید پیشوا"!   "متقیٔ پاک" ہم سالِ وصال
۵۷۳ھ   ۵۷۳ھ

۴۰۔ حضرت شیخ صدقہ بغدادی قدس سرہٗ

شیخ صدقہ نام، ابو الفرح کنیت، باپ کا نام یسین تھا۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر اخذِ فیض کرتے تھے۔ ایک روز حالتِ جذب و سکر میں کچھ ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکل گئے جو ظاہر میں خلافِ شریعت تھے۔ علمائے وقت نے ان کلمات پر مواخذہ کیا۔ خلیفہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی۔ جس وقت جلاد نے آپ کے کپڑے اتار کر کوڑے لگانے چاہے تو شیخ صدقہ کے ایک خادم نے اے شیخ اے شیخ کی فریاد بلند کی۔ اسی وقت ضارب کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ اسی واقعہ نے ناظرین پر ہیبت طاری کر دی۔ خلیفہ نے خائف ہو کر انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ وہاں سے آپ حضرت غوث الاعظم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا: اے صدقہ جس وقت تیرے خادم نے فریاد بلند کی میں نے سنا اور مدد میں مشغول ہوا۔ ۵۷۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

امام جہاں صدقہ پیرِ کبیر   فدا کرد در عشقِ حق جان و تن

تو سردارِ حق سالِ وصلش بگو ۵۷۳ھ   دگر "صدقہ صادق امامِ زمن" ۵۷۳ھ

۴۱۔ حضرت شیخ ابو عمر حریفی قدس سرہٗ

عثمان نام تھا۔ حضرت غوث الاعظم کے بزرگ ترین مریدوں سے تھے۔ فقر اور تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے۔ فرماتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وُہ مجھے اپنی طرف کھینچے تو اِس کی ابتدا اس طرح پر ہُوئی کہ ایک رات مَیں اپنے گھر میں آسمان کی طرف منہ کئے لیٹا ہوا تھا۔ دیکھا کہ پانچ کبوتر اڑتے ہُوئے جا رہے ہیں۔ پہلا پڑھتا تھا سبحان من عندہ خزائن کل شیئ و ما نزلہ الا بقدر معلوم۔ پاک ہے وُہ ذات جس کے پاس تمام چیزوں کے خزائن ہیں۔ وُہ نازل کرنے والا ہے مگر ایک اندازۂ معلوم میں۔

دوسرا پڑھتا تھا: سبحان من اعطی کل شیی خلقہ ثم ھدی۔ پاک ہے وُہ ذات جو ہر چیز کو عطا کرتا ہے۔ پیدا کرتا ہے اور پھر اسے ہدایت دیتا ہے۔

تیسرا پڑھتا تھا: سبحان من بعثت الانبیاء حجۃ علی خلقہ و فضل علیہم محمد۔ پاک ہے وُہ جس نے انبیاء کو اپنی مخلوق پر حجت پیدا کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت دی۔

چوتھا پڑھتا تھا: کل ما فی الدنیا باطل الا ما کان للہ و رسولہ۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب باطل ہے سوائے اس کے جو خدا اور رسول کے واسطے ہو۔

پانچواں پڑھتا جاتا تھا: یا اھل الغفلۃ من مولٰکم قوموا الی ربکم رب کریم یعطی العطاء الجزیل و یغفر الذنوب رب العظیم۔ اے اہلِ غفلت اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو جاؤ جو بڑا ہی عطاء و کرم کرنے والا اور گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔

میں یہ سن کر بے خود ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو دنیا و ما فیہا کی محبت میرے دل سے محو ہو چکی تھی۔ وہ رات بڑی بیقراری اور اختر شماری میں گزار دی۔ اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اپنے آپ کو کسی ایسے مرشدِ کامل کے سپرد کروں گا جو مجھے واصل بحق کرے۔ تلاشِ مرشد میں چل نکلا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرف جاؤں۔ اچانک ایک پیرِ روشن ضمیر راستے میں ملا۔

اس نے میرا نام لے کر مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ پوچھا، آپ کون ہیں؛ میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا: میں خضر ہوں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا، کل صریفین میں ایک آدمی جذب حق کو پہنچا ہے اور بارگاہِ حق میں قبول ہوا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مرشدِ کامل کے سپرد کر دے گا جو اسے خدا تک پہنچائے گا۔ پس تم اس کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لاؤ۔ پس تم فوراً حضرت غوث الاعظم عبدالقادر سید العارفین کی خدمت میں جاؤ۔ میں یہ سن کر فرطِ خوشی سے بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو بغداد میں پایا۔ بڑی مسرت و فرحت کے ساتھ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا، مرحبا اے مجذوبِ خدا ابوعمر جلدی ہی اللہ تعالیٰ تجھے ایک مرید عبدالغنی بن نقفہ عطا کرے گا۔ اولیاء میں اس کا بلند مرتبہ ہو گا۔ بڑے بڑے ولی اللہ اس کی ارادت پر فخر کریں گے۔ پھر میرے سر پر طاقیہ رکھا جس کی ٹھنڈک اور فرحت میرے دماغ تک پہنچ گئی اور عالمِ ملکوت مجھ پر منکشف ہو گیا۔ میں نے سنا کہ تمام دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اپنی اپنی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ قریب تھا کہ میری عقل زائل ہو جائے۔ حضرت شیخ کے ہاتھ میں ایک پارۂ پنبہ تھا، مجھ پر پھینکا اور میرے سینے پر ہاتھ رکھا میری عقل درست ہو گئی۔ پھر کچھ عرصہ تک مجھے خلوت نشین رکھا اور میری تکمیل کی۔ تیس سال کے بعد عبدالغنی ابنِ نقفہ میرے پاس آیا اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر خرقہ پایا اور میرے خلفاء میں سے ہوا۔ ابنِ نقفہ کی بابت حضرت غوث الاعظم نے جیسا فرمایا تھا میں نے اسے ویسا ہی پایا۔ ۵۰۷ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

بوعمر آں مخزنِ نورِ خدا! — شد چو در خلدِ بریں منزل گزیں

سالِ وصلش بوعمر انورِ بخواں — نیز فرما "مطلعِ نورِ یقیں"

۵۰۷ھ — ۵۰۷ھ

۴۲۔ حضرت شیخ محمد الاوانی المعروف بابن القاید قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے کامل واکمل خلفائے سے تھے۔ فتوحاتِ مکیہ میں مذکور ہے کہ حضرت غوث الاعظمؓ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ محمد ابن القاید اپنے زمانے میں منفرد ہیں اور منفردین وہ جماعت ہے جو دائرہ قطب سے خارج ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعثت سے پہلے انہی سے تھے۔ ابن القاید فرماتے ہیں کہ میں نے ماسوا اللہ سے روگردانی کرلی اور ترکِ علائق کے بعد میں حضرت کی خدمت میں آگیا۔ اچانک میں نے اپنے سامنے ایک پاؤں کا نشان دیکھا۔ مجھے غیرت آئی اور سوچنے لگا کہ یہ کس کے پاؤں کا نشاں ہے کیونکہ میں اپنے خیال میں یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے کوئی سبقت نہیں کرسکتا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نشان ہیں جس سے مجھے اطمینان ہوگیا۔ ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہٗ تاریخِ وفات:

چوں محمد از جہاں بالطفِ حق	گشت در فردوسِ والا بہرہ یاب
رحلتش سردارِ عالی شد عیاں	نیز شد روشن محمد آفتاب
۵۷۶ھ	۵۷۶ھ

۴۳۔ حضرت شیخ ابوالسعود بن شبلی قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے بزرگ تریں خلفائے سے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں منفرد تھے۔ آپ کا شمار مشائخ کبار سے ہوتا ہے۔ فتوحاتِ مکیہ میں مذکور ہے کہ ایک روز ابوالسعود دریائے دجلہ کے کنارے جارہے تھے کہ اُن کے دل میں خیال گزرا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی عبادت پانی میں کرتے ہیں۔ یہ خیال اُن کے دل میں آیا ہی تھا کہ ایک شخص نے پانی سے سر نکالا اور کہا ہاں کیوں نہیں اور میں انہی میں سے ہوں۔ میں بکریت کے مقام کا رہنے والا تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا

کہ شہر چھوڑ کر پانی میں عبادت کروں کیونکہ تقدیرِ الٰہی اسی طرح پر ہے۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پندرہ روز کے بعد تکریت پر ایک حادثۂ عظیم نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آفت سے محفوظ رکھا۔ یہ کہہ کر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا۔

شیخ ابوالسعود کو حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوتا تھا اُس سے رُوگردانی نہ کرتے تھے۔ مکلف طعام کھاتے اور لباسِ فاخرہ پہنتے۔ ایک روز ایک درویش آپ کی خدمت میں آیا دیکھا کہ آپ نے ایک قیمتی پگڑی سر پر باندھ رکھی ہے جس کی قیمت کم از کم دو سو دینار سے کم نہیں ہے۔ اس کے دل میں خیال گزرا کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے جو حکمِ قرآن کے خلاف ہے۔ جس پگڑی کی قیمت سے دو سو درویشوں کا لباس تیار ہو سکتا ہو وہ ایک درویش سر پر کیوں باندھے۔ شیخ نورِ باطن سے اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا، اے درویش! میں نے یہ پگڑی اپنے آپ نہیں باندھی۔ اگر چاہتا ہے تو اسے بازار لے جاکر بیچ ڈال اور درویشوں کے لئے طعام فراہم کر۔ درویش نے وہ پگڑی بازار میں لے جاکر فروخت کر ڈالی اور درویشوں کے لئے مکلف دسترخوان آراستہ کیا۔ جب خدمتِ شیخ میں حاضر ہُوا تو دیکھا کہ شیخ کے سر پر وہی پگڑی ہے۔ شیخ نے فرمایا: اے درویش حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس شخص سے پُوچھ کہ یہ پگڑی کہاں سے لایا ہے۔ درویش نے اس شخص سے پگڑی لانے کا حال پوچھا۔ اس نے کہا پچھلے سال میں کشتی میں سوار تھا کہ بادِ مخالف چلنی شروع ہُوئی اور اتنی شدّت اختیار کر گئی کہ کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی مگر میں ایک تختہ پر بیٹھا رہا۔ میں نے عہد کیا کہ اگر میں صحیح و سلامت کنارے پر پہنچ گیا تو خدمتِ شیخ میں ایک قیمتی دستار نذر گزرانوں گا۔ چھ مہینے گزرنے پر بھی مجھے قیمتی دستار نہیں ملی تھی۔ آج یہ دستار فلاں دکان پر دیکھی جسے خرید کر ہدیۂ شیخ کیا۔ شیخ نے فرمایا: سنا میں نے یہ پگڑی خود نہیں باندھی ہے بلکہ کسی اور نے بندھوائی ہے۔

دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ کتابِ فصوص الحکم میں تحریر ہے کہ شیخ ابوالسعود نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ پندرہ سال ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مملکت میں قوتِ تصرف عطا فرمائی ہے لیکن میں نے اس سے کبھی کام نہیں لیا۔ ابن القاید

نے ایک روز دریافت کیا کہ آپ تصرف کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا: میں نے تصرف سرف حق تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور جو اس کی منشاء ہوگی اس کے مطابق اختیار فرمائے گا۔ ۵۰۹ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

شیخ ذی رتبہ پیرِ عالمگیر — بوسعود آنکہ بود زبدۂ حق
عاشقِ حق بگو بہ رحلتِ او — ہم بشرِ بوسعود زبدۂ حق
۵۰۹ھ

۴۴۔ حضرت شیخ حیات خیرانی قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظم کے کامل ترین اور بزرگ ترین خلفائے سے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں اور خوارق و کرامت میں درجۂ بلند اور مقامِ ارجمند رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشائخ کبار سے تھے۔ حضرت شیخ ابوالحسن قرشی سیر الاحباب میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں چار شخص ہیں جو قبور میں بھی مثلِ احیاء تصرف کرتے ہیں۔ اول معروف کرخیؒ۔ دوم شیخ سید عبدالقادر جیلانی۔ سوم شیخ عقیل منجیؒ۔ چہارم شیخ حیات خیرانی۔ صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ خیران کے صلحاء میں سے ایک نے بیان کیا کہ میں یمن سے کشتی میں سوار ہوا۔ جب بحرِ ہند میں پہنچا تو سمندر میں طوفانِ عظیم برپا ہوگیا جس نے جہاز کو توڑ ڈالا۔ میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا لہروں کے تھپیڑے کھاتا ہوا ایک بیابان جزیرے میں پہنچ گیا۔ جہاں دُور دُور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ آخر بڑی تلاش کے بعد اس ویرانے میں مجھے ایک مسجد نظر آئی۔ اندر جا کر دیکھا کہ چار حسین و جمیل شخص بارعب و ہیبت وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے قریب جا کر سلام کہا۔ انہوں نے جواب دیا۔ میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ دن بھر ان کے پاس رہا۔ جب رات ہوئی، شیخ حیات خیرانی وہاں آئے۔ اُن چار اصحاب نے اُن کا استقبال کیا۔ سلام کہا۔ وہ مسجد میں تشریف لائے۔ سب نے مل کر نمازِ عشاء ادا کی۔ پھر الگ الگ صبح تک نمازِ نوافل میں مشغول رہے۔

جب صبح طلوع ہوئی تو شیخ نے مناجات شروع کی۔ یا حبیب التائبین، یا انیس العابدین، یا قریب المتصدقین، یا محب العاشقین۔ اس کے بعد گریہ و زاری شروع کی۔ یہاں تک کہ انوار و تجلیاتِ الٰہی کا ظہور ہونا شروع ہوگیا۔ حتیٰ کہ وُہ تمام جگہ بقعۂ نُور ہوگئی۔ پھر سب نے نمازِ صبح ادا کی۔ پھر شیخ حیات مسجد سے باہر تشریف لائے۔ ان چار شخصوں میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ شیخ کے پیچھے پیچھے جاؤ اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ میں اُن کے پیچھے قدم بقدم چل پڑا۔ دیکھا کہ کوہ، دریا اور بیابان و صحرا شیخ کے قدموں کے نیچے سے گزر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصے میں حیران پہنچ گیا۔ دیکھا کہ ابھی لوگ نمازِ صبح پڑھنے میں مشغول ہیں۔ ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

چوں سفر کرد از جہانِ فنا ۔۔۔ در جناں مہدیٔ زمانہ حیات

رحلتش منبع حیات بگو ۔۔۔ ہم بخواں "مہدیٔ زمانہ حیات"

۵۸۱ھ ۔۔۔ ۵۸۱ھ

۵۴۔ حضرت شیخ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظم کے فرزند ارجمند تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار ہی سے کی تھی۔ اپنے وقت کے عالم و فاضل اور محدث و فقیہ تھے۔ ۲۷ ماہ صفر ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔ مرقد بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

چو از دنیا بجنت گشت راہی ۔۔۔ شہ اہلِ یقیں مقبول رحماں

وصالش وائی تسلیم پیداست ۔۔۔ دوبارہ "مہ جبیں مقبول رحماں"

۵۸۷ھ ۔۔۔ ۵۸۷ھ

۴۶۔ حضرت شیخ شمس الدین عبدالعزیز قدس سرہٗ

کنیت ابوبکر ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادہ ہیں۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ ماجد ہی کے زیرِ سایہ پائی تھی اور اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد نقلِ مکان کر کے سنجار چلے گئے تھے۔ وہیں ۵۸۹ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

سیدِ ذی جاہ و عالی مرتبت — مرشدِ حق، حق نما، حق بیں عزیز
رحلتش مہتابِ عالم گفتہ ام — نیز شد روشن ز شمس الدین عزیز
۵۸۹ھ — ۵۸۹ھ

۴۷۔ حضرت شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہٗ

شعیب نام، لقب ابو مدین بن حسن یا حسین۔ حضرت شیخ ابو یعزائی مغربی کے مرید و خلیفہ اور حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے مرشد تھے۔ حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ صاحبِ کشف و کرامت اور سرزمینِ مغرب کے مشائخ کبار سے تھے۔ ایک روز آپ نے دیارِ مغرب کے کسی مقام پر گردن جھکا کر کہا۔ اللھم انی اشھدك واشھد ملائکتك انی سمعت واطعت۔ حاضرین نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے بغداد میں یہ فرمایا قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ اس کے بعد بغداد کے بعض اکابر حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی اطلاع دی کہ حضرت غوث الاعظم نے اُسی وقت یہ الفاظ فرمائے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو مدین مغربی ایک روز دریا کے کنارے کنارے جا رہے تھے کہ کفار کی ایک جماعت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور اپنی کشتی میں لے گئے۔ آپ سے پہلے بھی مسلمانوں کی ایک جماعت اُس کشتی میں محبوس تھی۔ کفار نے شیخ کو ایک جگہ پر بٹھا کر کشتی کا

بادبان کھولا مگر اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ بڑی کوشش کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ اسی درویش کی بدولت ہے۔ انہوں نے شیخ کو رہا کر دیا مگر شیخ نے کشتی سے اترنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب تک تمام مسلمان رہا نہ کئے جائیں گے میں کشتی سے نہیں اتروں گا۔ کفار کو چارو ناچار تمام مسلمانوں کو آزاد کرنا پڑا۔ جونہی مسلمان کشتی سے اترے وہ روانہ ہو پڑی۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

شیخ بومدین شعیب مغربی   آں امامِ دیں شہ دورِ زمن
ہست تاریخِ وصالِ آں جناب   "زاہدِ ہادی شعیب بن حسن"
۵۹۰ھ

۸۴۔ حضرت شیخ تاج الدین عبدالرزاق قدس سرہٗ

عبدالرزاق نام، کنیت عبدالرحمان و ابوالفرح، لقب تاج الدین، حضرت غوث الاعظمؓ کے فرزند رشید تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ ملک عراق کے مفتی تھے۔ رسالہ جلاء الخواطر ملفوظاتِ حضرت غوث الاعظمؓ آپ ہی کا تالیف کردہ ہے۔

فرماتے ہیں: ایک روز میرے والد ماجد نمازِ جمعہ کے لئے باہر تشریف لائے۔ میں اور میرے دو بھائی آپ کے ساتھ تھے۔ میں نے دیکھا تین مٹکے شراب کے گاڑی پر رکھے ہوئے خلیفۂ بغداد کے لئے جا رہے ہیں۔ محافظ سپاہی تھے۔ شراب کی بو اس کی غماز ہوتی ہے حضرت والدگرامی کو معلوم ہو گیا۔ سپاہیوں کو آواز دی کہ ٹھہر جاؤ مگر وہ نہ ٹھہرے بلکہ گاڑی کو اور زیادہ دوڑایا۔ آپ نے گاڑی سے مخاطب ہو کر فرمایا: بحکم خداوندی ٹھہر جا۔ وہ اسی وقت رک گئی۔ سپاہیوں نے ہر چند جانوروں کو مارا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے نگاہِ غضب سے ان کی طرف دیکھا۔ انہیں اسی وقت دردِ قولنج شروع ہو گیا۔ زمین پر گر کر ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے اور لوٹنے لگے۔ نالہ و فریاد بلند کیا۔ حضرت ہم نے توبہ کی

پھر ایسی نافرمانی نہیں کریں گے۔ انہیں دردِ قولنج سے فوراً شفا حاصل ہوگئی اور شراب سرکہ میں تبدیل ہوگئی۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ یہ خبر جب خلیفۂ بغداد نے سنی۔ حاضرِ خدمت ہوکر تمام منہیات سے تائب ہُوا۔

ایک روز سید عبدالرزاق اپنے والد ماجد کی محفل میں حاضر تھے۔ آسمان پر مردانِ غیب کو جاتے ہوئے دیکھ کر ڈر گئے۔ آپ نے فرمایا: ڈرو نہیں یہ رجال الغیب ہیں اور تو بھی انہی سے ہے۔

کتاب انیس القادریہ میں بروایتِ شیخ ابوالمعالی صاحبِ تحفۂ القادریہ مندرج ہے کہ سید عبدالرزاق کے پانچ فرزند تھے۔ اول شیخ ابو صالح، دوم شیخ ابوالقاسم عبدالرحیم، سوم شیخ ابو محمد اسماعیل، چہارم شیخ ابوالمحاسن فضل اللہ اور پنجم جمال اللہ قدس اللہ سرہم العزیز۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے شیخ جمال اللہ کے لئے عمرِ جاوید کے لئے دعا فرمائی تھی اور وُہ آج تک زندہ ہیں اور بہ اسمِ حیات الامیر مشہور ہیں۔ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے ہیں۔ سکونت دیارِ سمرقند وغیرہ کی طرف ہے۔ سید محمد مقیم صاحبِ حجرہ اورکئی اور اولیاء آپ کے مرید ہیں۔ سید عبدالرزاق نے ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

شد ز دنیا چو در بہشتِ بریں ۔۔۔ عارفِ حق مجیب تاج الدین
کاشفِ صدق سالِ وصلش گو ۔۔۔ نیز "سید حبیب تاج الدین"
۵۹۵ھ ۔۔۔ ۵۹۵ھ

۹۴۔ حضرت شیخ سید ابوالفضل محمد قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والدِ گرامی ہی کے زیرِ سایہ کی اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

سید ابوالفضل فضلِ اہلِ فضل ۔۔۔ شد چو از فضلِ خدا اندر جناں
بر فردوس است سالِ وصلِ او ۔۔۔ ہم محبِ متقی کردم بیاں
۶۰۰ھ ۔۔۔ ۶۰۰ھ

۵۰۔ حضرت شیخ ابوزکریا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت غوث الاعظمؓ کے صاحبزادوں سے ہیں۔ علومِ فقہ وحدیث اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کئے۔ اپنے وقت کے فاضل اور مقتدائے زمانہ گزرے ہیں۔ ولادت ۶۔ ربیع الاول ۵۵۰ھ میں ہوئی اور وفات ۶۰۰ھ میں پائی۔ مزار بغداد میں اپنے بھائی شیخ عبدالوہاب کے مزار کے متصل ہے۔

قطعۂ تاریخ ولادت ووفات:

شیخ زکریا ابو یحیےٰ کہ بود — شاہِ عالی قرۂ چشمِ علی
قبلۂ حاجات و عارف حق نما — سالِ تولیدش نوشتم اے اخی
عصمت آمد سالِ ترحیلش دگر — عارفِ حق سید طیب ولی

۵۱۔ حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد کے زیرِ سایہ حاصل کئے۔ جامع علوم وفنون تھے۔ تمام علومِ متداولہ میں پوری مہارت اور عبورِ کامل رکھتے تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ مدرسۂ معلّٰی میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے ایک خلقِ کثیر بہرہ یاب ہُوئی۔

ایک دفعہ بلادِ عجم کے سفر سے واپس آئے۔ تمام اقسامِ علوم میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ اپنے والدِ گرامی سے ان کی موجودگی میں وعظ کہنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ منبر پر تشریف لائے۔ علوم وفنون کی روشنی میں عالمانہ تقریر کی مگر حاضرین کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اِن کے بعد اہلِ مجلس نے حضرت غوث الاعظمؓ سے وعظ کہنے کی درخواست کی۔ آپ منبر پر تشریف لائے۔ فرمایا: شجاعت صبر کی ایک گھڑی ہے۔ ابھی اتنا ہی کہا تھا

کہ اہلِ مجلس نے آہ و بکا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ شیخ سیف الدینؒ نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا تو اپنے نفس سے مخاطب تھا اور میں غیر نفس سے مخاطب تھا۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ شیخ ابو منصور عبدالسلامؒ اور شیخ ابو الفتح سلیمانؒ۔ دونوں عالمِ باعمل تھے۔ قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

شاہِ سیف الدینؒ شہ ہر دوسرا — قاتل کفار با شمشیر دیں
سالِ تولیدش بشیر آمد عیاں — تاجِ حق فرما و ہم مہتابِ دیں (۵۱۳ھ)
گفت سیف الدین میرِ حق خرد (۶۰۳ھ) — ارتحالِ آں شہ روئے زمیں (۵۱۳ھ)

۵۲۔ حضرت شیخ ابو نصر موسیٰ قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے آخری فرزند تھے۔ تحصیلِ علوم اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیرِ سایہ کی تھی۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ فقیہہ و محدث، عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ بغداد سے نقلِ مکان کر کے دمشق جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وہیں ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

حضرتِ بو نصر پیر با کمال — رہبرِ عالم شہ روئے زمیں
شد زدل مفتاحِ تولیدش عیاں — صاحبِ توحید و ہم سردارِ دیں (۵۲۹ھ)
رحلتش بو نصر مقبولِ انام (۵۲۹ھ، ۶۱۸ھ) — نیز شد پیدا ز مہتابِ یقیں (۵۲۹ھ، ۶۱۸ھ)

۵۳۔ حضرت شیخ موفق الدین المقدسی قدس سرہٗ

نام عبداللہ بن محمد بن احمد بن قدامۃ الجیلی ہے۔ صاحبِ تصنیف ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؓ کے شاگرد و مرید تھے۔ ۶۲۲ھ میں وفات پائی۔

چو آں شیخ موفق بن محمد — ز دنیا گشت سوئے خلد مامور
رقم کن لفظِ برکت با تبرک — بتاریخش دگر نورِ علی نور
۶۲۲ — ۶۲۲ھ

۵۴۔ حضرت شیخ ابواسحاق ابراہیم قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے فرزندِ رشید ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی اپنے والدِ ماجد سے حاصل کئے تھے۔ اپنے زمانے کے اولیاء و اتقیاء کے سردار تھے۔ زہد و تقویٰ میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ آپ پر عالمِ تفکر اور سکوت کا غلبہ رہتا تھا۔ غایتِ حیا و شرم کے باعث تیس سال تک اپنے سر کو بلند نہیں کیا۔ ۵۲۷ھ میں ولادت اور ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔ مرقد والد بزرگوار کے مزار کے قریب ہے۔

میر ابراہیم پیرِ رہنما! — حامئ دیں پیشوائے دوجہاں
کاشفِ دینِ نبی تولیدِ اوست — رحلتش داں کاشفِ عالی مکاں
۵۲۷ھ — ۶۲۳ھ

۵۵۔ حضرت شیخ صدرالدین قونیوی قدس سرہٗ

نام صدرالدین اور کنیت ابوالمعالی ہے۔ حضرت غوث الاعظمؓ کے بہترین مریدوں سے تھے (صاحبِ سفینۃ الاولیاء شیخ محی الدین ابن العربی کے ارشد مریدوں سے لکھتے ہیں)، علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔ زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ میں مقامِ بلند پر فائز تھے۔ مولانا قطب الدین علامہ[1] علمِ حدیث میں آپ کے شاگرد تھے۔ کتاب جامع الاحوال خود لکھ کر اُن کے سامنے پڑھی تھی

---

[1] جامع منقول و معقول۔ علامۂ عصر اور وحید الدہر تھے۔ بڑے بڑے علما نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ کتابِ شرح شمسیہ جو قطبیہ کے نام سے مشہور ہے آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ اس وقت کے اولیائے کرام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذِ فیض کیا ہے۔ شیخ سعدالدین حموی[1] اور مولانا جلال الدین رومی[2] سے خاص روابط تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

صدر دین صدرِ اولیائے کرام ۔۔۔ شد ز دنیا چو در بہشت بریں
وصل او ہست آفتابِ علوم (۶۳۰ھ) ۔۔۔ نیز "والی صدق صدر الدین" (۶۳۰ھ)

۵۶۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز

نام محمد بن علی بن محمد عربی ہے۔ اپنے عہد کے قطبِ زمانہ، موحدِ یگانہ، ہادیٔ طریقت اور مقتدائے حقیقت تھے۔ علم و عرفان میں درجاتِ بلند و مقاماتِ ارجمند پر فائز تھے۔ اکابر صوفیا میں امام موحداں مشہور ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود میں آپ کا کلام بڑا بلند واقع ہوا ہے۔ آپ کو خرقہ کی نسبت ابو محمد یونس قصار ہاشمی کے ذریعے سے بہ یک واسطہ حضرت غوث الاعظم سے حاصل ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق آپکو حضرت غوثیہ سے ارادت بلاواسطہ حاصل ہے۔

---

[1] محمد بن موید بن ابی بکر نام۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ المتوفیٰ ۶۱۰ھ کے کامل و اکمل خلفا سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار تھے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ سجل الارواح آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

[2] محمد نام، جلال الدین لقب تھا۔ سلطان العلماء حضرت مولانا بہاؤالدین المتوفیٰ ۶۲۸ھ کے نامور فرزند تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اصل وطن بخارا تھا۔ خطۂ روم (ایشیائے کوچک) میں نشو و نما پائی تھی اس لئے رومی مشہور ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔ حضرت محمد شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ المتوفیٰ ۶۴۵ھ سے بھی اخذِ فیض کیا۔ آپ کی مثنوی جو مثنوی مولانا روم کے نام سے مشہور ہے۔ دنیا کی مقبول ترین اور مشہور ترین کتاب ہے۔ اس مثنوی میں جس قدر حقائق و معارف بیان ہوئے ہیں۔ کسی شاعر و فلسفی کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مولانا اپنے زمانے کے بے نظیر عالم اور بے مثال صوفی و متکلم تھے۔ زہد و تقدس، ریاضت و مجاہدہ، علم و عمل اور ذوق و شوق میں یگانۂ روزگار تھے۔ ۶۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار قونیہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ علامہ اقبال مرحوم آپ کے کلام و فلسفہ سے بے حد متاثر تھے اور مرشدِ رومی کہا کرتے تھے۔

خرقۂ خلافت میں دوسری نسبت انہیں بلاواسطہ حضرت خضرؑ سے حاصل ہے۔ اصطلاحاتِ کاشی میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی نے اپنی کتاب الملابس میں لکھا ہے کہ میں نے خرقۂ تصوف ابوالحسن بن عبداللہ بن جامع سے پہنا ہے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔ کتابِ مناقبِ غوثیہ میں شیخ محمد صادق شیبانی قادری لکھتے ہیں کہ علی بن محمد پدرِ شیخ محی الدین ابن عربی محض لاولد تھے۔ حتیٰ کہ ان کی عمر پچاس سال کی ہو گئی۔ ان کے والد حضرت غوث الاعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضرت غوثیہ نے حضورِ حق میں دعا فرمائی۔ ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اس شخص کی قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا اپنی اولاد کا حصہ اسے عطا کر دے۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے اپنی پشت علی بن محمد کی پشت کے ساتھ مس کی اور فرمایا ابھی میرے صلب میں ایک فرزند باقی تھا۔ وہ ہم نے تمہیں دیا۔ وہ تیرے گھر پیدا ہوگا۔ ہم نے اس کا نام محمد اور لقب محی الدین رکھا ہے۔ یہ بچہ اولیاء میں درجۂ عظیم اور رتبۂ عالی پائے گا۔ چنانچہ حضرت غوثیہ کی بشارت کے مطابق نو ماہ کے بعد علی بن محمد کے گھر لڑکا پیدا ہوا وہ اسے حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے نگاہِ لطف و کرم سے بچہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، یہ میرا بیٹا ہے ان شاء اللہ قطبِ زمانہ ہوگا۔ اسرارِ توحید جو آج تک کسی موحد نے بیان نہیں کئے۔ یہ لڑکا ان اسرار و رموز کو واشگاف طور پر بیان کرے گا۔ صاحبِ نفحات الانس فرماتے ہیں: آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے لیکن ان کی مشہور ترین تصنیف فتوحاتِ مکیہ ہے۔

روایت ہے شیخ محی الدین ابن العربی کو ایک دفعہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ ہر ایک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کلام کئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ خدام نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا، محی الدین ابن العربی حقایق و دقایق کے دریا ہیں ان سے بات آنکھ سے ہوئی نہ کہ زبان سے۔ ان سے بات دل سے ہوتی ہے نہ کہ بیان سے۔ ولادت ۱۷۔ رمضان ۵۶۰ھ کو اندلس کے ایک شہر مرسیہ میں ہوئی اور وفات جمعہ کی رات ۲۳۔ ربیع الآخر ۶۳۸ھ دمشق میں واقع ہوئی۔ مزار جبلِ قاسون میں ہے جو آج کل

صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

محی دین پیرِ زندہ دل والا | ہادیٔ سالکانِ روئے زمین
ہست سالِ ولادتش نعمت ۵۶۰ھ | صاحبِ کشف مہدی است بہین
عقل فرمود صاحب الارشاد ۶۳۸ھ | سالِ ترحیلِ او بعبد تزئین

۵۷۔ حضرت شیخ محمد حیات ابن احمد الجوینی قدس سرہٗ

شیخ عبد اللہ بطائی کے مرید وخلیفہ ہیں جو حضرت غوث الاعظمؒ کے بزرگ ترین خلفاء سے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ شجاعت و مروّت اور خلق میں بے نظیر تھے۔ صاحب بہجۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ نہایت خوش رو، خوش خو اور خوش گو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مستجاب الدعوات کیا تھا۔ ۶۵۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ احمد چو از عنایتِ حق | کرد رحلت ازیں جہاں بہ وطن
رحلتش ماہتاب صاحبِ حق ۶۵۸ | کن رقم نیز "ماہِ نو روشن" ۶۵۸ھ

۵۸۔ حضرت امام عبد اللہ یافعی قدس سرہٗ

کنیت ابو السعادت، لقب عفیف الدین، باپ کا نام سعد یافعی ہے۔ یمن کے رہنے والے تھے۔ آپ کا قیام زیادہ عرصہ حرمین الشریفین میں رہا ہے۔ شافعی مذہب تھے۔ علومِ ظاہری وباطنی میں اپنے زمانے کے علماء وفضلاء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ کو نسبتِ ارادت چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظمؓ سے حاصل ہے۔ تاریخ یافعی، کتاب روضۃ الریاحین، نشر المجالس باحوال خوارق وکرامت حضرت غوث الثقلین آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ جب حضرت سید جلال الدین مخدومِ جہانیاں جہاں گشت سہروردی اوچی" المتوفی ۷۸۵ھ مکہ معظمہ گئے تو امام صاحب سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ان دونوں حضرات

ہیں اس درجہ اتحاد و محبت کا تعلق بڑھا کہ اس کی نظیر دیکھی نہیں گئی۔ امام صاحب نے سلسلۂ چشتیہ سے اخذِ فیض کے لئے حضرت مخدومِ جہانیاں کو حضرت شیخ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلی" المتوفی ۷۵۰ھ کی خدمت میں جانے کو کہا۔ چنانچہ حضرت مخدوم جب ہندوستان لوٹے تو دہلی میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقۂ چشت حاصل کیا۔ امام صاحب نے ۲۱۔جمادی الآخر ۷۶۸ھ میں وفات پائی۔ مرقد مکہ معظمہ میں حضرت فضیل عیاض کے مزار کے متصل ہے۔

آں امامِ یافعی نور الہٰ!	بود اندر مکہ یک قطب الولی
ہاتفم فرمود سالِ رحلتش!	"کاشفِ نامی" "امامِ یافعی"
ہم رقم کن زاہدِ اہلِ بہشت	ہم "ولیٔ بو سعادت یافعی"

۵۹۔ حضرتِ شاہ نعمت اللہ ولی قدس سرہٗ

مشائخ سلسلۂ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے ہیں۔ صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں جب فیروز شاہ بہمنی نے احمد خانخاناں کے حق میں ارادۂ بد کا قصد کیا اور اس کی آنکھیں نکال دینی چاہیں۔ مگر وہ کسی طرح بادشاہ کے ارادے سے آگاہ ہو گیا۔ بادشاہ کے خلاف لشکرکشی کی۔ لیکن معاملہ اس کے حسب دلخواہ نہ ہوا۔ ایک روز عین جنگ کے موقع میں خواب میں دیکھا کہ کوئی نیک صورت اور نیک سیرت بزرگ آیا ہے اور اس نے بارہ گوشے والا ترکی تاج میرے سر پہ رکھا ہے اور دکن کی بادشاہی کی مجھے بشارت دی ہے۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ بادشاہ ہوا۔ جب اس نے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی بزرگی کی شہرت سنی تو شیخ حبیب اللہ جنیدیؒ کو تحائف کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور طالبِ دعا ہوا اور التجا کی کہ اپنے فرزند کو ہدایت کے لئے روانہ فرمائیے۔ شیخ نے بادشاہ کے ہدایا قبول فرمائے اور ایک تاج سبز دوازدہ گوشہ ترکی شیخ قطب الدین خلیفہ اور شاہ نور اللہ بن خلیل اللہ اپنے پوتے کے ہاتھ بادشاہ کو بھیجا۔

جب یہ حضرات وہاں پہنچے اور وہ تاج احمد شاہ کے سر پر رکھا اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ اور وہی تاج ہے۔ شاہ نور اللہ کا بے حد ادب و احترام بجا لایا اور اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی۔ بقول صاحب تاریخ فرشتہ ۸۳۴ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا نعمتِ حق یافت در خلد چو آں سید شہ عالی نعمت
بسرور سالِ وصلش جلوہ گر شد ز سلطان الولی والی نعمت

۶۰۔ حضرت شیخ بہاء الدین جنیدی قدس سرہٗ

شیخ احمد تقی کی کے مرید و خلیفہ تھے۔ صاحبِ کمالات و برکات اور جامع کشف کرامات تھے۔ مضافاتِ سرہند میں جنید ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ قادریہ شطاریہ کے صاحبِ اجازت بزرگ تھے۔ ذوق و شوق میں ہر وقت مستغرق رہتے تھے۔ اسی استغراق میں وفات پائی۔ سال وفات ۹۲۱ھ ہے۔

شیخ روے زمیں بہاء الدین ماہِ فردوس و بدر چرخِ کمال
رفت چوں از جہاں بجنتِ خلد عارفِ شرع و ذاکر آمد سال
۹۲۱ھ ۹۲۱ھ

۶۱۔ حضرت سید محمد غوث گیلانی حلبی اوچی قدس سرہٗ

مشاہیر و اکابر ساداتِ حسنی سے ہیں۔ حضرت غوث الاعظم سے نسبت آبائی ہے۔ صاحبِ عظمت و کرامت، واقفِ منقول و معقول تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں یکتائے روزگار تھے۔ سید اصغر علی گیلانی صاحب شجرۃ الانوار رقم طراز ہیں کہ سید محمد کے بزرگوں میں سے اوّل سید ابو العباس احمد بن سید صفی الدین المعروف بہ سید صوفی بن سید سیف الدین عبد الوہاب بن حضرت محی الدین سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنے چھوٹے بھائی سید ابو سلیمان کے ساتھ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں تاتاری کے حملۂ بغداد اور قتل و غارت کے وقت بغداد سے نکل کر روم میں

آ گئے۔ پھر جب کچھ امن وامان ہوا تو حلب میں آ کر اقامت گزیں ہو گئے۔ سید محمد غوثؒ یہیں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ عنفوانِ شباب میں پدر بزرگوار کی اجازت سے مختلف ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کو نکلے۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عراق، عرب، ایران، خراسان، ترکستان اور سندھ و ہند کی طویل سیاحت کی۔ یہاں کے اکابر علماء و فضلا اور مشائخ و صوفیا سے ملاقات کی۔ لاہور بھی تشریف لائے۔ چندے یہاں قیام کیا۔ پھر ناگور چلے گئے۔ یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ غرض اسی طرح سیر و سیاحت کرتے ہوئے حلب پہنچے۔ اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک روز دورانِ گفتگو میں عرض کی کہ فقیر کا دل یہ چاہتا ہے کہ اقلیم ہند میں کسی جگہ سکونت اختیار کر لوں۔ حضرت کا کیا ارشاد ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں چراغِ سحری ہوں کچھ توقف کرو۔ میری وفات کے بعد تمہیں اختیار ہے جہاں جی چاہے رہنا۔ پس آپ اپنے والد ماجد سید شمس الدین بن سید شاہ میر بغدادی گیلانی کی وفات کے بعد براستہ خراسان ملتان آئے اور اوچ کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ صاحب شجرۃ الانوار نے آپ کا ورودِ اوچ ۸۸۰ھ لکھا ہے۔ اس وقت شاہ حسین لنگاہی المتوفیٰ ۹۰۸ھ حاکم ملتان و سندھ اور سلطان سکندر لودھی المتوفیٰ ۹۲۳ھ پادشاہِ ہند تھا۔ دونوں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ آپ کے وجودِ مسعود سے سلسلۂ قادریہ ہندوستان میں پھیلا۔ آپ شاعر بھی تھے۔ قادری تخلص کرتے تھے اور اکثر اشعار حضرت غوث الاعظمؒ کے مناقب میں کہا کرتے تھے۔ ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا۔ مولانا عبدالرحمان جامیؒ صاحب نفحات الانس نے آپ کے فضائل کی خبر پا کر اپنے تصنیف کردہ اشعار آپ کی خدمت میں بھیجے تھے۔

صاحب کتاب شجرۃ الانوار لکھتے ہیں، حضرت سید محمد کے عروج کے زمانے میں شاہ حسین لنگاہی حاکم ملتان نے حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت غوثیہ فرماتے ہیں کہ اپنی دختر کا نکاح میرے فرزند سید محمد سے کر دو۔ تمہاری سعادت اسی میں ہے۔ اس نے حسبِ ارشادِ حضرت ایسا ہی کیا۔ لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سید ابوالفتح حسینی جن کی آبائی نسبت چار واسطوں سے سید صفی الدین بانیٔ اوچ جو حضرت سید ابو اسحاقؒ گازرونی المعروف بہ میراں بادشاہ لاہوری کے ہمشیر زادے تھے تک پہنچتی ہے ان کی دختر سے

لے اپنے وقت کے شیخ المشائخ اور قطب الاولیا تھے۔ حضرت شیخ اوحد الدین اصفہانی المتوفیٰ ۶۷۱ھ ؟ کے شیخ کمال (باقی اگلے صفحہ پر)

شادی کی جن کے بطن سے چار لڑکے پیدا ہوئے جن میں بزرگ ترین سید عبدالقادر ثانی، دوم عبداللہ ربانی، سوم مبارک حقانی، چہارم سید محمد نورانی تھے۔ موخرالذکر لاولد فوت ہوئے۔ سید ابوالفتح جوبانی اوچ کی اولاد سے تھے انھوں نے اوچ کی متعلقہ زمین اپنی چار لڑکیوں میں تقسیم کر دی تھی۔ نیز آبادیِ اوچ گیلانیاں اوچ بخاریاں سے الگ ہے۔ یہ وہ حصۂ زمین ہے جو بی بی فاطمہ زوجہ محترمہ حضرت سید محمد غوث کے حصے میں آئی تھی۔

قصبۂ اوچ کی آبادی کا حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ جب سید ابواسحاق گازرونی لاہوری نے اپنے ہمشیرزادہ صفی الدین کو خرقۂ خلافت عطا کر کے رخصت فرمایا تو حکم دیا کہ اونٹ پر سوار ہو جایئے اور جس جگہ اونٹ بیٹھ جائے اسی جگہ سکونت اختیار کیجئے۔ چنانچہ سید صفی الدین نے اسی طرح عمل کیا اور جب اونٹ سابقہ مقامِ اوچہ کی آبادی کے متصل پہنچا تو بیٹھ گیا۔ پس شیخ صفی الدین نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور ایک الگ آبادی کی بنا ڈالی۔ شیخ ابوالفتح بھی اپنے زمانے کے بزرگ و متبرک شخص تھے اور دعوت اسمائے الٰہی میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت سید محمد غوث کی وفات بقول صاحب شجرۃ الانوار وتشریف الشرفا ۹۲۳ھ میں واقع ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات:

چوں شد از جہاں در بہشتِ بریں — جناب محمد امامِ زماں
شود سالِ ترحیلِ آں شاہِ دیں — ز مخدوم عالم محمد عیاں
۹۲۳ھ

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۰) عالم و فاضل اور شاعر بے بدل تھے ان کے مرید و خلیفہ تھے۔ اصل وطن گازرون تھا۔ وہاں سے نقلِ مکان کر کے لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلقِ کثیر مستفیض ہوئی۔ ۹۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور دہلی دروازہ کے اندر ہے۔ شاہجہان کے عہد میں جب نواب وزیر خاں نے یہاں جامع مسجد تعمیر کی تو مزار کو مسجد کے صحن کے اندر ایک تہ خانہ میں محفوظ کر دیا جو اب تک زیارت گاہِ خلق ہے۔

۶۲۔ حضرت شاہ فیروز قادری لاہوری قدس سرہٗ

نام فیروز شاہ تھا۔ آپ کے دادا شاہ عالم نے بغداد سے نقل مکان کر کے لاہور آ کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ صاحب علم و فضل تھے۔ سیادت و نجابت اور عبادت و ریاضت میں مشہور زمانہ تھے۔ اپنے دادا کے مرید و خلیفہ تھے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشیں ہوئے۔ تمام عمر طلبہ و مریدین کی درس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں گزاری۔ طلبہ کو فقہ و حدیث اور قرآن و تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ شام سے آدھی رات تک اربابِ معنی کو توجہ اور تلقین فرمانے میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے روز نماز کے بعد عصر تک وعظ و نصائح میں صرف کرتے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے ایک خلقِ کثیر علومِ ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ بیعت حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظمؓ تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔ مزار تکیہ ڈنڈی گراں لاہور میں ہے۔

ڈنڈی گر یا خرادی۔ صناعوں کی یہ جماعت آپ سے بڑی عقیدت رکھتی تھی۔ یہ علاقہ ڈنڈی گراں کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں خرادی محلہ آباد تھا۔ ڈنڈی ترازو کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں اور خرادی لکڑی کو چرخ پر چڑھا کر ہموار کرنے والے کو کہتے ہیں۔

قطعۂ تاریخ وفات:

چو از دنیا بہ فردوسِ بریں رفت	جنابِ شاہ حق آگاہ فیروز
چو از دل سالِ ترحیلش بجستم	عیاں شد میر سید شاہ فیروز
	۹۲۲ھ

۶۳۔ حضرت مخدوم سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث حسنی حلبی اُچی قدس سرہٗ

اپنے وقت کے امامِ شریعت، مقتدائے طریقت اور عارفِ حقیقت تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ نیز علوم منقولات و معقولات میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ ہندوستان کے مشائخ کبار سے تھے۔ سینکڑوں مشرکین اور فاسق و فاجر

آپ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور تائب ہوکر راہِ ہدایت پر آئے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے ساتھ نسبت خاص تھی۔ حضرت غوثیہ ہی سے عبدالقادر ثانی کا خطاب بعالمِ باطن پایا تھا۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: آپ عنفوان شباب میں بڑی پُر تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ سماع کی طرف بڑا التفات تھا۔ سفر میں بھی یہی کیفیت تھی۔ ساز و سامان کے کئی اونٹ ہمراہ ہوتے تھے۔ مگر سجادہ نشیں ہونے ہی ان تمام تکلفات سے کلی اجتناب اختیار کر لیا۔ طالبانِ سماع کو زجر و توبیخ کرتے تھے۔ اگر کسی موقع پر بطریق شاذ سماع سننے کا اتفاق ہوجاتا تھا تو اس قدر گریہ و زاری کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی ذوق و شوق میں روح ابھی پرواز کر جائے گی۔

ایک روز بیابانِ اوچ میں شکار کر رہے تھے کہ ایک تیتر عجیب و غریب آواز سے نالہ و فریاد کر رہا تھا، اس وقت ایک درویش اس طرف سے گزرا۔ کہنے لگا سبحان اللہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ نوجوان بھی محبتِ حق میں اس تیتر کی طرح نالہ و فریاد کرے گا۔ اس درویش کی یہ بات آپ کے دل میں تیر کی طرح اُتر گئی۔ اُسی وقت ترکِ علائق کرکے دنیا و اہل دنیا سے فارغ ہوگئے اور یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ایک روز آپ کے پدرِ بزرگوار نے مخمل کے کچھ ٹکڑے آپ کے پاس بھیجے کہ انھیں خرقہ و پوستین کے ابرہ کے لیے استعمال کیجئے۔ فرمایا کہ مخمل کے ان ٹکڑوں سے شکاری کتوں کے لیے جُل بنائے جائیں۔ آپ کے والد ماجدؒ نے جب یہ سنا تو اپنے پاس بُلا کر اظہارِ ناراضی فرمایا۔ اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ عبدالقادرؒ میرا فرزند ہے۔ اس کی ظاہری و باطنی تربیت میرے ذمے ہے۔ آپ کو اس کے ساتھ کوئی کام نہیں۔ دوسرے فرزندوں کی تربیت کیجئے۔ روایت ہے جب والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو سلاطین و امرا کی صحبت کو کلی طور پر ترک کر دیا حالانکہ آپ کے دوسرے بھائی شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ انھوں نے کبھی تعلقات منقطع نہیں کئے تھے۔ آپ کے اس استغنا پر سکندر لودھی سے کچھ تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ اس نے چاہا کہ ان کی بجائے سجادہ نشین ان کے کسی دوسرے بھائی کو کر دیا جائے۔ آپ کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی اور ابھی یہ تجویز عمل میں نہیں آئی تھی کہ آپ نے تمام فرامینِ جاگیر جو متعلق بہ خانقاہ تھے بادشاہ کو دہلی بھیج دیئے اور لکھ بھیجا کہ ہم کو نہ بادشاہی جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ سجادہ نشینی کی۔ آپ جس کو چاہیں سجادہ نشین بنا دیں۔

بادشاہ نے بہ نظرِ مصالحت کئی مرتبہ آپ کو تشریف لانے کی دعوت دی مگر آپ نہیں گئے۔ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

بہ ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست
ہر آنچہ بر سرِ ما می رود مبارک باد

کسیکہ خلعتِ سلطانِ عشق پوشیدہ است
بہ حلّہ ہائے بہشتی کجا شود دل شاد

اس کے بعد تمام اخراجات توکل اور خزانۂ غیبی سے چلتے رہے۔

روایت ہے: ایک دفعہ نمازِ صبح ادا کرنے کے لیے بیدار ہوئے، وضو کیا اور اہلِ خانہ کو آواز دی: بیدار ہو جاؤ اور آکر سعادتِ کونین حاصل کرو لیکن اہلِ خانہ کے پہنچتے پہنچتے یہ دولت ختم ہو گئی۔ جب بعض افرادِ خانہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ابھی ابھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ بیداری اپنے جمالِ کمال سے مشرف فرمایا ہے۔ میں نے چاہا تمھیں بھی یہ دولتِ دیدار نصیب ہو مگر افسوس تم لوگوں نے آتے آتے دیر کر دی اور اس متاعِ بے بہا سے محروم رہ گئے۔

روایت ہے: ایک خوش آواز قوال حاضرِ خدمت ہوا کہ قوالی کرے۔ فرمایا: مجھے اس چیز کی حاجت نہیں ہے۔ میں تمہارا تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن چاہتا ہوں۔ اُٹھو، توبہ کرو۔ اپنا ساز توڑ ڈالو، سر منڈواؤ اور درویش بن جاؤ۔ مگر قوال کو یہ نعمت حاصل کرنے کی توفیق نہ ہوئی، محروم رہا۔ ایک اور شخص جو اس وقت حاضرِ خدمت تھا، آپ کی اس نصیحت سے بہت متاثر ہوا۔ اسی وقت مجلس سے تائب ہو کر اٹھا، سر منڈوایا، مال و دولت کو راہِ خدا میں لٹا دیا اور حاضر ہو کر حضور کے روبرو بیٹھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ گریہ زاری کرنی شروع کر دی۔ پوچھا کیا ہوا۔ عرض کیا: حضرت دیکھتا ہوں کہ گجرات میں میرا بھائی وفات پا گیا ہے اور اس کا جنازہ گورستان لے جا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ ہی کی ذات کے فیض سے بہ کشف اسے عطا فرمایا تھا۔

روایت ہے: ایک دفعہ ملتان میں وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی۔ آپ جہاں وضو فرمایا کرتے تھے وہاں سبزہ اُگ آیا تھا۔ لوگ وہ سبزہ طاعون والے کو کھلاتے، اسے بحکمِ ایزدی شفا ہو جاتی۔ جب وہ سبزہ ختم ہو گیا تو لوگوں نے اس جگہ کی مٹی بیماروں کو دینی شروع کی۔ حق تعالیٰ نے اس مٹی میں بھی

وہ خاصیت پیدا کر دی کہ اس سے ہر مرض والے کو شفا ہو جاتی۔

روایت ہے ایک مرتبہ ملتان اور اوچ میں لوگوں کو ذرد پہلو کا مرض لاحق ہو گیا۔ اطبا اس مرض کے علاج سے عاجز آ گئے۔ ایک رات آپ کے ایک مرید غیاث الدین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس نے ستے لکڑی کا ایک ٹکڑا عطا کر کے فرمایا کہ لکڑی کے اس ٹکڑے کو میرے فرزند عبدالقادر کو دے دو اور کہو کہ ہر مرض پر لکڑی کا یہ ٹکڑا رکھ کر دس بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دم کر دیا کرو، اللہ تعالیٰ ہر مرض سے شفا دے گا۔

آپ کی ولادت ۸۶۲ھ میں اور وفات ۹۴۰ھ میں ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

عبدقادر ولیِ لاثانی	شیخ ذی جاہ سیدِ معصوم
طرفہ مشکل کشائے عالم شد	سالِ تولیدِ آں ولی مرقوم
مہر مخدوم گو بتر حیلتش	ہم بخواں ماہِ علم دیں مخدوم
۹۴۰ھ	۹۴۰ھ

۴۴۔ حضرت سید محمود حضوری قدس سرہٗ

سید محمود نام۔ حضوری لقب۔ باپ کا نام خواجہ شمس الدین المشہور شمس العارفین تھا۔ سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم[1] رحمۃ اللہ علیہ تک منتہی ہوتا ہے۔ غور[2] کے رہنے والے تھے۔ سید محمود اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد نقل مکان کر کے پہلے اوچ اور وہاں سے لاہور

---

[1] اسم گرامی موسیٰ بن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ہے۔ کنیت ابوالحسن اور ابوابراہیم، لقب کاظم۔ ائمہ اثنا عشریہ کے ساتویں امام ہیں۔ ولادت ۷ صفر ۱۲۸ھ بمقام ابوا میں ہوئی جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ کی والدہ حمیدہ بربریہ ام ولد تھیں۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ ۲۰ برس کی مدت میں بحالت اسیری ۶ رجب ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اپنے ایک یحییٰ بن خالد کے ذریعے رطب میں زہر دلوادی تھی۔

[2] غور، بضم اول اور واؤ مجہول عجم کے ایک علاقے کا نام ہے۔

آکر محلہ حاجی سرائے میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے زمانے کے عارف کامل اور استاد گرامی تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذِ فیض کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا وہ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے خواب میں نعمت حاصل کرتا اسی لئے آپ حضوری کے لقب سے مشہور زمانہ ہوئے۔ دوسری روایت یہ کہ آپ کا مرید جلدی ہی اوجِ طریقت پر پہنچ کر درجۂ حضوری حاصل کر لیتا۔ آپ کا سلسلۂ ارادت حضرتِ غوث الاعظم تک اس طرح منتہی ہوتا ہے۔ آپ مرید اپنے والد شمس الدین کے اور یہ مرید سید یعقوب کے اور یہ عبد القادر کے اور یہ سید علی کے اور یہ سید مسعود کے اور یہ سید احمد کے اور یہ سید اصغر کے اور یہ مرید ابو الفرح کے اور یہ سید عبد الوہاب بن سید شیخ عبد القادر کے۔ قدس اللہ اسرارہم۔

۹۴۲ھ میں بعہدِ نصیر الدین ہمایوں وفات پائی۔

رفت از دنیا چو بر اوجِ جناں	سیدِ محمود پیرِ با کمال
صاحبِ مشتاق تاریخش بگو	نیز شمس العارفین اہلِ جمال

مزار موضع گڑھی شاہو لاہور کے مغرب کی طرف سڑک میاں میر پر واقع ہے۔

۶۵۔ سید عبد القادر گیلانی قدس سرہٗ

سید جمال الدین آپ کا نام تھا۔ اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد و مرید تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل مرجع خلائق اور صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ اصل وطن بغداد تھا۔ وہاں سے نقل مکان کر کے لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ سلسلۂ نسب حضرتِ شیخ سید عبد القادر گیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۴۲ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

لہ یا محلہ سید سرائے بیرونِ لاہور کے قدیم محلوں سے تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں خیر گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔ سکھوں کے عہد میں یہی مقام گڑھی شاہو بن گیا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

عبد قادر سیدِ نورانی است — قطبِ دوراں سالکِ ربانی است
خیرِ اسلام آمدہ ترحیلِ او — بارِ دیگر عبدِ قادر ثانی است
۹۴۲ھ — ۹۴۲ھ

۶۶۔ سید عبدالرزاق گیلانی اوچی قدس سرہٗ

سید عبدالقادر ثانی اوچیؒ کے فرزند ارشد ہیں۔ عالی ہمت اور صاحبِ فضل و کمال تھے۔ والدِ ماجد کی وفات کے وقت ناگور میں تھے۔ ایک روز مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمایا، مجھے پدر بزرگوار نے بلایا ہے اور میں نے ان کی آواز بگوشِ ظاہری سنی ہے۔ اسی وقت اوچ کو روانہ ہوگئے۔ گو میں وفات کے وقت تو نہ پہنچ سکے، چند روز کے بعد پہنچے، اور والدِ ماجد کے حکم کے مطابق لباسِ خرقہ و اجازت خلافت و نعمتِ سجادہ نشینی سے مشرف ہوئے۔ بقول صاحب اخبار الاخیار ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔ مزار اوچ میں ہے۔

سیدِ رزاق شاہِ والا جاہ — رفت چوں در جناں ز دورِ زماں
میرِ حق آفتاب گو سالش — باز مخدوم قطبِ عالم خواں
۹۴۲ھ — ۹۴۲ھ

۶۷۔ میر سید مبارک حقانی گیلانی اوچی قدس سرہٗ

مشائخ قادریہ میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، ترکِ علائق اور تجرید و تفرید میں وحید العصر تھے۔ جذب و استغراق طبع عالیہ پر بہت غالب تھا۔ حالتِ جذب و سکر میں دُور دراز غیر آباد مقامات میں چلے جاتے اور مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول رہتے۔ جلالت و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص پاس نہ آ جا سکتا تھا۔ شیخ معروف چشتی جو حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد سے تھے۔ صرف انھوں نے ہی حاضرِ خدمت رہ کر اخذِ فیض کیا ہے اور نعمتِ خلافت پائی ہے۔ آپ نے انھیں بشارت دی تھی کہ تمھاری ذات سے ایک نیا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف چشتی نوشاہیؒ سلسلہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

۹۵۶ھ میں وفات پائی۔ پہلے لاہور مدفون ہوئے۔ پھر نعش کو اوچ لے جا کر والدِ ماجد کے روضہ کے اندر دفن کیے گئے۔

مبارک شد چو فردوسِ معلّٰی — بآں سید مبارک پیرِ یکتا
زفیضِ اللہ بسرور رحلتش یافت — دگر فضلِ الٰہی گشت گویا
۹۵۶ھ — ۹۵۶ھ

۶۸۔ حضرت سیّد محمد غوث بالا پیر قدس سرہٗ

سیّد محمد غوث نام، بالا پیر لقب، سید زین العابدین بن سید عبد القادر ثانی گیلانی اوچی کے فرزند رشید تھے۔ آپ کے والدِ ماجد راہِ ناگور میں قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔ اس لئے اپنے جدِ امجد کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ انہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ مشائخ قادریہ میں صاحب ارشاد بزرگ ہوئے ہیں۔ علم و فضل اور عبادت و ریاضت میں بے نظیر تھے۔ جدِ امجد کی وفات کے بعد اپنے چچا زاد بھائی سید حامد گنج بخش سے سجادہ نشینی و دستار بندی کے امور میں ناراض ہو کر اوچ سے نقلِ مکان کر کے پنجاب کے ایک معروف قصبہ ستگھرہ میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اسی مقام پر ۵۔ شوال ۹۵۹ھ میں بعہدِ اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری وفات پائی۔ ساداتِ گیلانی ستگھرہ آپ کی اولاد سے ہیں۔

شد چو در خلد بریں منزل گزیں — آں محمد غوث پیرِ دستگیر
داں وصالش مہر مہدی مستقیم — نیز صادق شاہِ بالا پیرِ پیر
۹۵۹ھ — ۹۵۹ھ

۶۹۔ حضرت سیّد بہاء الدین گیلانی المشہور بہاول شیر قلندر

بہاء الدین نام، بہاول شیر لقب، والد کا نام سید محمود بن سید علاء الدین تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد اور پھوپھی نقلِ مکان کر کے ہندوستان آ کر شہرِ بدایون میں

سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدرِ بزرگوار سے پائی تھی۔ ان کی وفات کے بعد پھوپھی نے جو اپنے وقت کی زاہدہ و عابدہ خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ علم و فضل، زہد و تقدس، عبادت و مجاہدہ اور خوارق و کرامت میں مشائخ قادریہ میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ جذب و سکر اور ذوق و شوق کا طبیعت پر بے حد غلبہ تھا۔ آپ نے بڑی طویل عمر پائی تھی۔ کہا جاتا ہے مشائخ قادریہ میں سے آج تک کسی نے اتنی بڑی عمر نہیں پائی۔ روایت ہے ایک سو برس کی عمر میں آپ کو ڈاڑھی نکلی تھی۔ تین مرتبہ بارہ بارہ سال کی خلوت میں بیٹھے تھے۔ ایک دفعہ حالتِ استغراق و جذب و سکر میں اتنا طویل عرصہ ایک غار میں بیٹھے کہ جس پتھر کے ساتھ پشت تکیہ گاہ تھی جب وہاں سے اٹھے تو پشت کا کچھ حصہ اس پتھر کے ساتھ لگا رہ گیا روایت ہے: ایک دفعہ آپ خلوت سے اٹھ کر اس مقام پر آ بیٹھے جہاں اب قصبہ حجرہ آباد ہے۔ اُس وقت یہاں دریا بہتا تھا۔ دریا کے کنارے پر آپ نے حجرہ و صومعہ تعمیر کیا اور سکونت پذیر ہو گئے۔ زمینداران قوم دھول جن کی ملکیت میں وہ زمین تھی آپ کو وہاں سے اُٹھ جانے کے لئے کہا۔ حضرت نے وہاں سے کچھ دُور جا کر قیام کر لیا۔ وہاں بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اس دفعہ آپ جلال میں آ گئے اور دریا کو حکم دیا کہ یہاں سے ہٹ جائے اور ہمارے رہنے کے لئے جگہ خالی کر دے۔ دریا فی الفور وہاں سے دُور تک ہٹ گیا اور ایک بلند ٹیلہ دریا سے نکل آیا جس پر آپ نے قیام فرما لیا۔ آپ کا یہ تصرف دیکھ کر وہاں کے تمام زمیندار حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

روایت ہے ایک دفعہ آپ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کی ملاقات کے لئے آئے۔ مگر شیخ داؤد آپ کے رعب و ہیبت سے اتنے مرعوب ہوئے کہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ آپ نے کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد فرمایا "مرغی انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔ باہر نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں"۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آپ ہی کے ارشاد کا اثر تھا کہ شیخ داؤد بڑے کثیر اولاد ہوئے۔ جس ہیئت میں آپ شیخ داؤد سے ملنے آئے تھے وہ یہ تھی کہ شیر پر سوار تھے اور ہاتھ میں کوڑے کی بجائے سانپ تھا۔ ۱۰ / شوال ۹۷۳ھ میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ وفات پائی۔ مزار حجرہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ بعض روایات کے مطابق دو صد یا اس سے کچھ کم و بیش سال کی عمر پائی۔

چو بہاءالدین ز دنیا رخت لبست   رفت در فردوس چوں سروسہی
شیرِ عرفانِ نبی گو رحلتش!!   نیز پر دل شیرِ سلطان الولی
۹۰۳ھ   ۹۰۳ھ

۷۰۔ حضرت مخدوم جی قادری قدس سرہٗ

صاحب اخبار الاخیار رقمطراز ہیں، آپ سلسلۂ قادریہ کے بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ زہد و تقدس، عبادت و ریاضت میں بے مثال تھے۔ عالی ہمتی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ دنیا و اہلِ دنیا سے کوئی کام نہ تھا۔ متوکل اور مستغنی المزاج تھے۔ شہر بدر جو دیارِ دکن سے ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے اٹھنے اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی تھی۔ اس کے باوجود جواں ہمتی کا یہ عالم تھا کہ آدھی رات کو نوافل کے لیے اٹھتے، نمازِ تہجد ادا کرنے کے بعد فجر تک ایک نشست میں قرآن شریف ختم کرتے۔ ۹۷۸ھ میں وفات پائی۔

شد چو مخدوم از جہان بیوفا   گشت در فردوس والا جائے گیر
رحلتش مخدوم قطب العالم است   ہم بخواں "ہادی مخدوم الکبیر"
۹۷۸ھ   ۹۷۸ھ

۷۱۔ حضرت سیّد عبداللہ ربانی قدس سرّہٗ

سید محمد غوث گیلانی حلبی اوچیؒ کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی ہی کے سایۂ عاطفت میں پائی تھی۔ علمِ منقول و معقول اور اصول و فروع کے جامع تھے۔ اس جلالتِ علمی کے ساتھ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ دنیا و اہل دنیا سے بے نیاز تھے۔ اپنے عہد کے مشائخ میں ممتاز و ذوی الاحترام تھے۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے کمالاتِ صوری و معنوی سے اخذِ فیض کیا۔ ۹۷۸ھ میں بہ عہدِ اکبر وفات پائی۔ مزار اوچ میں ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

ز دنیا رفت در خلدِ معلّٰی!! چو شیخِ پاک عبد اللّٰہ معصوم
وصالِ پاکِ او از دل عیاں شد "امامِ دیں عبد اللہ مخدوم"
۹۰۹ھ

۷۲۔ حضرت سیّد اسمٰعیل گیلانی قدس سرہٗ

سیّد عبد اللہ ربانی گیلانیؒ اوچی کے فرزند ارجمند تھے۔ بڑے عابد و زاہد، مستغنی المزاج اور جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ آپ کو لاہور بلایا اور یہاں رہنے کی درخواست کی اور ایک ہزار بیگھہ زمین ضلع فیروزپور میں برائے وجہ کفاف عطا کی۔ مگر آپ کے کمالِ فقر و استغنا نے اسے قبول نہ کیا۔ البتہ لاہور میں محلہ لکھی میں سکونت اختیار کر لی۔ ۹۷۰ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی۔ مرقد حضرت موج دریا بخاری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت چوں از جہاں بخلدِ بریں پیرِ روشن ضمیر اسماعیل
گشت تاریخ رحلتش روشن "نیرِ نور مہبدِ اسماعیل"
۹۷۰ھ

۷۳۔ حضرت سیّد حامد گنج بخش قدس سرہٗ

سیّد حامد نام، گنج بخش لقب۔ سیّد عبد الرزاق بن سیّد عبد القادر ثانی گیلانی اوچیؒ کے فرزند رشید تھے۔ اپنے والد گرامی ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع کمالاتِ صوری و معنوی تھے۔ شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت میں وحید العصر تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ شاہانِ وقت بھی آپ کی عقیدت مندی کو باعثِ فخر و مباہات جانتے تھے۔ تمام عمر ہدایت خلق میں گزاری۔ اپنی زندگی ہی میں خلافت و سجادہ نشینی اپنے فرزند جمال الدین ابوالحسن موسیٰ کو تفویض کر دی تھی۔ آپ کے خلفاء میں سے شیخ سیّد شبیر علی شاہ ملتانیؒ اور شیخ داؤد کرمانیؒ زیادہ

مشہورِ زمانہ ہوئے ہیں۔ ۹۷۰ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

شیخ حامد گنج بخشِ دو جہاں — شد بملکِ خلد زیں فانی سرا
شیخِ محبوبی است سالِ وصلِ او — نیز "حامد شاہ سید مقتدا"
۹۷۰ھ — ۹۷۰ھ

۴۔ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی قادری قدس سرہٗ

داؤد نام، سید فتح اللہ بن سید مبارک باپ کا نام تھا۔ سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؒ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد عرب سے آکر ہندوستان میں پہلے ہیبت پور (پٹی) میں پھر قصبہ چونی وال (چونیاں)، سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ آپ اسی مقام پر اپنے والد کی وفات کے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ سنِ رشد کو پہنچے تو حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ کے شاگرد مولانا اسماعیل لاہوری کی خدمت میں آکر علومِ ظاہری کی تکمیل کی پھر حضرت سید حامد گنج بخش گیلانی اوچیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور سلسلۂ قادریہ کی تکمیل کے بعد خرقۂ خلافت سے ممتاز ہوئے اپنے زمانے کے صاحبِ حال و قال اور جامع شریعت و طریقت بزرگ گزرے ہیں۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی بلند مقامات پر فائز تھے۔ تمام رات کبھی قیام، کبھی سجود، کبھی رکوع اور کبھی قعدہ میں گزر جاتی تھی۔ کثرتِ ریاضت و مجاہدہ سے آپ کو نسبتِ خاص حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم سے پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ حضرت غوثیہ کی روح سے آپ کو اویسی کا رتبۂ عالی حاصل تھا۔

صاحبِ اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ مجلس میں اس طرح مضطرب و بے چین بیٹھتے کہ جیسے کسی نے کوئی چیز گم کردی ہو یا کسی کو اپنے محبوب کے آنے کا انتظار ہو۔ پھر ذوق و شوق کی حالت طاری ہو جاتی اور حقائق و معارف بیان کرنے شروع کرتے۔ اس مقام پر آپ کا کلام بڑا دقیق و بلند ہوتا۔ فرماتے، عراق کی جانب سے جو ہوا آرہی ہے اس میں خوشبوئے محبوب ہے اور میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ نیز اخبار الاخیار میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت شیخ قطبِ[1] عالم فرماتے ہیں کہ جب شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو

[1] حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ مراد ہیں جن سے صاحبِ اخبار الاخیار بیعت تھے اور خلافت پائی۔

آپ کے طریقِ وعظ و نصیحت سے میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید شیخ داؤد طریقۂ مہدویہ رکھتے ہیں۔ ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ شیخ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: مہدویہ طریقۂ ضلالت و گمراہی کا ہے۔ بطریقِ متعارف اور بسندِ صحیح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک ثابت نہیں ہے۔ اسی زمانے

لے اس طریقہ کے بانی سید محمد مہدی جونپوری تھے۔ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام یوسف تھا۔ ایک مجذوب دانیال کے مرید تھے۔ بحالت استغراق وجذب وسکر میں "انا مہدی" کا نعرہ لگایا۔ جب ہوش میں آئے تو توبہ کرلی۔ لیکن متقدمین اور جہلاء نے انہیں مہدیٔ موعود ہی بنا دیا اور ایک نیا فرقہ پیدا ہوگیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے اگرچہ اپنے آپ کو مہدی کہا ہے مگر اس سے مہدیٔ موعود مراد نہیں تھا بلکہ ہادی و رہنما اور مصلح مراد تھا۔ انہوں نے اصلاحی تحریک بھی شروع کی کیونکہ اس وقت ہندوستان میں سخت بدامنی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی حکومت احکام شرع کے اجرا و قیام کی ذمہ داری نہ لیتی تھی۔ علمائے حق کم اور علمائے دنیا اور جاہل صوفیا زیادہ تھے۔ آپ نے احیائے شریعت کا غلغلہ بلند کیا۔ ان کے شدید مخالف بھی معترف ہیں کہ علوم رسمیہ کے ساتھ زہد و درویشی اور عبادت و تقویٰ میں بھی لاجواب تھے۔ اصلاحی سلسلے میں اربابِ اقتدار سے ٹکر بھی لی۔ جب مخالفت کا بست زور ہوا تو گجرات چلے گئے لیکن علماء نے یہاں بھی مخالفت کی۔ یہاں سے حجاز کا رخ کیا وہاں سے ایران پہنچے۔ سلطان اسماعیل صفوی کا زمانہ تھا اس نے بھی وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا ابھی راستے ہی میں تھے کہ فراہ کے مقام پر ۹۱۱ھ میں وفات پا گئے۔ ان کے معتقدین شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی نے طریقۂ مہدویت کو فروغ دینا چاہا اور مخدوم ... نے دبانا چاہا۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک کے کہنے پر شیخ علائی کو دربار میں بلایا اور علماء کو جمع کیا جس میں سید رفیع الدین محدث اور میاں ابوالفتح تھانیسری بھی شریک ہوئے۔ مہدویت پر بڑا مباحثہ ہوا۔ بادشاہ نے معاملہ کو ٹالنا چاہا مگر شیخ علائی اس ادعا سے باز نہ آئے۔ اس پاداش میں کوڑوں سے پٹوائے گئے۔ بیمار تھے تیسرے کوڑے ہی میں روح پرواز کرگئی۔ لاش کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر فوج میں تشہیر کی گئی اور حکم دیا گیا کہ دفن نہ کی جائے۔ ان کے بعد شیخ عبداللہ نیازی کی باری آئی۔ دربار میں بلائے گئے۔ شیخ نہایت آزادی و بیباکی سے آئے۔ بادشاہ کو سلام کیا۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک سے پوچھا علائی کا مرشد یہی ہے۔ انہوں نے کہا، ہاں۔ انہیں بھی کوڑوں سے پٹوایا گیا۔ سخت جان تھے بچ گئے۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۰ھ میں وفات پائی۔ اُس زمانے کے دیگر علماء و مشائخ نے بھی سید محمد جونپوری کے دعوائے مہدویت کے رد و قبول میں بہت کچھ لکھا۔ مگر یہ تحریک کسی نہ کسی صورت میں چلتی رہی۔ مولانا شیخ جمال الدین معروف بہ شیخ بہلول جو اصحاب سلوک و طریقت سے تھے اور شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے اور علوم متداولہ میں سید رفیع الدین محدث شیرازی کے شاگرد تھے

(باقی اگلے صفحہ پر)

سبب مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اپنے زمانۂ اقتدار میں بعض مسائل کے اختلاف کی بنا پر بعض اکابر علماء وصلحاء کے درپے آزار تھے۔ آپ کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور سلیم شاہ کا فرمان بھجوا کر طلب کرایا۔ چنانچہ آپ دو خادموں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ گوالیار سے باہر ملاقات ہوئی مخدوم الملک شیخ کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوئے اور عزت واحترام کے ساتھ واپس کیا۔ دورانِ گفتگو شیخ نے مخدوم الملک سے اپنی طلبی کا سبب پوچھا۔ مخدوم الملک نے جواب دیا: ہم نے سنا ہے کہ وقتِ ذکر آپ کے مرید یا داؤد یا داؤد کہتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: یہ اشتباہِ سماع ہے وہ یا ودود یا ودود کہتے ہوں گے۔ مخدوم الملک یہ جواب سن کر خاموش رہا۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بمقام شیر گڑھ زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔

حضرتِ داؤد شیخِ باکمال ... شد چو از دنیا بجنت یافت جا
کن رقم فیاضِ کامل رحلتش! ... باز فرما "اہل عرفاں مقتدا"
۹۸۲ھ ... ۹۸۲ھ

۵۷۔ حضرت شیخ بہلول دریائی قدس سرہٗ

سلسلۂ قادریہ کے مشائخ عظام اور اولیائے ذوی الاحترام سے ہیں۔ حضرت شاہ لطیف[1] بری قادری سہروردی قدس سرہٗ کے نامور مرید وخلیفہ تھے۔ صاحب علم وفضل و زہد وتقویٰ تھے

(بقیہ ص ۲۰۳) سید محمد مہدی جونپوری کے دعوائے مہدویت کے قائل نہ تھے مگر ان کی ولایت کے ضرور معترف تھے۔ بعض علماء نے ان کے دعوائے مہدویت کے رد وقبول میں بین بین طریقہ اختیار کیا اور ان کے احوال ومقامات کو جذب وسکر قرار دے کر خاموش ہو گئے مگر معاملہ جوں کا توں رہا۔ شیخ مبارک ناگوری بھی آزاد خیال اور آزاد مشرب ہونے کے باعث طریقہ مہدیت کے مؤید تھے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ مہدویت موقوف علیہ ایمان واسلام نہیں ہے تعین علامت مہدی میں سخت اختلاف واقع ہوا ہے۔ اموی وعباسی خانہ جنگی سے لے کر آج تک یہ عقیدہ سیاسی وجماعتی تغلب کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ اپنے حصول مقاصد کے لیے کئی فرقوں نے تعینِ ذات مہدی کے لیے حدیثیں بھی وضع کیں۔

[1] بزرگان پنجاب میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ صاحبِ فضل وکمال اور خوارق وکرامات تھے۔ بڑے عابد و زاہد وگوشہ نشین تھے۔ اکثر حالتِ استغراق وجذب وسکر میں رہا کرتے تھے نعمتِ باطنی حضرت جمال اللہ حیات المیر

(باقی ص ۲۰۵ پر)

اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد عراق و عجم کی سیاحت کو نکلے۔ پہلے نجفِ اشرف پہنچے۔ دو سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر اعتکاف کیا۔ وہاں سے کربلا آئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر تین ماہ حاضری دیتے رہے وہاں سے مکہ معظمہ آئے۔ مناسکِ حج ادا کیے۔ یہاں سے مدینہ منورہ آئے۔ روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر مشہد مقدس آئے۔ حضرت علی رضا امام ہشتم اثنا عشری کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں سے بشارت پائی کہ ایک مردِ حق فلاں پہاڑ کی غار میں بیٹھا ہوا ہے جو سلسلۂ قادریہ ہی سے منسلک ہے اُس کے پاس جاؤ اور اپنا حصہ لو جو اگرچہ وہ مرد مجذوب ہے مگر پیرِ روشن ضمیر ہے۔ چنانچہ یہ اشارۂ غیبی پاتے ہی آپ وہاں پہنچے، دیکھا کہ غار میں ایک مرد دیرینہ سال مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی غار میں نہیں۔ اس کے چند خادم باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیخ نے اس بزرگ کا حال اُن سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ شیخ ہر روز ایک مرتبہ مراقبہ سے سر اٹھاتا ہے اور حاضرین پر نظر ڈالتا ہے لیکن ایک روز اس کی نظر میں تاثیرِ جلالی ہوتی ہے اور دوسرے روز تاثیرِ جمالی۔ آج نظرِ جلالی کا دن ہے۔ اس نظر کی کوئی شخص تاب نہیں لا سکتا۔ چنانچہ آپ نے اس روز توقف کیا۔ دوسرے روز علی الصبح غار میں پہنچے اور مجذوب کی نظرِ فیض اثر سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ روضۂ پاک چنیوٹ کے علاقہ میں ہے۔

کرد رحلت چو از زمین بہلول — رفت روحش باوج چرخ بریں

ہم بخوان "خیر اہل دیں بہلول" — بست شیخِ جلیل تاریخش

۹۸۲ھ — ۹۸۲ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) فرزند پنجم سید عبد الرزاق خلف حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم سے پائی تھی۔ حضرت جمال اللہ کو حیات المیر زندہ پیر کہنے کی یہ وجہ ہے کہ حضرت غوثیہ کو یہ پوتے بڑے محبوب تھے اور آپ نے ان کے لئے عمرِ جاوید کی دعا مانگی تھی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ چنانچہ وہ آج تک زندہ ہیں اور دیارِ سمرقند کی کسی جانب سکونت رکھتے ہیں۔ اکثر اولیائے کرام نے آپ سے اخذِ فیض کیا ہے۔ حضرت شاہ لطیف بری نے ان کے علاوہ شیخ نصیر الدین قریشی ملتانی سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ اسی لئے بعض تذکرہ نویسوں نے انہیں اور شیخ بہلول دریائی کو مشائخ سہروردیہ میں شمار کیا ہے۔ ۱۰۹۲ھ میں وفات پائی۔

۷۶۔ حضرت شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری قدس سرہٗ

حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کے بزرگ ترین مرید اور خلیفۂ اعظم تھے۔ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ عرفان و اتقا میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ابو المعالی جو شیخ داؤد کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے اُن سے بڑی الفت و محبت تھی۔ دونوں حضرات ایک ہی جگہ پر عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں بیٹھا کرتے تھے۔ جب شیخ داؤد نے شاہ ابو المعالیؒ کو لاہور جا کر قیام کرنے کا حکم دیا تو آپ بھی اپنے مرشد سے اجازت لے کر لاہور آ گئے اور محلہ مغل پورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ اپنی خانقاہ میں علوم فقہ و حدیث و تفسیر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے بہرۂ وافر حاصل کیا۔ آپ کے بزرگ قوم مغل غوری سے ہیں۔ ۹۹۵ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی اور اپنی قیام گاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے تین صاحبزادوں محمد حسین، ملک حسین اور یار حسین کے مزارات بھی آپ کے روضہ کے قریب ہی ایک گنبد کے اندر ہیں۔

شیخ بو اسحاق پیرِ رہنما! | شد چو از دنیائے دوں اندر جناں
رحلتش گفتم نقیبِ معرفت | ہم "ابو اسحاق تاجِ عارفاں"

۷۷۔ حضرت سید میر میراں گیلانی اوچی قدس سرہٗ

حضرت سید مبارک حقانی گیلانی اوچی کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ہی کے سایۂ عاطفت میں پائی تھی۔ اُنہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ عابد و زاہد، متقی و صاحب الارشاد تھے۔ اوچ سے نقل مکان کر کے لاہور آ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولِ عام عطا فرمایا تھا تمام عمر درس و تلقین میں گزاری۔ ۹۸۶ھ میں وفات پائی۔ مرقد گورستان میانی میں ہے۔

چوں آں مقبل مبارک میر میراں | بجنت رفت زیں دنیائے فانی!
بخواں "مقبل مبارک میر میراں" | دعالش "مخزن الاسرار" فرما

۹۸۶ھ | ۹۸۶ھ

۷۸۔ حضرت شیخ معروف چشتی قادری قدس سرہٗ

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر کی اولاد امجاد سے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ تھے نیز حضرت سید مبارک حقانی گیلانی اوچی سے بھی اخذِ فیض کیا تھا اور خرقۂ خلافت پایا تھا۔

روایت ہے: جب آپ حضرت سید مبارک حقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے تو وہ اس انتہائے استغراق اور جذب و سکر میں صحرائے لکھی میں مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول تھے۔ اس حالت میں کسی کو ان کے سامنے جانے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ جب شیخ چشتی وہاں پہنچے تو خدام نے انہیں حضرت کے سامنے جانے سے روکا۔ مگر انہوں نے فرمایا: ہرچہ بادا باد۔ جو کچھ بھی ہو میں ان کے سامنے ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ جرأت و ہمتِ مردانہ کر کے ان کے سامنے پہنچے۔ آپ اس وقت گو مراقبہ میں مستغرق تھے مگر نورِ باطن سے آگاہ ہو کر سر اٹھایا اور متبسم ہو کر شیخ معروفؒ کی طرف دیکھا۔ نظر پڑتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔ تین دن تک بیہوش رہے۔ جب ہوش میں آئے تو حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر سلسلۂ قادریہ کے عطائے خرقہ سے سرفراز ہوئے اور کچھ عرصہ حاضرِ خدمت رہ کر کمالاتِ ظاہری و باطنی میں مقاماتِ بلند حاصل کئے۔ رخصت کے وقت حضرت حقانی نے فرمایا: تم سے ایک نیا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف طریقۂ نوشاہیہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ ۹۸۷ھ میں وفات پائی۔

زدنیا گشت سوئے خلد راہی ۔۔۔ چو شیخ دین والا شاہ معروف
وصال او بہ سرور گشت پیدا ۔۔۔ ز "اقدس شاہ عالی جاہ معروف"
۹۸۷ھ

۷۹۔ حضرت سید محمد نور قادری قدس سرہٗ

سید بہاول شیر گیلانی حجرویؒ کے فرزندِ ارشد تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی ہی سے پائی تھی۔ تمام بھائیوں میں علوم ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان کے خسر

شاہ کمال بخاریؒ بھی جن کا مزار قصبۂ چونیاں میں ہے اور پیر جہانیاں کے خطاب سے مشہورِ زمانہ ہیں۔ اپنے عہد کے کامل و اکمل بزرگ گزرے ہیں۔ جب آپؒ کے پدر بزرگوار نے رحلت فرمائی تو اتفاق سے آپ اس وقت تجرہ میں نہیں تھے۔ آپ کی غیر حاضری ہی میں انھیں دفن کر دیا گیا۔ جب آپ سفر سے واپس آئے تو دیدارِ پدر کے لئے نہایت مضطرب و بیقرار تھے۔ آپ نے چاہا کہ قبر کھول کر والدِ بزرگوار کا دیدار کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے دیگر معتقدین ولواحقین پر یہ قدغن لگادی کہ کوئی قبر شریف کے پاس نہ آنے پائے۔ قبر پر خیمہ لگا کر اسے کھولا گیا۔ ایک معمار کسی طرح چھپ کر خیمہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تاکہ وہ حضور کی زیارت سے مشرف ہو سکے۔ خود حضرت سید محمد نورؒ نے لحد کھولی اور والدِ ماجد کے دیدار سے فیض یاب ہوئے۔ مگر وہ چھپا ہوا معمار تابِ دید نہ رکھتا تھا، اسی وقت اندھا ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سید محمد نورؒ نے آپ کی قبر پر گنبد بنانے کا ارادہ کیا۔ جہاں اور معمار تعمیرِ گنبد کے لئے آئے وہاں یہ اندھا معمار بھی حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اگر میں بینا ہو جاؤں تو حضرت کا مقبرہ خود بناؤں۔ فرمایا: اچھا یونہی سہی۔ دن بھر جب تُو کام کرتا رہے گا، بینا رہے گا۔ جب کام سے فارغ ہو گا تو اندھا ہو جائے گا۔ چنانچہ جب تک مقبرہ بنتا رہا اسی طرح ہوتا رہا۔ ۹۸۰ھ میں وفات پائی۔

گشت در جنت چو رو دش مثلِ ماہ   نورِ دیں نور محمد شاہ نور

سالِ وصلش شفقتِ حق گو نیز   سالکِ اکبر محمد شاد نیز
۹۸۰ھ   ۹۸۰ھ

۸۰۔ حضرت شاہ قمیص الدین گیلانی سادھوری قدس سرہٗ

والد کا نام سید ابی الحیات بن سید تاج الدین محمودؒ تھا۔ سلسلہ نسب حضرت سید عبدالرزاقؒ خلف حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد بغداد سے نقلِ مکان کر کے ہندوستان آئے۔ کچھ عرصہ بنگال میں رہے۔ پھر قصبہ سادھورہ خضر آباد جو انبالہ کے علاقہ میں ہے وہاں آکر سکونت اختیار کر لی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور صوفیِ باصفا تھے۔ آپ کی ذات سے سلسلۂ قادریہ کو ہندوستان میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔

آپ نے سادھورا میں شیخ نصر اللہ کی دختر سے نکاح کیا جن کے بطن سے سید قمیص الدین پیدا ہوئے۔ شیخ نصر اللہ بھی اپنے زمانے کے صلحا میں سے عالم و فاضل شخص تھے۔ سید قمیص الدین نے اپنے والد ماجد ہی کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور کمالاتِ صوری و معنوی میں یگانۂ آفاق ہوئے۔ آپ کی ذات اپنے زمانے میں مغتنمات سے تھی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں سے سید عبد الرزاق المشہور شیخ بہلول جامعِ شریعت و طریقت و حقیقت گزرے ہیں۔ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔

چوں قمیص از جہانِ دنیا رفت — گشت چوں گنج در زمیں مستور
سالِ وصلش امامِ فضل آمد — نیز شیخ امام کرد ظہور
۹۹۲ھ — ۹۹۲ھ

۸۱۔ حضرت شیخ سید اسماعیل گیلانی قدس سرہٗ

باپ کا نام سید ابدال بن سید نصر تھا۔ سید عبد الرزاق فرزندِ حضرت سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظمؒ تک سلسلۂ نسب منتہی ہوتا ہے۔ عالم و فاضل اور صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ قلعۂ رُہتوز میں سکونت رکھتے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: سب سے پہلے سید اسماعیلؒ کے بزرگ ہندوستان میں تشریف لائے۔ ان سے پہلے حضرت غوثیہ کی اولاد میں سے کسی نے ہندوستان کی جانب رُخ نہیں کیا تھا۔ اگر کیا بھی تھا تو قیام نہیں کیا تھا۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے ایک خلقِ کثیر نے علم و ہدایت سے حصۂ وافر حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ محمد حسن، شیخ امان پانی پتی، شیخ عبد الرزاق ساکن جھنجانہ آپ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ یہ تینوں حضرات مجمع البحرین تھے اور سلسلۂ قادریہ و چشتیہ کے مشاہیر اولیا سے تھے۔ ان بزرگوں کا ذکر سلسلۂ چشتیہ میں آئے گا۔ ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔ مزار قلعہ رُہتوز میں ہے۔

شد چو اسماعیل از دار البقا — مسکنِ خود یافت در دار السلام
رحلتش آمد عیاں ممتازِ وقت — نیز "اسماعیل مخدوم انام"
۹۹۴ھ — ۹۹۴ھ

۸۲۔ حضرت سیّد الٰہ بخش گیلانی لاہوری قدس سرہٗ

بقول صاحب اخبار الاخیار سیّد محمد بن سیّد زین العابدین بن سیّد عبد القادر ثانی اوچی کے فرزند تھے۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اپنے زمانے کے مقتدائے عالم تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ ۹۹۴ھ میں دیارِ بنگال میں وفات پائی۔

الٰہ بخش آں ولیٔ دینِ احمد ۔ ز دنیا شد چو در خلدِ معلّٰی
بجستم از خرد سالِ وصالش ۔ ز فیاضِ زمانہ گشت پیدا
۹۹۴ھ

۸۳۔ حضرت شیخ خضر سیوستانی قدس سرہٗ

سلسلۂ قادریہ کے مشائخ سے ہیں۔ سیوستان وطن تھا۔ اپنے زمانے کے صاحب کمال و یکتائے روزگار بزرگ گزرے ہیں۔ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور فقر و استغنا میں بے مثال تھے۔ تجرید و تفرید کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر آبادی سے دُور ایک ویرانہ میں یادِ الٰہی میں بسر کر دی۔ قوت لایموت جنگل کے درختوں اور پتوں سے حاصل کرتے۔ یا کبھی تنور میں اپنے لئے ایک آدھ روٹی پکا لیتے تھے۔ لباس صرف ایک تہ بند اور چادر تھا جس سے سر اور جسم ڈھانپ لیتے تھے۔ جو تنور بنا رکھا تھا اُسے بوقتِ ضرورت جنگل کے ایندھن سے گرم کر لیتے تھے۔ شہر و آبادی کی طرف بالکل رغبت نہ تھی۔ جنگل کے طیور و وحوش آپ کے ہم نفس و ہمداستاں تھے۔ تنور کے سامنے ایک پتھر رکھا ہوا تھا اس پر بیٹھ کر عبادتِ الٰہی کیا کرتے تھے۔ اس پتھر پر گرمیٔ آفتاب کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ موسمِ سرما میں بھی یہی تنور گرم کر لیتے تھے اور اس میں بیٹھ کر یادِ الٰہی کیا کرتے تھے۔

ایک روز حاکمِ سیوستان آپ کی زیارت کے لئے آیا۔ دیکھا کہ شیخ گرم دھوپ میں پتھر پر بیٹھے ہوئے یادِ حق میں مصروف ہیں۔ نزدیک جاکر اپنا سایہ شیخ پر ڈالا۔ شیخ نے مراقبہ سے

سر اُٹھایا اور پوچھا: کون ہے اور اس ویرانے میں کس لئے آیا ہے۔ کہا حاکمِ سیوستان ہوں اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے خدمت کا موقع دیجئے تاکہ اس سے سعادتِ دارین حاصل کروں۔ فرمایا: کوئی خدمت نہیں ہے۔ اُس نے پھر عجز و انکسار سے درخواست کی۔ فرمایا، بہتر، پہلی خدمت یہ ہے کہ اپنے سایہ کو میرے سر سے دور کرو اور جہاں سے آئے ہو، وہیں چلے جاؤ۔ جس شخص کے سر پہ سایۂ الٰہی ہو اُس کو دوسرے کے سایہ کی حاجت نہیں ہے۔" وُہ دُور جاکر کھڑا ہو گیا اور کہا، حضرت جس وقت یادِ حق میں مشغول ہوں میرے لئے دُعا فرمائیے۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ وُہ دن میرے نصیب نہ کرے کہ یادِ حق کے وقت غیرِ حق کا خیال میرے دل میں گزرے۔ ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔ مزار سیوستان میں ہے۔

شیخِ خضر آں رہنمائے راہِ حق — مقتدائے دیں ولیٔ متقی
ہادیٔ دیں شیخ شد از دل عیاں — سن وصالِ انتقالش اے اخی
۹۹۴ھ

۴۸۔ حضرت سید شاہ نور حضوری قدس سرہٗ

سید محمود حضوری موسوی غوری کے فرزند ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ پائی تھی۔ اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ تکمیلِ سلوک کے بعد عطائے خرقہ سے سرفراز ہوئے اور اجازتِ ارشاد ملی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ والدِ ماجد کے فیضانِ نظر سے یہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ جو آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا وہ بہت جلد اوجِ طریقت پر پہنچ کر مرتبۂ حضوری حاصل کر لیتا۔ ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار سید محمود حضوری کے گنبد کے اندر ہے۔

گشت روشن چوں بخلد جاوداں — سید و سردار سرور شاہ نور
سالِ وصلش از خرد شد جلوہ گر — "ہادیٔ احسن منور شاہ نور"
۹۹۷ھ

۸۵۔ حضرت سید موسیٰ پاک شہید قدس سرہٗ

سید حامد بخش گیلانی اوچیؒ کے فرزند رشید ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کے زیر سایہ پائی تھی۔ پدر بزرگوار سے سلوک و معرفت میں مقامات بلند اور مدارج ارجمند حاصل کر کے جمال الدین ابوالحسن کا خطاب پایا تھا۔ عبادت و ریاضت اور ارشاد و ہدایت میں یگانۂ روزگار تھے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے اویسی تھے۔ نیز حالتِ بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء سے بھی مشرف ہوئے تھے اور بطریق کشف قبور حضرت شیخ سید عبد القادر ثانی گیلانی اوچیؒ سے اخذِ فیض کیا اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ صاحب اخبار الاخیار آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ کتاب کے آخر میں اپنی بیعت کے حالات مفصل و مشروح درج کئے ہیں۔ آپ کی تمام عمر رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین میں گزری۔ ۱۰۰۱ھ میں قوم لنگاہ کی ایک خانہ جنگی میں اتفاقاً گولی لگنے سے شہید ہوئے۔ مزار ملتان میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چو موسیٰ از جہاں رختِ سفر بست	عیاں شد رحلتِ آں شاہِ حق بیں
ز" قطب الاصفیا موسیٰ ثانی"	دگر" موسیٰ ثانی نیر دیں"
۱۰۰۱ھ	۱۰۰۱ھ

۸۶۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قدس سرہٗ

عبدالوہاب نام، متقی لقب، والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا۔ اصل وطن مالوہ تھا۔ ان کے والد ہندوستان کے اکابر صوفیا و علما سے تھے۔ حوادثِ زمانہ نے ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ برہان پور آ گئے، یہیں فوت ہوئے۔ شیخ عبدالوہاب کو چھوٹی عمر ہی میں سلوک و معرفت اور سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ بیس سال کی عمر میں وطن سے نکلے۔ گجرات، دکن، سراندیپ سے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے۔ یہاں حضرت شیخ علی[1] متقی چشتی قادری شاذلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ خدمتِ مرشد میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی سے بہرۂ وافر حاصل کیا۔ اپنے خلوص و عقیدت کے باعث

---

[1] شیخ علی نام، متقی لقب تھا، والد کا نام حسام الدین تھا۔ اصل وطن جونپور تھا مگر ولادت (باقی اگلے صفحہ پر)

مرشد سے بے اندازہ فیوض و برکات اکتساب کئے۔ اپنے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کی وجہ سے عین ذاتِ مرشد ہو گئے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: شیخ عبدالوہاب ۱۱ سال مرشد کی زندگی میں اور ۲۰ سال مرشد کی وفات کے بعد مکہ معظمہ میں رہے۔ اس چالیس سال کے دوران میں ایک سال بھی حج فوت نہیں ہوا۔ وہاں تمام عمر درس و تدریس، ارشاد و ہدایت اور ریاضت و مجاہدہ میں گزاری۔ مرشد کی وفات کے بعد اپنے خویش و اقارب سے ملنے کے لئے گجرات آئے مگر اسی سال واپس چلے گئے کہ حج سے محروم نہ رہ جائیں۔ پچاس سال کی عمر میں نکاح کیا۔ اس سے پہلے جو فتوح خانقاہ میں آتی تھی وہ سب کی سب تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اب اس سال سے اپنے اہل و عیال کا حصہ بھی نکالنے لگے۔ صاحب اخبار الاخیار رقمطراز ہیں۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک بار میں بچپن میں والد کے ہمراہ سفر میں تھا۔ اثنائے سفر میں ہم راستہ بھول کر ایک صحرائے لق و دق میں پہنچ گئے۔ آبادی تو کجا رہی آب و گیاہ کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے رونے لگا۔ والد دلداری کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی طعام آتا ہے۔ اسی حالت میں رات ہو گئی۔ ہم وحشی جانوروں سے بچنے کے لیے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اسی کش مکش میں رات کاٹی۔ علی الصبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اسی درخت کے نیچے ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہے اور قریب ہی ایک نورانی صورت مرد پیر بیٹھا ہوا ہے۔ ہم درخت سے نیچے اترے اس نے ہمیں اپنی بغل سے گرم گرم روٹیاں نکال کر دیں۔ ہم نے کھائیں۔ اُس چشمے سے پانی پیا۔ اس مرد پیر نے کہا: یہاں قریب ہی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲) برہان پور میں ہوئی تھی پہلے سلسلۂ چشتیہ میں شاہ باجن سے فیض حاصل کیا۔ پھر شیخ حسام الدین متقی ملتانی چشتی سہروردی سے علوم ظاہری و باطنی سے استفادہ کیا۔ حرمین الشریفین آئے۔ یہاں شیخ ابوالحسن بکری سے اجازتِ تلقین طریقہ شاذلیہ جو حضرت شیخ ابومدین مغربی المتوفی ۵۹۰ھ تک منتہی ہوتا ہے حاصل کی اور حضرت شیخ محمد بن محمد سخاوی سے سلسلۂ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا۔ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر کے تادمِ زیست درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مشغول رہے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے جمع الجوامع، جامع صغیر، مجموعہ حکم کبیر، تبئین الطریق زیادہ مشہور ہیں۔ ۹۷۵ھ میں وفات پائی۔ "علی سرہند" آپ کی تاریخ وفات ہے۔ مزار مکہ معظمہ میں ہے۔

گاؤں ہے، وہاں چلے جاؤ۔ ہم اُس گاؤں میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ آرام کیا۔ مجھے وہ چشمہ دیکھنے کا
پھر شوق ہوا۔ اُس جگہ پر آیا۔ دیکھا کہ وہاں نہ چشمہ ہے نہ وہ مردِ پیر۔ حیران رہ گیا۔ شاید وہ
بزرگ حضرت خضر ہوں گے۔ ہم پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

شیخ اپنے سفر کا ایک اور حال لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دیارِ مالابار میں پہنچے۔ قاضی شہر
شافعی مذہب عبدالعزیز نامی تھا۔ درویشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ ہمیں بھی درویش سمجھ کر
بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ پیش آیا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا اس شہر میں کوئی مردِ
درویش ہے۔ کہا: ہاں کیوں نہیں صاحب خوارق و کرامت درویش ہے۔ عوام بھی اس کے
بڑے معتقد ہیں۔ مگر بظاہر ارتکابِ نواہی کرتا ہے۔ خود شراب پیتا ہے دوسروں کو پلاتا ہے۔
اسی وجہ سے میں بھی اُس سے خوش نہیں ہوں۔ دوسرے روز میں قاضی کی نشان دہی کے مطابق
اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا۔ دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم ہے۔
میں جب اس کے نزدیک پہنچا تو مجھے مرحبا کہا اور بڑا خوش ہوا۔ دو پیالے شراب کے آئے
ایک اس نے خود پینا شروع کیا اور دوسرا مجھے پینے کے لئے کہا۔ میں نے انکار کیا۔ کہا یہ تو
حرام مطلق ہے اسے نہیں پینا چاہئے۔ وہ اصرار کرتا رہا میں انکار پر قائم رہا۔ تنگ آکر کہنے لگا: اچھا
نہیں پیتے تو نہ پیو۔ دیکھو اب تمہارے ساتھ کیا پیش آتا ہے۔ میں یہ سن کر بڑا مغموم ہوا اور
اُس کی مجلس سے اُٹھ کر آ گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ بڑا پُر لطف و پُر نظارہ اور عجیب و غریب
باغ ہے۔ اگر اسے بہشت کا نمونہ کہا جائے تو بجا ہے۔ چاہا کہ اندر جاؤں۔ دیکھا کہ دروازے پر وہی
مردِ شراب خوار کھڑا ہے۔ ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے۔ کہتا ہے پہلے یہ شراب پیو پھر باغ کے
اندر جانے کی اجازت ہو گی۔ میں اس اثنا میں بیدار ہو گیا لاحول پڑھا، پھر سو گیا، پھر وہی کیفیت
دیکھی۔ اُٹھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں التجا کی اور آپ کی مدد مانگی۔ پھر سو گیا۔
دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف رکھتے ہیں۔ دستِ مبارک میں عصا ہے اور
میں حضور کے رو برو حاضر ہوں۔ اُسی وقت وہ مردِ شراب خوار حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس کی
طرف عصا پھینکا اور فرمایا "ہٹ جا نامبارک کُتّے" اسی وقت اس کی صورت مسخ ہو کر کُتّے کی
ہو گئی۔ وہ وہاں سے بھاگا۔ پھر مجھ فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس وقت میں نے اسے یہاں سے

نکال دیا ہے۔ اب یہ شہر میں نہیں رہے گا۔ میں بیدار ہو کر اس کی قیام گاہ پر گیا۔ دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے اور وُہ راتوں رات بھاگ گیا ہے۔ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی۔ مزار مکہ معظمہ میں ہے۔

ز دنیا شد چو در خلدِ معلّٰی! جنابِ شیخِ اکمل عبد وہاب
رضا جو شیخ کامل گو بسالش دگر برخواں ز افضل عبد وہاب
۱۰۰۱ھ ۱۰۰۱ھ

۸۷۔ حضرت سیّد صوفی گیلانی قدس سرّہٗ

باپ کا نام سیّد بدر الدین بن سیّد اسماعیل ہے۔ کمالاتِ ظاہری و باطنی سے آراستہ اور صاحبِ شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ تمام عمر لاہور میں ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی۔

شہ خلد صوفیِ صافی ضمیر شریفے ز اولادِ پاکِ علی
شود سالِ ترحیلِ او جلوہ گر ز مخدوم صوفی سیّد ولی
۱۰۰۲ھ

۸۸۔ حضرت سیّد کامل شاہ قادری لاہوری قدس سرّہٗ

بعہدِ اکبر بخارا سے لاہور آئے اور موضع بابوسابو میں سکونت اختیار کی۔ علومِ ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ عبادت و مجاہدہ، زہد و ورع اور شجاعت و توکل میں راسخ القدم تھے۔ طریقۂ قادریہ و مداریہ میں شیخ الہ داد مداری کے مرید و خلیفہ تھے۔ لوگوں میں دیوانِ کامل مشہور تھے۔ ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی۔ مزار متصل موضع بابوسابو ہے۔ آپ کے مرید عبدالرحیم نامی نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرنا چاہا۔ مگر آپ نے خواب میں آکر منع فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ میرا مزار کھلا رہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

جنابِ شیخِ کامل صدر دیواں — بعلمِ عشق کامل قطبِ عالم
ندا شد بہرِ سالِ انتقالش — کہ "شاہنشاہِ کامل قطبِ عالم"

۸۹- شیخ حسین لاہوری قدس سرہٗ

حضرت شیخ بہلول دریائی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا دادا کلجس رائے ہندو تھا اور فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ حسین کا باپ عثمان نامی دین دار آدمی تھا۔ بافندگی پیشہ تھا۔ شیخ حسین ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے ہونے تو لاہور کے ایک فاضل حافظ ابوبکر کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ چھ سات پارے حفظ بھی کر لئے تھے اور کچھ دینیات میں بھی استعداد بہم پہنچائی تھی کہ اسی اثنا میں شیخ بہلول وارِدِ لاہور ہُوئے۔ ایک روز شیخ ابوبکر کی مسجد میں تشریف لائے اور شیخ حسین کو دریا سے ایک کُوزہ پانی کا لانے کے لئے کہا۔ اس وقت دریائے راوی ٹکسالی دروازے کے باہر بہتا تھا۔ شیخ حسین دریا پر گئے اور کوزہ میں پانی بھر لائے۔ شیخ بہلول نے وضو کیا، نماز پڑھی اور شیخ حسین کے حق میں دُعا کی کہ اے الٰہی اس لڑکے کو عارف اور اپنا عاشق بنا۔ شیخ حسین بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اُنہی ایام میں ماہِ رمضان شروع ہو گیا۔ شیخ بہلول نے حسین کو نمازِ تراویح میں امام بنایا۔ حسین نے مرشد کی توجہ سے تمام قرآن سُنا دیا۔ صاحب حقیقۃ الفقرا نے اسے یُوں نظم کیا ہے:

در زمانے کہ شیخ سوئے حسین — آمد از بہرِ جستجوئے حسین
وقتِ خوش بود ساختے مسعود!! — سالِ پنجاہ و پنج و نہ صد بود
سالِ تاریخ اوست بے تاخیر — حق شدہ ہادیٔ حسین فقیر

شیخ بہلول نے چند سال ہی میں حسین کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا اور اپنے وطن قصبۂ چندیوٹ (چنیوٹ) میں چلے گئے۔ اس کے بعد شیخ حسین نے چھبیس سال آبادی سے دُور ویرانے میں شب و روز ریاضت و مجاہدہ میں گزارے مگر رات کو حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے

مزار پر آکر اعتکاف میں بیٹھتے۔ اسی دوران میں آپ کو حضرت مخدومؒ کی زیارت بھی ہوتی اور تمام مزار پُر نور ہوجاتا۔ اس طرح حسین حضرت کی توجہ سے کامل و اکمل ہو گئے اور نورِ باطن سے تمام اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ صاحب حقیقۃ الفقرا لکھتے ہیں:

کہ بناگہ ز مرقدِ پُر نور | کرد در دیدۂ حسین ظہور
پیکرِ خوش بنورِ نورانی | منظرِ نورِ پاکِ رحمانی
گشت از دیدنش چو مست حسین | بے خود از جائے خویش جست حسین
از ارادت فتاد در پایش!! | سر خدمت نہاد در پایش

شیخ حسین چھتیس برس کی عمر میں شیخ سعد اللہ لاہوری سے تفسیرِ مدارک پڑھ رہے تھے۔ جب آیہ وَمَا الحیٰوۃُ الدُّنیا اِلاَّ لَھوٌ وَّلَعِب پر پہنچے تو استاد سے اس کے معنے دریافت کیے۔ انہوں نے اس کے جو معنی تھے، بیان کیے۔ شیخ نے کہا: مجھے حال مطلوب ہے قال نہیں۔ یہ کہا اور کتابوں کو اُٹھا کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ دُوسرے طلبہ نے اس پر اعتراض کیا۔ اُن کے مطالبہ پر کتابیں نکال کر اُن کے حوالے کر دیں جو ہنوز خشک تھیں اور رقص و سرود کرتے ہوئے مسجد سے باہر آگئے اور طریقہ ملامتیہ[1] اختیار کر لیا۔ دارا شکوہ نے بھی انہیں ملامتیوں کے گروہ کا

---

[1] اکابر مشائخ طریقت اس طریقہ کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

اول ایک شخص سیدھی راہ چلتا ہے۔ نیک نیتی سے اپنا کام کرتا ہے۔ احکام خداوندی بجا لاتا ہے۔ دینی معاملات میں دین پروری کی رعایت کرتا ہے۔ اس پر لوگ اس کی ملامت کرتے ہیں مگر وہ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ ایسے ہی مومنوں کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ "یہ خاصان خدا ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کا علم بڑا وسیع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں میں ہر دلعزیز اور صاحبِ عزت ہو۔ اُس کی طبیعت اس کی طرف لگ جائے مگر وہ اپنا دل اُس طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور تکلف سے ایسا طریق اختیار کرے کہ جس سے لوگ متنفر ہو کر اس سے الگ ہو جائیں اور اسے بُرا بھلا کہنے لگیں لیکن شریعت کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

سروار لکھا ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد کوچہ و بازار میں اسی طرح پھرتے۔ چار ابرو کا صفایا، ہاتھ میں شراب کا پیالہ، سرود اور نغمہ چنگ و رباب تمام قیود شرعی سے آزاد جس طرف چاہتے نکل جاتے۔ صاحبِ حقیقۃ الفقراء لکھتے ہیں ایک روز اپنے دوستوں کی خواہش پر حسین

(بقیہ صفحہ ۲۱۷)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو کفر او رگمراہی دامن گیر ہو جائے۔ اس سبب سے وہ شریعت کی متابعت ترک کر کے کہے کہ یہ ملامتی طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا ہے۔ ہر حال میں اپنی رائے پر عمل کرے اور لوگ اسے کچھ نہ کہیں۔ کسی نام سے اُسے پکاریں، وہ پروا نہ کرے۔ اس قسم کی ملامت ریاکاری ہے اور تارکِ فرض دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

شیخ حسین ملامتیہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد علانیہ شراب پیتے، گانا سنتے۔ طوائفیں ان کی مجلس میں آتیں اور رقص و سرود سے اِن کی محفل کو گرماتیں۔ شیخ حسین خود بھی اپنے محبوب و منظورِ نظر مادھو کے ساتھ رقص کرتے تھے اور داڑھی مونچھ منڈاتے تھے۔ ان کے حلقہ نشین بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ نماز روزہ کے ساتھ انہیں سروکار نہ تھا۔ جب تک کوئی شخص داڑھی مونچھ کا صفایا نہ کرا دیتا اس وقت تک مرید نہ سمجھا جاتا۔ وُہ اپنے مرید کو اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ دیتے۔ اگر وُہ پی لیتا تو مریدوں میں سمجھا جاتا ورنہ مجلس سے باہر نکال دیا جاتا۔

ان ظاہری بدعتوں اور خلافِ شریعت باتوں کے باوجود صاحب کرامت ولی سمجھے جاتے تھے، حالانکہ "استقامت فوق الکرامت" کے مسلمہ اصول کے مطابق استقامتِ دین ہی دین کی سب سے بڑی کرامت ہے۔ ان خلافِ شریعت امور کے باوجود صاحبِ کرامت سمجھے جاتے تھے۔ حالانکہ کرامات جزوِ ولایت نہیں ہیں۔ دارالشکوہ نے حسنات العارفین میں ان کی بڑی تعریف کی اور ایک دو کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے نیز اپنی تصنیف شطحیات میں ان کے متعلق لکھتا ہے کہ شہزادہ سلیم اور اکبر کی اکثر بیگمات شیخ کی عقیدت مند تھیں۔ سلیم نے خاص کر ایک درباری بہار خاں نامی کو مقرر کر رکھا تھا کہ وُہ ان کا روزنامچہ لکھتا رہے۔ یہ روزنامچہ رسالۂ بہاریہ کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ حسین کی سوانح حیات کے قدیم ماخذ یہی دو کتابیں ہیں۔ رسالۂ بہاریہ اور حقیقت الفقراء، رسالہ بہاریہ اکبر کے عہد میں لکھا گیا اس کا مصنف منشی بہار خاں ہے جسے جہانگیر نے شیخ حسین کے روزنامہ لکھنے پر مقرر کیا تھا۔ دوسری کتاب شیخ مادھو کے ایک مرید پیر محمد نے شاہ جہاں کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

دریائے راوی کی طرف بیر کو نکل گئے اور موضع منڈیا نوالہ پہنچے۔ وہاں کے زمیندار سردار بہادر خاں نے شیخ کے دوستوں کو پکڑ کر ایک جگہ بند کر دیا اور حسین سے کہا: میں انہیں اس وقت تک رہا نہیں کروں گا جب تک آپ بارش کے لیے دعا نہیں کریں گے۔ آپ نے بہادر خاں سے کہا:

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۸)

عہد میں نظم میں لکھی تھی۔ یہ دونوں کتابیں آجکل نایاب ہیں۔ شاید کسی صاحب کے نجی کتب خانہ میں ہوں مگر ان کے اقتباسات جو تذکروں میں لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں محض تقلیدی اور اعتقادی رنگ کی ہیں۔ خزینۃ الاصفیا میں بھی ان دونوں کتابوں کا ذکر اور اقتباس درج ہیں۔ شاید حضرت مفتی صاحب مغفور کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہوں۔ کتاب و سنت کا مقصود تزکیہ ظاہر و باطن ہے۔ ولی کی سب سے بڑی کرامت اس کا اتباعِ کتاب و سنت ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے ٹکسال باہر ہے۔ کہتے ہیں جب شیخ حسین کے مرشد حضرت شیخ بہلول کو حسین کی ان حرکات کا علم ہوا تو وہ لاہور تشریف لائے اور حسین سے کہا کہ آج میرے ساتھ نماز پڑھو اور نماز ہی میں سارا قرآن ختم کرو۔ چنانچہ شیخ حسین نے نماز شروع کی اور جب "الم نشرح لك صدرك" پر پہنچے تو بے اختیار ہنس پڑے اور نماز ختم کر دی۔ داراشکوہ اس کی یہ تاویل کرتا ہے کہ شیخ حسین نے شاید اس سورہ پاک کا یہ مفہوم سمجھا تھا کہ کیا ہم نے تیرے سینے کو توحید اور معرفت سے نہیں کھولا اور تجھ پر وہم اور انانیت کا بار نہیں ڈالا جو تیری پشت کو پست کرتا ہے اور کیا ہم نے تجھ کو ذکر سے مذکور تک نہیں پہنچایا۔ اس لئے ہر فنا کے بعد بقا ہے اور بیشک جس کو ہم نے فنا بخشی اسے بقا دے کر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا پس جب تو نے انانیت اور ہستیٔ موہوم سے فراغت حاصل کر لی ہے تو ہماری ہستی پر قائم ہو جا اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جو ظاہر و باطن کا رب ہے۔" اس واقعہ کے بعد شیخ حسین پھر کبھی اپنے مرشد سے نہیں ملے۔ اس قسم کی رکیک تاویلات داراشکوہ کے مرشد جناب ملا شاہ بدخشانی اور ان کے دادا پیر حضرت میاں میر نے بھی بعض قرآنی آیات کے متعلق کی ہیں مثلاً "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى" کی تفسیر کرتے ہوئے ملا شاہ بدخشانی نماز ہی سے معافی حاصل کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں: "اے کسانیکہ ایمانِ حقیقی آوردہ اید، نزدیک نماز نشوید در حالت سکر و مستی۔ مقید سکر حالتِ بلند تر است از نماز گزاران۔ اگر مستی مجازی ست قربِ نماز ممنوع است۔ تا نماز ملوث نہ شود۔ دریں صورت عزتِ نماز ست و اگر سکرِ حقیقی ست باز ہم قربِ نماز ممنوع است۔ و دریں صورت عزتِ سکر است۔ مصلی نماز نماز گزار خواند۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

بہتر اگر تم میرے دوستوں کے لیے نانِ مرغن اور شیر و شکر پیش کرو تو اللہ تعالیٰ مینہ برسا دے گا کیوں کہ سیر کے دوران میں آپ کے دوستوں نے ان چیزوں کے کھانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ بہادر خاں نے یہ تمام چیزیں مہیا کر دیں۔ شیخ اور اس کے دوستوں نے کھانے کے بعد دعا کی اسی

(بقیہ حاشیہ صلا ۲۱)

جناب ملا شاہ کے مرشدِ گرامی حضرت میاں میر صاحب "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" کی تفسیر فرماتے ہیں۔ در حقِ خاصاں ست۔ ختم ست بر دلہائے ایشاں کہ در دل ایشاں غیر نیاید و چشم ایشاں غیر نہ بیند۔ و گوشِ ایشاں غیر نشنود و مر ایشاں لذت و حلاوتِ بسیار ست ازاں کفر" حسنات العارفین صد ۳۲ بحوالہ مقدمہ ۲۰۲ از دارا شکوہ۔ جناب ملا شاہ بدخشانی مرشدِ دارا شکوہ کا ایک مشہور شعر ہے:

پنجہ در پنجۂ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

اس پر علمائے کثیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہجہان بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی (تذکرۃ العلماء والمشائخ صد ۳۵) ذہنی اور معتقدات کے لحاظ سے دارا شکوہ اس قسم کے اعمال و افعال کا مرید تھا اسی لیے اپنی کتاب حسنات العارفین یا شطحیات میں ان اقوال کی تائید و حمایت کرتا ہے۔ خود حضرت میاں میر کو باری تعالیٰ کہا کرتا تھا اسی کتاب میں لکھتا ہے، "چو ایشاں در کوہ ہائے نواحی قصبہ باری عزلت گزیدہ بودند من ایشاں را حضرت باری تعالیٰ می گفتم" حسنات العارفین صد ۳ اسی رسالہ میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ توحید و معرفت کے منازل اور مدارج طے کرتے ہوئے ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں سالک شریعت و طریقت، کفر و ایمان، خیر و شر سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے بے خودی کی حالت میں بعض کلمات ایسے بھی نکل جاتے ہیں جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں۔ لیکن اِن کلمات کو قابلِ مواخذہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی کتاب کی تمہید میں لکھتا ہے: "وجد و ذوق کی حالت میں اس کے منہ سے ایسے کلمات بلند حقائق نکل جاتے ہیں۔ جن کو سن کر پست فطرت، دون ہمت اور زاہدِ خشک اپنی کوتاہ بینی سے تکفیر کے فتوے دیتے ہیں۔ اس تکفیر سے بچنے کے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔" غرض اس عہد کے حالات و واقعات کا

(باقی اگلے صفحہ پر)

وقت بادل نمودار ہُوا۔ مینہ برسا اور بارش سے زمینیں سیراب ہو گئیں۔ روایت ہے ایک شخص حاجی یعقوب نامی مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا۔ وُہ ہمیشہ شیخ حسین کو روضۂ نبوی میں معتکف دیکھتا۔ اس طرح وہ ان کا شناسا سا ہو گیا۔ ایک دفعہ وہ ہندوستان آیا۔ لاہور بھی پہنچا۔ بازار میں دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور شیخ شراب کے نشہ میں چُور رقص کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اطمینان کے لیے لوگوں سے نام و نشان پُوچھا۔ پاس جا کر دریافت کیا۔ یہ کیا حال ہے۔ شیخ نے کہا آنکھیں بند کرو۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہی اپنے آپ کو مدینہ منورہ میں اور حسین کو روضۂ نبوی میں معتکف پایا۔

نقل ہے۔ شیخ حسین کے دشمنوں نے اکبر بادشاہ سے شکایت کی کہ لاہور میں ایک شخص حسین نامی ہے۔ جو داڑھی مونچھیں منڈواتا ہے۔ سُرخ لباس پہنتا ہے۔ کھلے بندوں خلافِ شریعت امور کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک حسین لڑکے مادھو کو اپنے پاس رکھتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈھول کی آواز پر رقص کرتا ہے۔ اس کے باوجود باطنی ولایت کا دعویدار بھی ہے۔ اکبر نے ملک علی کوتوالِ شہر کو حکم بھیجا کہ حسین کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ کوتوال کی تلاش کے باوجود حسین گرفتار نہ ہو سکے۔ ایک دن اتفاقاً حسین اور کوتوال کا بازار میں آمنا سامنا ہو گیا

(بقیہ صفحہ ۲۲۰)

اگر پوری طرح جائزہ لیا جائے تو یہ بات پُوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے جہاں اکبری الحاد و زندقہ کے استیصال کے لیے اس کے جانشین جہانگیر سے ٹکر لی اور اسلام کو اس کی اصلی حالت پر قائم رکھا وہاں اُن غیر اسلامی نظریات و معتقدات کی اصلاح کی طرف بھی قدم اٹھایا جس کے مبدأ اس قسم کے بے قید و بے شرع جاہل صوفی ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ اتباع کتاب و سنت کی تاکید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں جو چیز سنت کے خلاف ہے وُہ بدعت ہے اور بدعت شیطان کی پسندیدہ ہے فرمایا، ہر بدعت سنت کو اُٹھا دیتی ہے اس میں کسی بدعت کی کوئی تخصیص نہیں۔ لہٰذا ہر بدعت سیئہ ہے اور شریعت کا دار و مدار اتباع شریعت پر ہے۔ معاملۂ نجات اتباع رسول سے وابستہ ہے اور اتباع رسول کے بغیر ہر شے غیر مقبول ہے۔ حتیٰ کہ زہد و تقویٰ و توکل بھی" آپ کے بعد آپ کے فرزندوں اور خلفا نے آپ کی تعلیمات پر پوری پوری استقامت فرمائی۔

اس نے حسین کو گرفتار کر لیا۔ اُس وقت کوتوال ایک راہزن عبداللہ بھٹی نامی کو پھانسی دے کر فارغ ہُوا تھا۔ کوتوال حسین کو جو زنجیر ڈالتا تھا وُہ خود بخود ٹوٹ جاتی تھی۔ کوتوال نے کہا حسین تو اپنے شعبدہ سے جو جی چاہے کر میں تیرے پاؤں میں میخ ٹھونک کر بادشاہ کے حضور پیش کروں گا۔ حسین نے کہا: میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے تیرے جسم میں میخیں ٹھونکی جائیں اور تو اسی صدمے سے مرے۔ اکبر نے کوتوال کو حکم بھیجا تھا کہ عبداللہ بھٹی پھانسی پانے کے وقت جو کلمات زبان سے نکالے وُہ بلاکم وکاست لکھ کر بھیجے جائیں۔ چنانچہ کوتوال نے من وعن وہی الفاظ دربارِ اکبری میں بھیج دیئے۔ اکبر یہ الفاظ پڑھ کر سخت غضب ناک ہُوا کہ کوتوالِ شہر کو اس طرح ہُو بہُو نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ اس نے یہ کلمات لکھ کر میری دل آزاری کی ہے۔ اس پاداش میں کوتوال کو بھی عبداللہ بھٹی کی طرح پھانسی دی جائے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ حسین کو اکبر کے سامنے پیش کیا گیا۔ حسین اُسی طرح مست ومخمور جام وصراحی ہاتھ میں لئے حاضرِ دربار ہوئے۔ اکبر نے کہا تو سلسلۂ قادریہ کا پیر ہو کر یہ مے نوشی وامرد پرستی کیوں کرتا ہے۔ حسین نے اپنی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر اکبر کے سامنے پیش کیا اکبر نے دیکھا تو وُہ سرد پانی سے بھرا ہُوا تھا۔ دُوسرا پیالہ پیش کیا تو وُہ شربت سے پُر تھا۔ اسی طرح تیسرا پیالہ دُودھ سے۔ اکبر نہایت متعجب ہوا۔ بادشاہ نے بغرضِ امتحان جیل میں بھجوا دیا کہ اگر صاحبِ کرامت ہے تو زنداں میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اکبر جب شیخ حسین کو جیل بھجوا کر زنان خانہ میں گیا تو شیخ حسین کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا دیکھا۔ پھر قیدخانہ میں جا کر دیکھا تو حسین کو وہاں بھی موجود پایا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے شیخ کو رہا کر دیا۔

نقل ہے: جب اکبر نے عبدالرحیم خان خاناں کو ملک ٹھٹھ کی تسخیر پر مامور کیا تو وہ شیخ حسین کی خدمت میں برائے استمداد حاضر ہوا۔ شیخ نے کہا میں نے پانچ سو رُوپے کے عوض یہ ملک تیرے ہاتھ میں فروخت کر دیا۔ جاؤ مظفر ومنصور ہو گے۔ اب کسی اور ولی سے مدد نہ مانگنا۔ چنانچہ عبدالرحیم ٹھٹھ جاتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا ملتانی کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا اور شیخ کبیر بالا پیر سجادہ نشین بارگاہ کی خدمت میں ایک سو روپیہ بطور نذر گزرانا شیخ نے قبول نہ کیا فرمایا ملکِ ٹھٹھ تو پہلے ہی تجھے شیخ حسین دے چکے ہیں۔ اب نذرانہ لینے کی کیا حاجت ہے۔ صاحبِ معارج الولایت لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری

قاضی لاہور نے شیخ حسین کی شراب میں سرمست ڈھول کی آواز پر رقص کرتے ہوئے دیکھا، سخت سرزنش کی۔ شیخ نے مخدوم الملک کے گھوڑے کی باگ تھام کر کہا، اے قاضی ارکانِ اسلام پانچ ہیں۔ اول کلمۂ توحید اور اقرارِ رسالت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس میں ہم دونوں شریک ہیں میں نماز روزہ کا تارک ہوں اور تو حج و زکوٰۃ کا۔ تعزیر صرف مجھ پر ہی نہیں تجھ پر بھی ہے۔ مخدوم الملک یہ سُن کر ہنسا اور چل دیا۔

صاحبِ حقیقۃ الفقراء لکھتے ہیں کہ شیخ حسین کے مرید نو ہزار کے قریب تھے جو ان کے ذریعے سے کامل و اکمل ہوئے۔ بعض نے شیخ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار لکھی ہے۔ ان میں سے سولہ خلفا زیادہ مشہور ہوئے ہیں، جن کے مختلف خطابات تھے۔ ان میں سے چار کا خطاب غریب ہے، چار کا دیوان، چار کا خاکی اور چار کا بلاول۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا شاہ غریب: ان کا مزار موضع رتی ٹھٹھہ وزیر آباد کے قریب ہے۔

دوسرا شاہ غریب: موضع منگووالی تحصیل وزیر آباد۔

تیسرا شاہ غریب: بمقام اچیلاپور دکن

چوتھا شاہ غریب، ہزاروی۔ اس کا مزار آپ کے مزار کے متصل ہے۔

چار دیوان:۔

پہلا دیوان مادھو

دوسرا دیوان گورکھ لاہور۔ اس کا مزار آپ کے مزار کی چوکھنڈی میں ہے۔

تیسرا دیوان بخش بمقام بیجاپور

چوتھا اللہ دیوان لاہور میں مدفون ہے۔

چار خاکی:۔

پہلا مولا بخش خاکی

دوم خاکی شاہ لاہوری۔ ان کا مزار آپ کے مزار کے قرب وجوار میں ہے۔

سوم خاکی شاہ وزیر آباد

چہارم حیدر بخش خاکی۔ جن کا مزار دکن میں ہے۔

چار بلاول:

اول شاہ رنگ بلاول

دوم بدھو بلاول

سوم شاہ بلاول

ان تینوں کے مزار شیخ حسین کے مزار کے قرب وجوار میں ہیں۔

چہارم شاہ بلاول دکن میں مدفون ہیں۔

شیخ حسین[1] ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۰۸ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں بعہد اکبر وفات پائی۔ شیخ حسین پنجابی پراکت کے شاعر بھی تھے۔ آپ کی کافیاں مشہور ہیں۔ ان کے مذکورہ بالا

---

[1] عزیز القدر جناب محمد اقبال مجددی نے شاہ حسین کی ایک نامعلوم تصنیف رسالہ "تہنیۃ" سے متعارف کرایا ہے۔ شاہ حسین لاہوری کا ایک غیر معروف رسالہ "تہنیۃ" کے زیرِ عنوان مع مقدمہ مجددی صاحب مجلہ معارف اعظم گڈھ اگست ۱۹۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مجددی صاحب کے مقدمہ کی تلخیص درج ذیل ہے، جو شاہ حسین کے بارے میں ایک نیا اندازِ فکر دے گی:

"شاہ حسین کی رندمشربی کے قصے تذکرہ نویسوں نے مزے لے لے کر بیان کئے ہیں۔ لیکن شاہ حسین نے آخر عمر میں تمام خلافِ شرع حرکات ترک کر دی تھیں اور ارکانِ اسلام کی پابندی کرنے لگے تھے۔ معارج الولایت میں ہے: "وگویند وقتے کہ وفات او نزدیک رسید ہمہ امورِ نامشروعہ را ترک نمودہ و بہ نماز و روزہ مشغول گشت، گفتند دریں حکمت چیست؟ فرمود بزیستے می روم کہ آں راہ ورزیدہ و ساکنان آں موضع معرفت حاصل نہ گردانیدہ، نمی دانم تا حالِ من چہ خواہد شد، در ہمیں حال برحمت حق پیوست رحمۃ اللہ علیہ" (معارج الولایت خطی نسخہ ذخیرہ پروفیسر سراج الدین آذر کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، ورق ۵۱۹ ب) حقیقت الفقراء جو ۱۱۰۱ھ کی تصنیف ہے کی روایت کے مطابق شاہ حسین کا انتقال جمادی الآخر ۱۰۰۸ھ میں ہوا۔ مگر مفتاح العارفین (قلمی) مولفہ عبدالفتاح بن محمد نعمان (تصنیف بعہد ۱۰۹۶ھ) میں سالِ وفات ۱۰۱۳ھ لکھا ہے۔ شاہ حسین لاہوری کی تصانیف میں سے اب تک صرف کافیاں ہی منظرِ عام پر آئی ہیں اور کافیوں کے قدیم وجدید ایڈیشن تحریف سے خالی نہیں ہیں۔ خوش قسمتی سے شاہ حسین کا رسالہ "تہنیۃ" (فارسی) دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ رسالہ سات فصول پر مشتمل ہے۔ مسائل علمی تصوف سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

خلفاء میں سے مادھو زیادہ مشہور ہیں۔ یہ قوم کے برہمن تھے۔ شاہدرہ میں رہتے تھے۔ حسین و جمیل تھے۔ شیخ حسین کے منظورِ نظر تھے اور انہی کی رغبت سے مسلمان ہوئے تھے۔ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ ۹۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۲ھ میں شاہ جہان کے عہد میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

طالبِ عشق و عاشقِ جانباز ماہِ عالم حسین نور العین

گشت پیدا انیسِ دیں[۹۰۲ھ] سرمست سالِ تولیدِ او بہ زینت و زین

گفت سرور محققِ شہ[۱۰۵۲ھ] مست سالِ ترحیلِ آں شہِ کونین!

(بقیہ حاشیہ ص۲۲۴)

متعلق ہیں۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ حسین فی الواقعہ ذی علم اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے لوگوں نے ان کی طرف فرضی حکایات منسوب کر رکھی تھیں اور بڑے بڑے علماء ان حکایات کو سن چکے تھے۔ چنانچہ عبداللہ خویشگی قصوری نے اخبار الاولیا خطی (تصنیف ۱۰۰۷ھ) میں حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (متوفی ۱۰۴۰ھ) کا قول نقل کیا ہے:

"اگر مجھے علمائے ظاہر کے طعنوں کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور شاہ حسین لاہوری کے مزار پر جاتا اور استمداد کرتا۔"

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری کا شاہ حسین سے اظہارِ ارادت اور مزار پر حاضری و استمداد کی خواہش کا اظہار اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کی طرف منسوب حکایات محض پادر ہوا ہیں۔ راقم الحروف کو رسالہ تہنیۃ کا خطی نسخہ مولانا سید شریف احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہ العالی (ساکن ساہن پال ضلع گجرات) کے ذاتی کتب خانے سے ملا۔ الحمد للہ۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف اعظم گڈھ بابت اگست ۱۹۷۰ء۔

۹۰۔ حضرت شیخ حسین قادری چشتی قدس سرہٗ

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی کے بلند مرتبہ مرید تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: عجیب و غریب حالت و ہمت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کشتی میں دریائے نربدا سے گزر رہے تھے سنا کہ دریا کے ایک کنارے جنگل میں شیر رہتا ہے، کوئی شخص خوف کے مارے اُس طرف سے نہیں گزرتا۔ چنانچہ آپ کشتی سے اس کنارے پر اترے۔ ایک چھری لی اور جنگل میں جاکر اُس شیر کو ہلاک کر دیا۔

نقل ہے: ایک شخص بلند جگہ پر جس کے نیچے پانی تھا نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا۔ وسواس کی وجہ سے نیتِ نماز کے الفاظ بار بار دُہراتا تھا۔ حاضرینِ مجلس پر یہ تکرار نہایت گراں گزری۔ آپ نے اٹھ کر غصّے سے اس کے سینے پر ہاتھ مارا وہ پانی میں گر پڑا جو اس بلندی کے نیچے بہ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے دل میں کوئی وسواس پیدا نہ ہوا۔ بقول صاحبِ شجرۂ چشتیہ ۱۰۱۲ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

حسین آں محسن و احسن حسن پیر!! ولیٔ دو جہاں شیخ زمانہ!!
چو از دنیا بفردوسِ بریں رفت وصالش شد عیاں شیخ زمانہ
۱۰۱۲ھ

۹۱۔ حضرت شیخ نعمت اللہ سرہندی قادری قدس سرہٗ

حضرت شیخ محمد المعروف بہ میاں میر قدس سرہٗ کے بزرگ ترین خلفا سے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت میاں میر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ زہد و ورع۔ تقویٰ و عبادت میں مشہورِ زمانہ اور صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ صاحبِ سکینۃ الاولیاء رقم طراز ہے کہ ایک روز ایک تاجر شخص اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو زرِ کثیر کے ساتھ بغرض تجارت باہر روانہ کیا تھا۔ اب یہ واپس آکر

کہتا ہے کہ راستے میں رہزنوں نے مجھے لوٹ لیا ہے۔ میں اس معاملے میں سخت حیران ہوں۔ توجہ فرمائیے آپ نے لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا اپنے باپ سے جھوٹ کیوں کہتا ہے۔ کیا تو نے فلاں جگہ روپیہ دفن نہیں کیا۔ جا اور وہ روپیہ لاکر اپنے باپ کو دے۔ لڑکا آپ کا یہ حکم سنتے ہی قدموں پر گر پڑا۔ معذرت خواہ ہوا اور روپیہ لاکر اپنے باپ کے حوالے کیا۔

نقل ہے، ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میری ایک بڑی خوبصورت کنیز تھی۔ چند روز ہوئے وُہ بھاگ گئی ہے۔ توجہ فرمائیے کہ لوٹ آئے۔ آپ نے فرمایا: تم آج ہی فلاں جگہ پر جا بیٹھو۔ تھوڑی دیر کے بعد اُدھر سے ایک بیل گاڑی گزرے گی اسے ٹھہرا کر کہنا اس میں میری کنیز ہے وہ باہر آجائے۔ چنانچہ اس شخص نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا اور اپنی کنیز کو پالیا۔

بقول صاحب سکینۃ الاولیا ۱۰۱۷ھ میں بعہدِ جہانگیر وفات پائی۔

چو از دنیا بفردوسِ بریں رفت | جناب نعمت اللہ شاہِ ذی جاہ
وصال اوست عابد نعمتِ فقر | دوبارا میر عالم نعمت اللہ
۱۰۱۷ھ

۹۲۔ حضرت شاہ بدر گیلانی قدس سرہٗ

غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولادِ امجاد سے تھے۔ بعہدِ اکبر لاہور تشریف لائے۔ کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ لاہور و پنجاب کے لوگوں کی ایک کثیر جماعت آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی۔ ۱۰۱۸ھ میں بہ زمانۂ جہانگیر وفات پائی۔ مزار موضع ستانیان علاقہ پٹیالہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں بدر الدین از دنیائے فانی | سفر در زید و شد روشن بجنت
رقم کن فضلِ حق ۱۰۱۸ھ با شیخ حق ۱۰۱۸ھ سال | دگر سید ولی بدر الکرامت ۱۰۱۸ھ

۹۳۔ حضرت شاہ شمس الدین قادری قدس سرہٗ

شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ عارفِ کامل اور جامع علوم شریعت و طریقت تھے۔ سماع اور کشف و کرامت سے محترز رہتے تھے۔ طالبانِ علم و ہدایت کی ایک کثیر جماعت نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ جہانگیر آپ کا بڑا گرویدہ و معتقد تھا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔ شاہ جہاں ایامِ شہزادگی میں اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ نے اسے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم جہانگیر کے بعد بادشاہ ہو گے۔ ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت شاہ بلاول قادری آپ کے بزرگ ترین خلیفہ تھے۔ مدفن لاہور میں ہے۔

روحِ شمس الدین ولیُ با صفا ‏ ‏ ‏ جلوہ گر شد چو بادجِ ہفت چرخ
"ہادیُ محبوب شمس الاتقیا" ‏ ‏ ‏ سالِ ترحیلش عیاں شد از خرد
۱۰۲۱ھ

۹۴۔ سیّد جیون المشہور سیّد عبد القادر ثالث گیلانی قدس سرہٗ

ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والدِ ماجد سیّد محمد غوث بالا پیر سنگھرہ سے پائی تھی۔ اپنے زمانے کے شیخ بزرگ۔ زاہد و عابد اور عالم و فاضل تھے۔ اپنے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے باعث سید عبد القادر ثالث مشہور تھے۔ پدرِ بزرگوار کی وفات کے بعد دیارِ ہند کی سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ اور اس دوران میں ایک خلقِ کثیر نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ پھر لاہور آئے اور محلہ لنگر خاں بلوچ میں سکونت اختیار کی اور ایک محلہ بنام رسول پور آباد کیا۔ یہیں ۱۰۲۲ھ میں وفات پائی۔ مزار احاطہ روضہ شاہ چراغ گیلانی لاہوری میں ہے۔

یافت از حق بخلدِ والا جاہ ‏ ‏ ‏ عبدِ قادر چو شد ز دارِ فنا
ہم بخواں "عبد قادر اہل خدا" ‏ ‏ ‏ "فیض اسلام" گو بتاریخش
۱۰۲۲ھ ‏ ‏ ‏ ۱۰۲۲ھ

۹۵۔ حضرت سیّد خیر الدین ابو المعالی قادری کرمانی قدس سرہٗ

سیدخیر الدین نام، ابو المعالی خطاب، والد کا نام سید رحمت اللہ بن سید فتح اللہ تھا۔ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور تیس سال سخت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ خرقۂ خلافت سے سرفراز ہو کر مرشد کے حکم کے مطابق لاہور آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ راستے میں جہاں کہیں بھی قیام کرتے چاہ و باغیچہ اور تالاب تعمیر کراتے۔ آپ کی یہ یادگار عمارتیں شاہ ابو المعالی کے جھوک کے نام سے مشہور ہیں۔ لاہور میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر علم و ہدایت سے بہرہ ور ہوئی۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوث الاعظم کے اویسی تھے۔ آپ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ جو شخص حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا تھا اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظم کے دیدار سے مشرف ہوتا تھا۔ محمد دارا شکوہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء رقم طراز ہے کہ عارفِ حق آگاہ حضرت ملا شاہ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہم اپنے استاد ملا نعمت اللہ کے ہمراہ جو عالم باعمل تھے آپ کی زیارت کو گئے۔ ہم سب حاضرِ خدمت تھے۔ ایک شخص تسبیح شاہ صاحب کے لئے لایا۔ آپ نے وہ قبول فرمالی اور اپنے سامنے رکھ دی۔ میرے دل میں گزرا اگر آپ کو کشفِ قلوب حاصل ہے تو یہ تسبیح مجھے عنایت فرمادیں۔ جب میں رخصت کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ فرمایا: اپنے حسبِ مدعا یہ تسبیح لے لو۔ اگر ہو سکے تو سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرنا۔ تمہیں اور لانے والے دونوں کو ثواب ہوگا۔

صاحبِ سفینۃ الاولیا لکھتے ہیں۔ اخوند نعمت اللہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ میں حضرت غوث الاعظم سے ارادت و عقیدت رکھتا ہوں۔ یقیناً وہ بھی میری اس ارادت مندی سے آگاہ ہوں گے جب کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں مغرب میں ہوں اور میرا مرید ننگے سر مشرق میں ہو تو میں اس کی سرپوشی کروں گا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی کام کے لیے پریشان و عاجز ہوں، سر ننگا ہے۔ اسی وقت حضرت غوث الثقلین تشریف لائے

اور ایک سفید پگڑی مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ پگڑی لے لو۔ ہم تیرے اس حال سے خبردار تھے کہ تو ننگے سر کھڑا ہے۔ لہٰذا ہم نے چاہا کہ تیرا سر ڈھانپ دیں۔ صبح مجھے حضرت شاہ ابوالمعالی نے اپنے پاس بلایا اور سفید دستار مجھے عنایت کرکے فرمایا: یہ وہی دستار ہے جو رات کو حضرت غوث الاعظم نے تجھے دی ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کی ولادت بروز دوشنبہ ۱۰۔ ذی الحجہ ۹۶۰ھ ہے۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ کو بعہدِ جہانگیر وفات پائی۔ روضہ لاہور بیرون موچی دروازہ زیارت گاہِ خلق ہے۔ دونوں عیدوں کے دن خلقِ کثیر آپ کے روضہ پر آتی ہے۔

آپ صاحبِ تصانیف تھے۔ تحفۂ قادریہ حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ حلیہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیوان اشعار بھی آپ کی قابلِ قدر تصانیف ہیں۔ اپنا مقبرہ اپنی زندگی ہی میں بنوانا شروع کیا تھا کہ ۱۰۲۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ باقی حصہ آپ کے فرزند ابی بکر نے مکمل کیا۔

بوالمعالی خیرِ دینِ احمدی — آنکہ شد پُر نور زو روئے زمین
خیر دین مولیٰ است تولیدش عیاں — رحلتش فرما معلّٰی خیرِ دین
۹۶۰ھ — ۹۶۰ھ

۹۶۔ میاں نتھا قادری قدس سرہٗ

حضرت شیخ محمد میاں میر لاہوری کے خاص الخاص مرید تھے۔ تمام عمر مرشد گرامی ہی کی خدمت میں بسر کی۔ حضرت شیخ کسی دوست و مرید کو رات کے وقت سوائے میاں نتھا کے اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ میاں نتھا پر حالتِ استغراق و بے خودی کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ روایت ہے ایک درویش جونپور سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا۔ میاں نتھا نے اس سے پوچھا: کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا، میں جونپور سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہوں تاکہ آپ کے نام و عرف اور حسب و نسب سے آگاہی حاصل کروں۔ میاں نتھا نے کہا: میرا نام نتھا ہے۔ قوم کا پراچہ کنجڈکش ہوں۔ حضرت میاں میر کا کمترین خادم ہوں۔

میرا حال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عالمِ جبروت و ملکوت و لاہوت کی کنجیاں مجھے عطا کر دی ہیں۔ جس وقت چاہتا ہوں عالمِ ملکوت[۱] و عالمِ جبروت[۲] و عالمِ لاہوت[۳] کا دروازہ کھول کر داخل ہو جاتا ہوں۔

شہزادہ محمد دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیا[۴] میں رقم طراز ہیں کہ نباتات و جمادات تک میاں نتھا سے ہم سخن ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز میاں نتھا ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ ایک درخت سے آواز آئی، اگر قلعی کو چرخ دے کر اس پر میرے پتے ڈالے جائیں تو وہ چاندی ہو جائے گی۔ میاں نتھا نے یہ سن کر کوئی جواب نہ دیا۔ آگے بڑھے تو دوسرے درخت سے آواز آئی، اگر تانبا کو چرخ دے کر میری تھوڑی سی لکڑی اس میں ڈالی جائے تو زرِ خالص بن جائے گا۔ میاں نتھا اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے اور آگے بڑھ گئے اور ایک گنبد میں ستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو گنبد سے آواز آئی: ذرا ٹھہریئے۔ پوچھا تو کون ہے؛ کہا میں یہی گنبد ہوں جس میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو روکنے کی وجہ یہ ہے کہ بارش آ رہی ہے۔ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہو۔ ذرا تھم لے تو جائیں۔ چنانچہ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بارش ہونی شروع ہو گئی۔

نقل ہے کہ ایک روز میاں نتھا نے راستے میں ایک مرے ہوئے چوہے کو دیکھا، جس کا گوشت پوست بھی گل سڑ چکا تھا۔ آپ کی نظر جونہی اس پر پڑی تو کہا؛ ارے تو راستے میں اس حالت میں کیوں پڑا ہے۔ اپنے سوراخ میں کیوں نہیں جاتا۔ چوہا اسی وقت زندہ ہو کر اپنے سوراخ میں چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز میاں نتھا خدمتِ مرشد میں حاضر تھے۔ شیخ نے پوچھا؛ کیوں بھئی میاں نتھا آج کس طرف جا کر مشغولِ ذکرِ حق ہوئے۔ عرض کیا حضرت پہلے تو موضع اچھرہ کے گرد و نواح

---

[۱] عالمِ فرشتگاں و عالمِ معنی اسی کو عالمِ غیب و عالمِ ارواح بھی کہتے ہیں نیز طامت بے قصور قسیے فتور۔ مقام عبادتِ فرشتگاں ہے۔ [۲] عظمت و بزرگی۔ اسمائے صفات الٰہی، مرتبۂ وحدت و حقیقتِ محمدی۔

[۳] عالمِ ذات۔ اسی مقام پر سالک کو فنا فی اللہ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔

[۴] ۱۰۵۲ھ میں لکھی گئی۔ اس میں دارا شکوہ نے اپنے پیر ملا شاہ بدخشانی کے مرشد حضرت میاں میرؒ کے حالات و ملفوظات پوری تفصیل سے لکھے ہیں۔ دارا شکوہ کی دوسری قابلِ قدر تالیف سفینۃ الاولیا ہے اس میں تقریباً چار سو سے کچھ اوپر صوفیا و صلحا و علما کے حالات درج ہیں۔

میں مشغولِ ذکر و فکر تھا مگر وہاں کے درخت تسبیح سبحان اللہ والحمدللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ اُن کے ذکر سے میرے اشتغال میں خلل پڑتا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر محلۂ خلیفہ جنید کے ایک گوشے میں جا بیٹھا وہاں سکون کے ساتھ مشغولِ ذکر و فکر ہو گیا۔ حضرت شیخ میاں نتھا کی یہ بات سُن کر متبسم ہوئے اور فرمایا، سبحان اللہ اس لڑکے کا معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے اور کیسی کیسی بلند باتیں کرتا ہے۔

نقل ہے ایک روز میاں نتھا، ملا محمد سیالکوٹی اور حضرت شیخ میاں میر حجرے کے باہر سایۂ دیوار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک بارش آگئی اور ساتھ ہی تیز ہوا بھی چلنی شروع ہو گئی۔ شیخ نے فرمایا؛ اب ناچار یہاں سے اٹھنا ہی پڑے گا۔ میاں نتھا نے عرض کیا، حضور فرمائیں تو ابھی اس باد و باراں کو لوٹا دوں۔ حضرت شیخ نے برہم ہو کر فرمایا: اچھا تو اب اظہارِ کرامت اور خود فروشی بھی کرتا ہے۔ ہمیں یہاں سے اٹھ کر حجرے میں جانا ہی پڑے گا۔ بھلا حجرے میں بیٹھنے میں کون سا نقصان ہے کہ ہم کارِ الٰہی میں دخل دیں۔ فعل المحمود محمود۔

باوجودیکہ میاں نتھا محض اَن پڑھ تھے مگر مرشد کے فیضِ نظر سے علومِ ظاہر و باطنی اُن پر منکشف تھے۔ ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کی خبر سُن کر حضرت شیخ نے باچشمِ پُرنم فرمایا؛ فقیر خانہ کی رونق میاں نتھا لے گئے اور آخری وقت اپنے خدام سے وصیت فرمائی کہ جہاں میاں نتھا مدفون ہے مجھے اس کے قریب دفن کیا جائے۔

حضرت نتھا کہ ولیٔ خدا ست | عارفِ حق واقفِ علم الیقیں
زِ عاشقِ مستانہ بجو رحلتش | نیز زِ محبوبِ بہشتِ بریں
۱۰۲۰ھ | ۱۰۲۰ھ

۹۷۔ حاجی مصطفٰی سرہندی قدس سرہٗ

حضرت شیخ محمد میاں میر بالاپیر کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ زاہد و عابد اور تارکِ حرص و آز تھے۔ آپ پر اکثر و بیشتر حالتِ جذب و سکر طاری رہتی تھی۔

نقل ہے، آپ ایک دفعہ امامِ جماعت ہوئے۔ حالتِ رکوع میں ایسے استغراق

میں گئے کہ دیر تک سر نہ اٹھایا۔ مقتدیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی اپنی نماز ادا کی۔ آپ اس حالت میں سات روز تک مستغرق رہے۔ ۱۴۔ ماہِ صفر بروز چہارشنبہ ۲۹ ۱۰ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

چوں مصطفیٰ بفضلِ ربانی — شد ز دنیا بجنتِ اعلیٰ
مصطفیٰ متقی امجد پیر — گو بہ ترحیلِ آں شہِ والا

۹۸۔ سید عبدالوہاب گیلانی قدس سرہٗ

سادات عظام اور اولیائے ذوالکرام سے تھے۔ تعلیم و تربیت حضرت سید عبدالقادر ثالث گیلانی بن سید محمد غوث بالا پیر سے پائی تھی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر آپ کی تلقین و ہدایت سے فیض یاب ہوئی۔ ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی۔

عبدِ وہاب چوں بفضل الحق — رفت آخر بجنت الاعلیٰ
رحلتش گو امامِ دیں فیاض — "افضل و سید و ولی" فرما

۹۹۔ حضرت شیخ عبداللہ تہی قدس سرہٗ

سادات گیلانی میں سے تھے۔ والد کا نام عمر بن سید حسن ہے۔ سلسلۂ نسب بارہ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ خرقۂ خلافت دست بدست اپنے آباؤ اجداد سے پہنا ہے۔ پندرہ سال کے تھے کہ بہ اشارۂ ربانی ہندوستان تشریف لائے اور موضع تہہ[1] میں سکونت اختیار کی۔ دیارِ ہند کے اکثر مشائخ کبار سے ملاقات کی۔ علومِ ظاہر و باطن میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ مریدوں کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ہمیشہ باوضو اور مراقبہ میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔ چنانچہ صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ چور اگر آپ کے گھر آجاتا یا وہ اندھا ہو جاتا یا مُردہ پایا جاتا۔ بلکہ جس گاؤں میں آپ

---

[1] تہہ دہلی کے مضافات میں ایک چھوٹا سا موضع ہے (سفینۃ الاولیاء) لیکن بعض کے نزدیک بہت تھا جس کی وجہ سے آپ کو تہی لکھتے ہیں۔

رہتے تھے وہاں کوئی چور آنے کی قدرت نہ رکھتا تھا۔ ایک سو برس کی عمر میں ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی۔

شیخ با اختصاص عبداللہ ۔۔۔ شد ز دنیا چو در بہشتِ بریں
نیز "صدیق خاص عبداللہ" ۔۔۔ ہست وصلش "امامِ دیں فیاض"

۱۰۲۷ ۔۔۔ ۱۰۲۷

۱۰۰۔ مُلّا حامد قادری قدس سرہٗ

جامع علومِ ظاہر و باطن اور واقفِ رموزِ طریقت و حقیقت تھے۔ قرآن خوانی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ شروع شروع میں حضرت شیخ محمد میاں میر کے فضل و کمال کے منکر تھے۔ پھر ان کی روحانی کشش سے حاضرِ خدمت ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عبادت و ریاضت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور کمالاتِ ولایت بڑی جلد حاصل کر لئے۔ تھوڑی ہی مدت میں عالمِ ملکوت کے اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ ۱۱ رمضان ۱۰۴۴ھ میں وفات پائی۔ مرقد مرشد کے روضہ کے احاطہ کے اندر ہے۔

شہِ دیں پیشوائے اہلِ جنت ۔۔۔ جنابِ شیخ حامد پیرِ حق ہیں!!
عیاں شد "مقتدائے اہلِ جنت" ۔۔۔ چو تاریخِ وصالِ او بجستم

۱۰۴۴

۱۰۱۔ حضرت شیخ محمد میر المعروف بہ میاں میر بالا پیر قادری لاہوری قدس سرہٗ

شیخ محمد میر نام، میاں میر عرف، والد کا نام قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۵۷ھ میں شہرِ سیوستان میں پیدا ہوئے۔ ابھی سات برس ہی کے تھے کہ پدر بزرگوار اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بارہ برس تک والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور سلسلۂ قادریہ کی تلقین بھی محترمہ والدہ صاحبہ ہی سے حاصل کی۔ آپ کے والدین اور ہمشیر اپنے وقت کی عرفا سے تھیں۔ والدہ ہی کی فیضِ صحبت سے عالمِ ملکوت کے کشف کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ علومِ متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد

حضرت شیخ خضر سیوستانی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد خرقۂ خلافت پایا اور مرشد نے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرمودۂ مرشد کے مطابق لاہور آکر اقامت پذیر ہو گئے۔ جس وقت آپ لاہور تشریف لائے عمر قریب پچیس برس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کو مقبولِ خاص و عام کر دیا۔ آپ اپنے عہد کے امامِ طریقت اور واقفِ اسرارِ حقیقت تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارفِ کامل ہوئے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ، زہد و تقویٰ، فقر و غنا اور توکل و قناعت میں اپنے زمانے میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ عابدِ شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ حبسِ دم کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی سانس میں صبح کر دیتے تھے جب حالتِ استغراق زیادہ بڑھ جاتی تو ایک ایک ماہ کے بعد افطار کرتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق و کرامات صادر ہوئیں۔ حضرت غوث الاعظم کے اویسی تھے۔ آپ کا نام بے وضو نہ لیتے تھے۔ سلاطینِ زمانہ[1] آپ سے ملاقات کرنا اور آستانہ عالیہ پر حاضر ہونا فخر و سعادت سمجھتے تھے۔

---

[1] جہانگیر نے اپنی توزک میں اور ملا عبدالحمید لاہوری صاحب شاہ جہان نامہ نے اکثر جگہ آپ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ جہانگیر توزک میں ایک جگہ لکھتا ہے: شیخ محمد میر لاہوری عرف میاں میر سے ان کے علم و فضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی لیکن میں اس زمانے میں آگرے میں تھا اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا اپنی حکومت کے چودھویں سال ان کو آگرہ آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے نہایت مہربانی سے منظور کر لیا۔ ملاقات کے بعد آپ کے اخلاق اور وسیع معلومات کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے کہ روحانی پاکیزگی اور صفائے قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانے میں لاثانی ہیں۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا تھا اور وہ مجھے دینی و دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ نقد روپیہ بطور نذرانہ پیش کروں۔ چونکہ ایسی چیزوں کی انہیں خواہش نہ تھی اس لئے مجھے بھی جرأت نہ ہو سکی۔ آخر میں نے نماز پڑھنے کے لئے سفید ہرن کے چمڑے کا مصلیٰ ان کی خدمت میں پیش کیا جسے انہوں نے قبول فرمایا اور تھوڑے دنوں بعد لاہور روانہ ہو گئے۔ میں نے خدمت کی درخواست کی۔ فرمایا: بس خدمت یہی ہے مجھے پھر آنے کی تکلیف نہ دینا ـــــ

(باقی اگلے صفحہ پر)

شہزادہ محمد داراشکوہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت میاں میر کے بھائی وطن سے تشریف لائے، کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بڑے پریشان خاطر ہوئے۔ بھائی کو حجرے میں بٹھایا اور باغ کو گئے۔ وضو کیا، دوگانہ نمازِ نفل ادا کی اور اللہ کے حضور دعا مانگی کہ اے باری تعالیٰ تیرے سوا میرا کوئی یار و مددگار نہیں ہے اور تُو یہ بھی جانتا ہے کہ میرے پاس کوئی شے نہیں ہے جس سے میں اپنے مہمان کی تواضع کر سکوں۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے گھر سے آکر کہا کہ ایک شخص کھانا لایا ہے اور انتظار کر رہا ہے۔ جلدی تشریف لائیے۔ جب آپ گھر پہنچے تو نووارد نے خوانِ طعام پیش کیا اور کہا: جس سے یہ کھانا مانگا گیا ہے اسی نے یہ نقد بھی بھیجا ہے اور کہا ہے اگر کچھ اور درکار ہو تو کہئے تاکہ پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اُسی وقت دوگانہ شکر ادا کیا اور مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مارِ سیاہ آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور ایسی زبان میں گفتگو کی کہ جسے اور کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ پھر تین بار آپ کے گرد طواف کر کے لوٹ گیا۔ حاضرین کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا، سانپ یہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۵)

ملا عبدالحمید شاہجہان نامہ میں لکھتے ہیں، ایک مرتبہ شاہجہان لاہور آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ میاں صاحب نذر و نیاز منظور نہیں کیا کرتے اس لیے ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار حضرت کی خدمت میں پیش کی اور بے شمار دعائیں لیں۔ شاہجہان کہا کرتا تھا کہ میں نے صرف دو صوفی ایسے دیکھے ہیں جو علم الٰہیات کے ماہر ہیں۔ ایک میاں میر صاحب اور دوسرے محمد فضل اللہ بہاری۔ شاہجہان اپنے دورِ حکومت میں دو دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے اور دوسری دفعہ کشمیر سے واپسی پر۔

داراشکوہ بھی اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں جہانگیر سے آپ کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

جہانگیر آپ کی باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ تخت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے منع فرمایا۔

حضرت خاوند محمود المعروف حضرت ایشاں المتوفیٰ ۱۰۵۲ھ آپ کے ہمعصر تھے۔ اکثر مسائل میں آپ کے ساتھ اختلاف کرتے رہتے تھے خاص کر مسئلہ وحدت وجود پر حضرت ایشاں وحدت وجودی یعنی ہمہ اوست کے قائل نہیں تھے۔ جو شخص اس کا قائل ہوتا تھا اس کی سخت سرزنش کرتے تھے۔ اس مسلک میں آپ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی المتوفیٰ ۱۰۳۴ھ کے ہم مشرب تھے یعنی ہمہ از اوست کے قائل تھے۔ (مترجم)

کہتا تھا کہ میں نے عہد باندھا تھا کہ جب آپ کو دیکھوں گا تو تین بار آپ کا طواف کروں گا۔ میں نے اجازت دے دی اور وہ طواف کر کے چلا گیا۔

ایک روز آپ میرزین خاں کے باغ میں تشریف فرما تھے کہ ایک فاختہ نے بڑے پُرسوز لہجے میں کُوکُو کرنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک شکاری آیا اور اس نے اسے ایک ڈھیلہ مارا جس کی چوٹ سے وہ گر کر مر گئی اور شکاری نے اسے مردہ سمجھ کر پھینک دیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس فاختہ کو اٹھا لاؤ۔ وہ اٹھا لایا آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ اسی وقت زندہ ہو گئی اور اڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر اسی انداز میں کُوکُو کرنا شروع کیا۔ شکاری اس کی آواز سن کر لوٹا اور اسے پھر نشانہ بنانا چاہا۔ آپ نے شکاری کو روکا مگر وہ باز نہ آیا۔ وہ اسے نشانہ بنانا چاہتا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ میں سخت درد پیدا ہوا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے بے درد یہ اسی بے دردی کا نتیجہ ہے جو تو نے فاختہ پر روا رکھا۔ وہ اٹھ کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور معذرت خواہ ہوا۔ آپ نے درگزر فرمایا اور وہ شکاری حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر بلند مرتبے پر فائز ہوا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا: میرا لڑکا بیمار ہے اس کے لیے دعائے صحت فرمائیے۔ آپ نے کوزہ میں پانی دم کر کے دیا کہ اپنے بیٹے کو پلائے جس کے پینے سے وہ صحتیاب ہو گیا۔

اسی طرح ایک شخص کو لائے اور عرض کیا: حضور یہ گونگا ہے بات نہیں کرتا۔ توجہ فرمائیے کہ یہ بولنے لگے۔

آپ نے لڑکے سے فرمایا: پڑھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس نے یہ کلمہ پڑھا اور بولنے لگ گیا۔

ایک دفعہ آپ نے وہ رومال جس سے وضو کر کے منہ پونچھتے تھے اپنے ایک خادم کو عطا فرمایا اور کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو۔ گھر میں جو کوئی بیمار ہو اس کے سر پر باندھ دینا۔ اللہ تعالےٰ کے حکم سے شفایاب ہوگا۔ خادم نے اس رومال کو بڑا نفع رساں پایا بلکہ اس سے آسیب زدہ بھی اچھا ہو جاتا تھا۔

ایک دن آپ باغ میں تشریف لے گئے اور سرو کے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کون سے ذکر پر مامور ہے۔ درخت نے جواب دیا: اسمِ" یا نافِعُ" پر۔

ایک روز آپ کی مجلس میں ایک مغل برہنہ سر و برہنہ پا آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بدن پر صرف ایک تہ بند تھا۔ اتنے میں ایک شخص حاضر ہوا پچیس روپے نذر گزرانے جو آپ نے خلافِ معمول قبول فرمالئے اور یہ رقم اس مغل زادہ کو دے دی اور فرمایا کہ گھوڑا خرید لو اور فلاں شہزادے کے پاس چلے جاؤ ملازمت مل جائے گی۔ یہ دیکھ کر حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص بڑا برہم ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ہی شخص کو ساری کی ساری رقم دے دی جائے حالانکہ اس میں دوسرے درویشوں کا بھی حق تھا۔ چنانچہ وہ اسی قسم کی بیہودہ باتیں بکتا ہوا چلا گیا۔ آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس شخص کی کمر میں ایک سو بائیس روپے آٹھ آنے بندھے ہوئے ہیں اور پھر اپنے آپ کو مستحق قرار دیتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے چاہا ہے کہ اس کا روپیہ تلف ہو جائے اور یہ اسی روپے کے غم میں مر جائے۔ چنانچہ وُہ حریص و بدلگام شخص ایک غسل خانے میں نہانے کے لئے گیا۔ کمر سے تھیلی کو کھول کر رکھ دیا مگر جاتے ہوئے اٹھانا بھول گیا۔ وہ تھیلی کسی اور شخص کے ہاتھ میں آگئی جسے وُہ اٹھا کر لے گیا۔ اس زبان دراز کو جب اپنی تھیلی یاد آئی تو روتا پیٹتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: تیری وُہ تھیلی فلاں درویش کے پاس ہے اور وہ اس وقت کشتی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے جا کر لے لے۔ وہ اس درویش کے پاس پہنچا اس نے وُہ تھیلی خود ہی اس کے حوالے کر دی مگر یہ اس صدمے سے بیمار ہو چکا تھا آخر مر گیا۔ اس کا مال دو خادم بانٹنے لگے۔ ایک تیسرا شخص انہیں دیکھ رہا تھا اس نے ان دونوں کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے دونوں ہلاک ہو گئے۔ اور تیسرا قتلِ ناحق کی پاداش میں مارا گیا اور بخیل کا مال کسی کے کام نہ آیا۔

حضرت کا ایک خادم نور نامی بیان کرتا ہے کہ ایک رات حضرت حجرے کے اوپر تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ پانی کا کوزہ، پنکھا اور نعلین وہاں رکھ دوں۔ میں پنکھا اور نعلین تو وہاں رکھ آیا مگر پانی رکھنا بھول گیا۔ رات کے ایک حصے میں مَیں بیدار ہُوا اور کُوزۂ آب رکھنا مجھے یاد آیا۔ میں جلدی سے اٹھا، کُوزہ بھرا اور وہاں رکھنے کے لئے گیا مگر آپ کو

وہاں نہ پایا۔ بڑا حیران ہوا۔ دیا جلا کر بھی آپ کو تلاش کیا مگر حضرت نظر نہ آئے۔ نمازِ صبح کا وقت ہوا تو آپ نے مجھے آواز دی کہ پانی پلاؤ۔ میں پانی لے کر حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ رات کہاں تھے؟ آپ نے نہ بتایا۔ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ غارِ حرا میں تھا۔ وہاں جو عبادت میں لطف آتا ہے اور کہیں نہیں آتا۔ اُن لوگوں پر افسوس ہے جو مکہ معظمہ جاتے ہیں اور اس جگہ کی زیارت نہیں کرتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے۔ وہیں آپ پر نزولِ وحی ہوا تھا۔

جب جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مرزا حسام الدین مرید خواجہ باقی باللہ کے خلاف بعض دشمنوں نے بادشاہ کے کان بھرے۔ جہانگیر نے دونوں کو کشمیر میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور لکھا کہ شیخ عبدالحق کا بیٹا شیخ نورالحق کابل چلا جائے۔ شیخ عبدالحق پریشان حال لاہور آئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: خاطر جمع رکھئے آپ سب لوگ دہلی ہی میں رہیں گے۔ چنانچہ اسی اثنا میں جہانگیر کے فوت ہو جانے کی خبر کشمیر سے آگئی اور اس کی نعش لاہور لاکر دفن کر دی گئی اور یہ تینوں حضرات دہلی ہی میں رہے۔

امرائے لاہور سے ایک نے اپنی حویلی میں کنواں کھدوایا مگر پانی کھاری نکلا۔ وہ اس پانی کا کوزہ بھر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشان حالی بیان کی۔ آپ نے سورۂ الحمد پڑھ کر پانی پر دم کیا۔ اس میں سے خود تھوڑا سا پیا اور فرمایا: یہ پانی جا کر کنویں میں ڈال دو۔ چنانچہ اس عمل سے اس کنویں کا پانی شیریں اور سرد ہو گیا۔

عہدِ جہانگیر میں قلعۂ کانگڑہ کا محاصرہ ہوا۔ جو افسر قلعے کی تسخیر پر مامور تھے اُن میں سے ایک افسر آپ کا مُرید تھا۔ اُس نے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور التجائے دعا کی۔ آپ نے اسی عریضہ کی پشت پر یہ لکھ کر بھیج دیا کہ ان شاء اللہ قلعہ جلد ہی فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ چار روز کے بعد وہ قلعہ فتح ہو گیا۔

ایک شخص محمد فاضل نامی آپ کا مرید تھا اُس کا لڑکا فوت ہو گیا۔ وہ بڑا غمگین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: غم نہ کھا تیری بیوی حاملہ ہے اللہ تجھے نعم البدل عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام افضل رکھا اور فرمایا کہ تقدیر میں تو لڑکی تھی مگر میں نے تین مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں دُعا کی جو قبول ہوئی اور لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص کی کنیز بہت سا مال لے کر (جو ایک اور شخص کی امانت تھی) فرار ہو گئی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوا۔ فرمایا: رنجیدہ نہ ہو۔ کنیز تیرے گھر ہی میں ہے۔ چنانچہ جب وہ گھر پہنچا تو کنیز کو موجود پایا۔ پوچھا: کہاں غائب ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔ بہت دور بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک شخص نے بازو پکڑ کر مجھے یہاں لا بٹھایا۔ حیران ہوں اتنے دور دراز فاصلے سے چشم زدن میں میں یہاں کیسے پہنچ گئی۔

ایک عالم فاضل شخص ملا سنگی روستاقی نامی آپ کے خدام سے تھا۔ کئی سال سے آپ کی خدمت میں رہ رہا تھا۔ ایک روز آپ نے اسے فرمایا: ملا سنگی تمھیں ایک بار اپنے وطن سے ضرور ہو آنا چاہئے مگر ملا جی کا دل نہیں چاہتا تھا۔ ارشادِ مرشد کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ ملا وطن روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت روستاق میں داخل ہوئے۔ اپنے گھر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ شمعیں جل رہی ہیں۔ کھانا تیار ہو رہا ہے۔ ایک شخص سے پوچھا: کیا بات ہے۔ اس نے جواب دیا: یہ ملا سنگی کا گھر ہے۔ وہ بائیس سال سے ہندوستان گیا ہوا ہے، چند مہینے ہوئے اس کی موت کی خبر آئی۔ اس کی بیوی نے عدت کی مدت گزار لی ہے ایک شخص نے اس سے نکاح کی خواہش کی ہے۔ یہ مجلس اسی تقریب کی ہے۔ یہ سن کر ملا سنگی کو خیال آیا کہ حضرت نے مجھے اسی لیے وطن آنے کی ہدایت کی تھی۔ اسی اثنا میں ملا سنگی کے رشتہ داروں کو ملا کے آنے کی اطلاع مل گئی وہ بڑے خوش ہوئے اور تمام مجلس درہم برہم ہو گئی پس ملا کچھ مدت اپنے اہل و عیال میں رہے اور ان کے نان و نفقہ کا انتظام کر کے پھر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا: کیوں ملا اگر گھڑی بھر دیر ہو جاتی تو بڑی قباحت واقع ہوتی۔ ملا نے مرشد کی قدم بوسی کر کے عرض کیا: اللہ کے فضل اور آپ کی توجہ سے فتنہ ٹل گیا۔

ایک روز آپ اپنے مرید و خلیفہ ملا شاہ بدخشانی کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ملا شاہ کو کشفِ قبور حاصل تھا۔ عرض کیا: آپ سنتے ہیں کہ اس قبر سے کیا آواز آتی ہے۔ فرمایا کیا آواز آتی ہے۔ عرض کیا: صاحبِ قبر یوں کہتا ہے کہ میں جوانی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اپنی بداعمالیوں کے باعث عذابِ قبر میں گرفتار ہوں۔ تعجب ہے آپ حضرات میری قبر پر سے گزریں اور میرے عذاب میں تخفیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا صاحب قبر

پوچھو تمہارا عذاب کس طرح رفع ہو سکتا ہے۔ ملا شاہ نے مراقبہ سے معلوم کر کے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ اگر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچایا جائے تو یہ عذاب اٹھ سکتا ہے۔ حضرت شیخ نے سب سے کلمہ پڑھنے کو فرمایا اور خود بھی پڑھنا شروع کیا۔ جب پورا ہو گیا اور اس کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچا دیا گیا تو ملا شاہ نے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ اور آپ بزرگوں کے دم قدم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عذابِ قبر سے نجات دے دی ہے۔

۷۔ ربیع الاول بروز سہ شنبہ ۱۰۴۵ھ میں بعہدِ شاہ جہان وفات پائی۔ اس وقت لاہور کا حاکم نواب وزیر خاں تھا۔ اٹھاسی سال کی عمر پائی۔ ساٹھ سال سے زیادہ لاہور میں اقامت پذیر رہے۔ مزار لاہور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ حضرت کے چار بھائی میاں قاضی، قاضی عثمان، قاضی طاہر اور قاضی محمد تھے۔ دو بہنیں بی بی بادی اور بی بی جمال خاتون تھیں جو اپنے عہد کی عارفۂ کاملہ تھیں۔ حضرت شیخ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی کیونکہ آپ نے تمام عمر تجرد میں بسر کی تھی اس لیے آپ کی وفات کے بعد آپ کی ہمشیر جمال خاتون کے فرزند محمد شریف المتوفیٰ ۱۰۵۴ھ سجادہ نشین ہوئے۔

قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

میر دنیا و دیں میاں میر است | واقفِ راز و محرم اسرار
بندۂ مقتدا میاں میر است | سالِ تولیدِ آں شہِ ابرار
ہادیٔ صدق میر اشرف خواں | وصلِ آں شاہِ زبدۃ الابرار

۱۰۲۔ سید غلام غوث و شاہ حاکم قدس سرہم العزیز

یہ دونوں بزرگ سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اولیائے کاملین سے گزرے ہیں۔ صاحبِ علم و فضل تھے۔ خوارق و کرامات میں درجۂ بلند پر فائز تھے۔ سید غلام غوث مرشد اور شاہ حاکم مرید تھے۔ سب سے پہلے ان کے دادا سید ظہور الدین بخاری اوچ سے لاہور میں آ کر موضع علی پور جو لاہور سے چار میل کے فاصلے پر دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے اقامت پذیر ہوئے تھے۔ راؤ گھاسی پسر علی راؤ جو عہدِ اکبری میں ایک امیرِ کبیر شخص تھا وہ ان کا مرید ہوا۔ سید محمد غوث اور

شاہ حاکم عہدِ جہانگیری و شاہجہانی میں بڑے پایہ کے مستجاب الدعوات بزرگ گزرے ہیں۔ خصوصاً حصولِ اولاد کے لیے اکثر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتجیٔ دعا ہوا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتا تھا۔ چنانچہ امرائے شاہ جہانی سے ایک شخص نظام الدین نامی حضرت شاہ حاکم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عطائے فرزند کی دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی جسے ایزد تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا اور اسے لڑکا عطا فرمایا۔

شاہ حاکم نے ایک ہزار چالیس میں اور سید غلام غوث نے ایک ہزار پینتالیس میں وفات پائی۔ بے شمار لوگ ان بزرگوں کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے مزار علی پور میں زیارت گاہِ خلق ہیں اور تا حال ان کے مزار سے ظہورِ کرامت ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا تصرف ان حضرات کا یہ ہے کہ خانقاہ کے درختوں سے کوئی شخص لکڑی نہیں کاٹ سکتا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ کے عہد میں علی پور راجہ دھیان سنگھ وزیرِ سلطنت کی جاگیر میں داخل تھا۔ چنانچہ راجہ کے ملازمین میں سے ایک شخص نے مسواک کی ضرورت کے لئے کچھ لکڑی تراشی تو اسی وقت درخت سے خون ٹپکنا شروع ہو گیا اور کاٹنے والا مرضِ تپ میں مبتلا ہو گیا دو روز بعد مزار پر حاضر ہو کر تائب ہُوا اور تکلیف سے نجات پائی۔ چنانچہ سید قطب الدین اور دیگر معتبر حضرات کی زبانی یہ ہمیشہ سُنا گیا ہے کہ وفات سے دو سو سال بعد دریا سئے راوی سید محمد غوث کے مزار کے بہت قریب آگیا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مزارات منہدم نہ ہو جائیں۔ چنانچہ نتھو شاہ اور ان کی اولاد و افرادِ خاندان نے ان بزرگوں کی لاشوں کو نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا۔ لاشیں تین حضرات کی نکالی گئیں۔ اوّل سید غلام غوث کی، دوم آپ کے فرزند سید صدر الدین کی، سوم ان کے فرزند سید غوث علی کی۔ جب یہ تینوں لاشیں مدفن سے نکالی گئیں تو وہ بالکل ترو تازہ تھیں اور مٹی نے ان پر کوئی تصرف نہیں کیا تھا۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

غلامِ غوث قطب ہر دو عالم ولیِ پاک حق آگاہ ذیجاہ
وصالش شیخ حق آگاہ گفتم دوبارہ نیز ہادی شاہ ذیجاہ
۱۰۴۵ھ

حضرت شاہ حاکم کی تاریخ وفات "مکمل شیخ" ۱۰۴۵ھ سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۰۲۔ حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہٗ

شاہ بلاول اسمِ گرامی، والد کا نام سید عثمان بن سید عیسیٰ تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان میں آئے اور موضع شیخوپورہ میں آباد ہو گئے۔ شاہ بلاول کی ولادت بھی یہیں ہوئی۔ لاہور میں علومِ ظاہر و باطن کی تحصیل کی۔ سلسلۂ قادریہ میں شاہ شمس الدین قادری لاہوری قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ متاخرینِ مشائخ میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ اپنے عہد کے عالم و فاضل، متقی و متشرع، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ کتاب محبوب الواصلین جو خاص آپ کے ذکر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے سات برس کا سن تھا کہ ان کا ایک ہم عمر لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ یہ سن کر اس کے سرہانے گئے اور کہا اے یار بے وقت سونا اچھا نہیں ہے آؤ چل کر کھیلیں۔ لڑکے نے اسی وقت آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر ساتھ چلا گیا۔ آپ کے دادا سید عیسیٰ نے جب یہ سنا تو آپ کو شیخ فتح محمد لاہوری جو اپنے عہد کے جید علماء سے تھے کے حلقۂ درس میں بھیج دیا۔ آپ نے تھوڑی ہی مدت میں علوم ظاہری میں بھی کمال حاصل کر لیا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے جا رہے تھے کہ حضرت شاہ شمس الدین قادری لاہوری کشتی سے اترے۔ آپ نے فوراً شیخ بلاول کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ذات کی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ میری صحبت میں رہو اور فیضِ باطن جو میرے پاس تمہاری امانت ہے اسے حاصل کرو۔ شیخ بلاول یہ سنتے ہی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے اندازہ ظاہری و باطنی کمالات اکتساب کر کے خرقۂ خلافت پایا۔ مرجع خلائق تھے۔ خاص و عام[1] آپ کی خدمت میں حاضر ہونا باعثِ فخر و افتخار سمجھتے تھے۔ استغنا اور فقر و غنا میں

[1] ملا عبدالحمید لاہوری اپنی کتاب بادشاہ نامہ میں رقم طراز ہیں: شاہجہان بادشاہ تخت نشینی کے بعد ۱۰۳۰ھ کو لاہور آیا دار السلطان کو جہانگیر کے مزار کی زیارت کی وہاں دس ہزار روپیہ غربا میں تقسیم کیا۔ حضرت میاں میر کی خدمت میں بھی

(باقی اگلے صفحہ پر)

ممتاز الوقت تھے۔

ایک روز آپ کے مرشد دریا کے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے اور آپ حاضرِ خدمت تھے کہ ایک جاٹ نے آکر درخت سے لکڑیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ آپ نے ہر چند اسے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آپ نے اس کی جانب نگاہِ غضب سے دیکھا وہ اسی وقت گر کر مر گیا۔ حضرت شیخ شمس الدین نے بیدار ہو کر فرمایا: ہم فقیروں کے لئے ایسا جلال و غضب روا نہیں ہے اب مناسب یہی ہے کہ حضرت شاہ ابو اسحاق کے ایک حجرے میں خلوت نشین ہو کر تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ شاہ بلاول کئی سال وہاں رہے اور یہ مدت تلاوت اور نماز و روزہ دوام میں گزار دی۔

صاحب محبوب الواصلین لکھتے ہیں کہ محلہ شیخ ابو اسحاق میں آپ کے ہمسایہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور رسم کے مطابق بھانڈ زرِ مبارک باد لینے کے لیے آئے وہ بڑا تنگ دست اور مفلس تھا۔ آپ اس کے حال سے واقف تھے۔ آپ ایک مٹی کا لوٹا لے کر حجرے سے باہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۳) حاضر ہوا کچھ رقم حضرت میاں میر کی خدمت میں نذر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی۔ وہ تاریخ کو شیخ بلاول کو دو ہزار روپیہ نذر کیا جو انہوں نے کچھ تو درویشوں میں تقسیم کر دیا باقی خادم سلیخ کے حوالے کر دیا کہ درویشوں اور مسافروں پر خرچ ہو۔ وہ زاہد و پرہیزگار درویش تھے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت بلاول سے پوچھا حضرت میاں میر نے میرا نذرانہ قبول نہ کیا اور آپ نے کر لیا۔ فرمایا حضرت میاں میر ملکی صفات کے حامل ہیں ان کی توجہ دنیا کی طرف نہیں ہے۔ ہمارے ہاں درویش اور مسافر آرام پاتے ہیں اور لنگر خانہ موجود ہے جہاں سے ان کو کھانا ملتا ہے اس لیے ہمیں روپیہ کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ واپسی پر بادشاہ دوبارہ حضرت میاں میر کے پاس گئے۔ عرض کیا آپ نے میری پیش کش قبول نہ فرمائی مگر حضرت شاہ بلاول نے قبول فرمالی۔ فرمایا: وہ بزرگ ولی کامل دریا کی مانند ہیں۔ میں ان کے سامنے ایک معمولی تالاب ہوں۔ دریا میں اگر کوئی پلید چیز پڑ جائے تو وہ پلید نہیں ہوتا لیکن تالاب پلید ہو جاتا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر جب قلعہ میں گیا تو سجدۂ شکر بجا لایا اور کہا الحمد للہ میرے زمانے میں ایسے ایسے بزرگ بھی ہیں، جن کا رضائے الٰہی کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔

دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے: "یہ فقیر بھی آپ کی خدمت میں حاضری دے چکا ہے۔ آپ کے چہرے پر ریاضت و مجاہدہ کے نشانات ظاہر تھے۔ روزانہ کافی لوگ آپ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔"

آئے اور اُسے دیوارِ ہمسایہ پر مار کر توڑ ڈالا۔ تمام ٹکڑے زرِ خالص بن گئے جنہیں نقال اٹھا کر لے گئے۔ اور ہمسایہ کو ان سے خلاصی ہوئی۔

آپ کی خانقاہ میں لنگر عام جاری تھا۔ دونوں وقت لوگوں کو کھانا ملتا تھا۔ آپ خود بھی بڑے خوش پوشاک تھے لنگر خانہ میں ہر قسم کا سامان موجود رہتا تھا۔ ایک رات ایک چور سامان چرانے کی غرض سے باورچی خانہ میں داخل ہوا مگر حکم الٰہی سے اندھا ہو گیا اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ صبح کو آپ نے خادمِ باورچی خانہ کو بلایا اور کہا باورچی خانہ میں ایک اندھا بیٹھا ہوا ہے اُسے بُلا کر دُگنا کھانا دو وہ رات سے بھوکا ہے۔ داروغہ باورچی خانہ نے اسے بُلا کر کھانا دینا چاہا۔ اس نے کہا مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ مجھے حضرت شاہ بلاول کے پاس لے چلو۔ چنانچہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو سر قدموں پر رکھ کر معافی مانگی۔ حلقۂ ارادت میں داخل اور آپ کی دعا سے بینا ہو گیا۔ صاحب محبوب الواصلین نے آپ کی روزانہ تقسیمِ اوقات اس طرح تحریر کی ہے، صبح سے چاشت تک مصروفِ مراقبہ و عبادت رہتے۔ پھر اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم فرماتے۔ دوپہر کے بعد ایک گھنٹہ قیلولہ کرتے پھر ظہر کی نماز با جماعت ادا کرتے۔ پھر حلقۂ مریداں میں تشریف لاتے اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے۔ اس اثنار میں لوگ بیماروں کو شفایاب کرانے کے لئے پانی کے کوزے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شیخ دعا پڑھ کر اس پر دم کرتے۔ اس طرح سینکڑوں بیمار شفایاب ہو جاتے۔ اس کے بعد دو منشی حاضر ہوتے جو حاجت مندوں کے لیے بادشاہ اور امراء کی طرف آپ کی جانب سے سفارشی رقعے لکھتے ان پر صرف اللّٰہ بس باقی ہوس ہی لکھا ہوتا۔ بادشاہ اور امیر آپ کی سفارش منظور کرتے اور حاجت مندوں کی غرض پوری ہو جاتی۔ نمازِ عصر کے بعد پھر مراقبہ اور ذکر و فکر شروع ہو جاتا۔ شام کو پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کرتے۔ پھر کھانا تقسیم کرنے کے لئے باہر تشریف لاتے۔ تقسیمِ طعام کے بعد خود جَو کی روٹی چولائی کے ساگ کے ساتھ تناول فرماتے وہ بھی چند نوالے۔ پھر عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حجرۂ خاص میں تشریف لے جاتے اور نمازِ تہجد تک تین قرآن ختم کرتے۔

ایک روز شیخ ابوطالب جو دہ ہزاری منصب دار اور آپ کا مرید تھا۔ حاضرِ خدمت ہوا۔ عرض کیا کہ میرے دیہات کی جاگیر میں بارش نہیں ہوئی۔ دعا فرمائیے آپ نے آسمان کی طرف

منہ کر کے دُعا کی۔ فوراً ابر نمودار ہوا۔ آپ نے فرمایا، جا اور ابو طالب کی جاگیر پر برس۔ بادل وہاں سے اُڑا اور اس کی جاگیر پر جا کر برسا۔

دوشنبہ ۲۸۔ شعبان ۱۰۴۶ھ کو بعہدِ شاہ جہان ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔

زدنیا شد چو در خلدِ معلی　　جنابِ شہ بلاول شاہِ شاہاں

بگو مقبولِ حق سرمست تاریخ　　دگر کامل مہ فضل است اے جاں

۱۰۴۶　　۱۰۴۶

نیز حدیقۃ الاولیا میں اردو میں قطعۂ تاریخ درج ہے۔

شاہ بلاول شاہِ عالی جاہ تھے　　حضرتِ حق سے ملا اُن کو بہشت

اُن کا نُور معرفت ہے خاتمہ　　دوسری تاریخ ہے نیکو سرشت

۱۰۴۶　　۱۰۴۶

مزار گھوڑے شاہ اور باغ راجہ دینا ناتھ کے نزدیک واقع ہے۔ پہلے آپ کا مقبرہ دریائے راوی کے قریب تھا۔ ۱۲۵۰ھ میں دریائے راوی مقبرے کے بالکل قریب بہنا شروع ہو گیا تو اس خدشہ سے کہ کہیں مزار کو نقصان نہ پہنچے۔ آپ کی نعشِ مبارک کو وہاں سے نکال کر اس جگہ دفن کیا گیا۔

۱۰۴۔ سیّد عبدالقادر اکبر آبادی قادری قدس سرّہٗ

اپنے زمانے میں مشائخ قادریہ میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ سکونت اکبر آباد میں تھی۔ صاحب فضل و کمال تھے۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت میں لاثانی، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گزاری۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار اکبر آباد میں ہے۔

۱۰۵۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدّث دہلوی ثم البخاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

اپنے زمانے کے جیّد علماء و صلحاء سے تھے۔ حضرت شیخ سید جمال الدین ابوالحسن موسیٰ پاک شہید المتوفی ۱۰۰۱ھ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ اِن کی وفات کے بعد حضرت شیخ عبدالوہاب متقی

سے اخذِ فیض کیا۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور رفعِ زندقہ و الحاد میں بسر کی۔ جہانگیر کے زمانے میں مقبولِ خاص و عام تھے۔ جہانگیر آپ کی ملاقات کے لیے آپ کے مکان پر حاضر ہوا تھا اور آپ نے اپنی مشہور ترین تالیف اخبار الاخیار بادشاہ کی نذر گزرانی تھی۔ آپ نے عہدِ اکبری سے لے کر اپنے عہد تک کے دینی و سیاسی حالات و واقعات کا جائزہ لے کر بڑے غور و فکر کے بعد دینی نصابِ تعلیم میں قرآن و حدیث کو مقدم قرار دیا اور ہر طالب علم کے دل پر یہ نقش کرنے کی کوشش کی کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں رائے کو دخل دے وہ کفر و الحاد کا مرتکب ہے۔ وہ علم علم نہیں جو تقویتِ دین و ملت کا باعث نہ ہو۔

آپ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ہمعصر تھے۔ ابتدا میں اُن کے بعض اقوال اور باطنی ادراکات پر شرعی نقطۂ نگاہ سے گرفت بھی کی تھی جس کی تفصیل کتابِ معارج الولایت میں مذکور ہے۔ بعد میں رفعِ التباس پر حضرت مجدد سے مراسم مستحکم ہو گئے تھے۔ شرح مشکوٰۃ عربی و فارسی، کتابِ صراط المستقیم، اخبار الاخیار، شرح فتوح الغیب، کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے مفصل حالات میں، زاد المتقین، مرج البحرین، مدارج النبوت، تکمیل الایمان، شرح سفر السعادت اور دیگر کئی ایک رسائل علمِ تصوف میں آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

۱۰۵۱ھ میں بعہدِ شاہجہان وفات پائی۔ مزار دہلی میں ہے۔

زدنیا وصل باحق یافت آخر　　چو عبدالحق ولیِ پاک معصوم
وصالش یافتم با طرزِ رنگیں!!　　زعبدالحق امامِ دیں مخدوم
۱۰۵۱ھ

۱۰۶۔ پیر مسکین شاہ امری قدس سرہٗ

میر عنایت اللہ نام، پیر مسکین شاہ امری خطاب، حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر کے مرید و خلیفہ اور کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزیّن تھے۔ زراعت سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔

اتفاقاً ایک سال بارش نہ ہوئی۔ آپ کی زمین بالکل بارانی تھی۔ اس قحط سالی میں سب کے کھیت خشک رہے مگر آپ کی زمین سے فصل پک کر خوب غلہ حاصل ہوا۔ اسی وجہ سے آپ مسکین امری مشہور ہو گئے کہ آپ کی کھیتی امرِ الٰہی سے بارش کے بغیر پک گئی۔ ۱۰۶۲ھ میں بعہدِ شاہ جہان وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

حضرتِ مسکیں شہِ ہر دو سرا　　ہر کہ رویش دید رشکِ ماہ گفت
بہرِ سالِ وصلِ آں عالی جناب　　دل ولی درویش مسکیں شاہ گفت
۱۰۶۲ھ

۱۰۷۔ سید محمد مقیم محکم الدین قدس سرہٗ قادری حجروی

والد ماجد کا نام شاہ ابوالمعالی بن سید محمد نور بن سید بہاء الدین المشہور بہاول شیر تھا۔ خورد سالی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا مگر تعلیم و تربیت پوری طرح ہوئی تھی۔ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد اکتسابِ علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر روز اپنے جدِ امجد کے مزار پر جا کر مراقبہ اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ ایک رات اپنے جدِ بزرگوار کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں: اے فرزند تیرا حصہ ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ سید جمال اللہ حیات المیر زندہ پیر کے پاس ہے۔ لاہور جاؤ وہاں اُن سے تمھاری ملاقات ہوگی۔ چنانچہ آپ اس ارشاد کے بموجب لاہور آئے۔ ایک روز گورستانِ میانی میں مزارِ شیخ محمد طاہر کے قریب آپ کو موجود پایا۔ خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور کمالاتِ ظاہری و باطنی حاصل کیے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔

نقل ہے ایک روز آپ ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: فلاں عابد کی کئی بیویاں ہیں۔ ہر رات اپنی ہر ایک بیوی کے پاس بھی جاتا ہے اور اپنے حجرے میں بھی مشغولِ عبادت نظر آتا ہے۔ ایک درویش نے سُن کر دل میں اس سے انکار کیا۔ آپ کو اُس کا یہ انکار نورِ باطن سے معلوم ہو گیا۔ فرمایا: اولیاء کی کرامت کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس درخت کی طرف نگاہ کرو۔ دلی تشفی پاؤ گے۔

درویش نے جب درخت کی طرف نگاہ کی دیکھا کہ شاہ محمد مقیم درخت کی ہر شاخ پر موجود ہیں۔

نقل ہے موضع حجرہ کے ایک زمیندار نے اپنی زمین میں گاجریں کاشت کیں۔ ایک رات آپ اس طرف سے گزرے اور اپنے خدام سے فرمایا کہ تمام گاجریں نکال لو۔ خدام نے حکم کی تعمیل کی لیکن اس کے دل میں بڑا تعجب تھا کہ شیخ نے مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کام کرنے کو کہا ہے۔ صبح کو کھیت کا مالک حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے گاجریں کاشت کی تھیں اور ارادہ تھا کہ تیار ہونے پر حضور کے غلاموں کے لئے نذر کروں گا مگر ایک شخص اگر تمام گاجریں نکال کر لے گیا ہے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا، حق بحق داراں رسید۔

نقل ہے آپ کے برادرِ حقیقی کی بیوی حاملہ تھی۔ جب بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آیا تو موصوفہ کو شدت سے دردِ زہ کا آغاز ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دعا کیجئے درد کی تکلیف دور ہو۔ فرمایا، ان شاء اللہ دور ہو جائے گا اور نہ رہے گا۔ آپ کی زبان سے یہ بات نکلتے ہی حضرت بی بی صاحبہ کا حمل غائب ہو گیا اور جب تک زندہ رہیں، حاملہ نہ ہوئیں۔

۹۷۰ھ میں وفات پائی مزار موضع حجرہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں محمد مقیم محکم دیں !! شد ز دار الفنا مقیم بہشت

رحلتش دو سندارِ فقر آمد !! نیز جانِ جہاں مقیم بہشت

۹۷۰ھ

۱۰۸۔ شیخ مادھولاہوری قدس سرہٗ

آپ شیخ حسین لاہوری کے خلفاء ارجمند اور محبوبانِ دل پسند میں شمار ہوتے ہیں۔ بڑے صاحبِ عشق و محبت اور واقفِ ذوق و شوق تھے۔ آپ کے حالات کتاب حقیقۃ الفقراء میں یوں درج ہیں کہ ایک برہمن کے لڑکے تھے جو شاہدرہ (نزد لاہور) میں رہتا تھا اور بڑے صاحبِ جمال اور خوش شکل تھے۔ ایک دن گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے کہ شاہ حسین کی نگاہ ان کے جمال و حسن پر جا پڑی اور ان کے عشق مجازی نے شاہ حسین کا دل چھین لیا۔ چنانچہ شاہ حسین لاہور چھوڑ کر شاہدرہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ساری رات دیوانہ وار مادھو کے مکان کا طواف کرتے اور دن کے وقت جہاں سے خبر آتی کہ مادھو فلاں جگہ ہے، بسروچشم چلے جاتے۔ مادھو تو آپ کے اس عشق جہاں سوز سے بے تعلق تھا اور بڑی بے اعتنائی اور بے نیازی سے رہتا۔ البتہ رات کے وقت اپنے گھر والوں سے جو رازدارانہ باتیں کرتا، شیخ حسین علی الصبح بازار میں فاش کر دیتے۔ ان حالات نے حسین لاہوری کے عشق کو زمانہ بھر میں مشہور کر دیا اور لوگوں نے اس عشق کی کئی کہانیاں بنانا شروع کر دیں۔ "القلب یھدی الی القلب" کے پیش نظر شاہ حسینؒ کی محبت کے اثرات مادھولال کے دل پر وارد ہونے لگے اور کبھی کبھی شاہ حسینؒ کو ملنے کے لئے آنے لگے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ہر وقت شاہ حسینؒ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور جدائی پسند نہ کرتے تھے۔ مادھولال کے والدین کو اس صورت حال سے بڑی کوفت ہوتی اور اپنے بچے کو شاہ حسینؒ کے پاس جانے سے روکتے۔ لیکن ان پر اس بات کا کچھ اثر نہ ہوتا۔ بالآخر والدین کو یہ تدبیر سُوجھی کہ مادھو کو کہا، ہم دریائے گنگا پر غسل کرنے جا رہے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ مادھو شاہ حسینؒ کے پاس اجازت کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ والدین کو کہہ دو "تم گنگا کے غسل کے لئے چلے جاؤ، بوقتِ غسل میں وہاں موجود ہوں گا۔"

مادھو بھی شاہ حسینؒ کی اس کرامت کے مظاہرے کے لئے لاہور میں رہ گئے۔ جس دن اس کے والدین غسل کے لئے گنگا میں اترے تو ادھر مادھو شاہ حسینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، مجھے گنگا میں غسل کے لئے وہاں پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس دن شاہ حسینؒ

مادھو کو لے کر شہر کے باہر تشریف لے گئے اور مادھو سے کہنے لگے: آنکھیں بند کر کے میرے قدم پر قدم رکھتے آؤ۔ جب مادھو نے یُوں کیا تو آپ نے کہا: اب آنکھیں کھول لو۔ مادھو نے دیکھا تو وہ دریائے گنگا میں اپنے والدین کے ساتھ غسل کر رہے ہیں اور شاہ حسینؒ بھی کنارے پر موجود ہیں۔ مادھو والدین سے ملاقات کرنے کے بعد شاہ حسینؒ کے پاس آ گئے اور جس طرح لاہور سے گئے تھے اسی طرح واپس آ گئے۔ مادھو اسی دن حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ دو ماہ بعد بسنت اور ہولی کے تہوار آ گئے۔ ہندو عیش و عشرت میں معروف ہو گئے۔ مادھو کی دل دہی کے لئے شاہ حسین نے مجلسِ سماع و سرود منعقد کی اور عالمِ مستی میں ایک دوسرے پر بسنتی رنگ (گلال) پھینکا گیا۔ چنانچہ تا حال یہ رسم جاری ہے کہ شاہ حسینؒ کے معتقدین بسنت کے دن آپ کے مزار پر جا کر گلال (رنگ) پھینکتے ہیں۔

اس مجلس رقص و سماع میں آپ کے خلفاء میں سے شیخ مادھو کے علاوہ میاں شعبان، شعبان ثانی، ابراہیم، میاں محمود، شیخ یعقوب، بہار خاں قوم منڈار قاضی شاہ تایا باجی، عبدالسلام، شہاب الدین، شیخ کالو، شیخ یٰسین اور شیخ صالح بھی شریک تھے۔ یہ تمام حضرات اپنے پیر و مرشد کی اتباع میں رقص و سرود میں شامل ہو گئے اور ایک دوسرے پر رنگ پھینکنے لگے اور وجد و رقص میں جھومتے رہے۔ اسی مجلس میں حضرت مادھو شاہ حسینؒ سے بیعت ہوئے اور شیخ کی نگاہِ کیمیا اثر نے آپ کو کمالات فقر پر پہنچا دیا۔

جب شیخ مادھو پُورے کمالات حاصل کر چکے تو شاہ حسینؒ نے فرمایا: اب تمہیں راجہ مان سنگھ کے فوجی رسالے میں بھرتی ہو کر دکن کی مہم پر چلے جانا چاہئے اور کچھ عرصہ ہم سے جدا رہنا چاہئے۔ چنانچہ مادھو آپ کے حکم پر راجہ مان سنگھ کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دکن کے حاکم نے اس فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔ مان سنگھ کی فوج کے پاؤں اکھڑنے والے تھے تو مان سنگھ فوراً شیخ مادھو سے التجا کرنے لگا کہ فتح کے لئے دعا فرمائیں۔ مادھو نے اپنے مرشد شیخ حسینؒ سے استمداد کی۔ شاہ حسینؒ کو بھی اس صورت حال کا علم ہو گیا تو آپ بہ نفس نفیس لشکرگاہ میں پہنچے اور کہا: راجہ کو کہہ دو کہ سوار ہو کر ایک بھرپور حملہ کر دے اِن شاء اللہ اب فتح ہو گی۔ راجہ مان سنگھ نے حملہ کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک لشکر کثیر بصورتِ ملنگاں آسمان سے

اتر رہا ہے اور دشمن سے نبرد آزما ہو رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو شکست ہو گئی اور شیخ حسینؒ لاہوری مادھو لال کے ساتھ واپس لاہور آ گئے۔

جب شیخ حسینؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شاہدرہ کے قریب ایک باغیچہ بنایا اور فرمایا: میرے مرنے کے بعد مجھے اس باغ میں دفنا دیا جائے لیکن یہ عارضی مدفن ہوگا۔ ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئیں گے اور میری نعش یہاں سے اٹھا کر بمقام بابو پورہ (باغبان پورہ) دفن کریں گے۔ پھر بارہ سال تک راجہ مان سنگھ کی فوج میں رہیں گے اور اس کے بعد یہاں آ کر ہماری قبر کی مجاوری (سجادہ نشینی) اختیار کریں گے۔

چنانچہ آپ کی وفات کے ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئے اور پھر بارہ سال تک فوج میں رہے۔ تیرہ سال بعد نوکری چھوڑ دی اور پھر ۴۵ سال تک حسینؒ کے مزار کے سجادہ نشین رہے۔ شیخ مادھو لال ۹۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۶ھ میں وفات پائی۔ حقیقۃ الفقراء میں لکھا ہے کہ آپ ۲۲۔ ماہ ذی الحجہ ۹۸۰ھ کو پیدا ہوئے۔

حسینے بندہ مادھو شیخ عالم — کہ بودے مست از پیمانۂ عشق
عیاں گردید سالِ ارتحالش — ز "بادی ہدیٰ مستانہ عشق" آمد
۱۰۵۶

۱۰۹۔ حضرت خواجہ بہاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

حضرت میاں میر کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ فقہ، حدیث اور تفسیرِ قرآن کے جید عالم ہونے کے علاوہ واقفِ اسرارِ ربانی بھی تھے۔ شہرِ حاجی پورہ میں مقیم تھے جو قصبہ گوداپور (بہار) میں واقع تھا۔ آپ چھوٹی عمر ہی میں علم حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے نکلے۔ کچھ مدت تک قصبہ کوراہیں شیخ جمال اولیاء کے پاس رہے۔ ان سے فیض حاصل کر کے لاہور آئے اور ملا فاضل لاہوری سے علومِ ظاہری کی تکمیل کی۔ ملا اپنے ہونہار شاگرد سے اس قدر خوش تھے کہ انہیں اپنے گھر ہی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ ان ایام میں حضرت شیخ میاں میر کا باطنی فیض عام تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علومِ باطنی کی تکمیل کی۔ وفاتِ مرشد کے بعد مرجع خلائق تھے۔ آپ نے تمام عمر ہدایتِ خلق اور درس و تدریس میں گزاری۔ آپ کا مدرسہ دہلی دروازے کے اندر واقع تھا۔ جو بہت مشہور تھا۔ نواب سعد اللہ خاں اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔ کسبِ علوم کے لئے دور دور سے طلبہ آکر فیض یاب ہوتے تھے۔ فقر و استغنا میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ چنانچہ شاہجہان ایک دفعہ آپ کی ملاقات کے لیے آیا۔ آپ یہ خبر سن کر وہاں سے چل دیئے۔ جب آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا: میں اپنا اطمینانِ قلب کھونا نہیں چاہتا تھا۔ ایک فقیر کو بادشاہوں کی ملاقات سے کیا سروکار۔ جلالتِ علمی کے ساتھ صاحبِ خوارق و کرامت بھی تھے۔ محمد داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ ایک رات آپ غازی خاں نامی شخص کے ہاں عرس کی تقریب میں شامل تھے اور حاضرین میں توحید کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ گھر کے صحن میں آگ جل رہی تھی۔ خواجہ بہاری اپنی جگہ سے اٹھ کر آگ میں جا بیٹھے۔ ایک گھڑی تک اس میں رہے اور فرمایا: توحید میں قیل و قال کی کیا ضرورت ہے۔ حال ملاحظہ کرو۔ یہ کہہ کر صحیح و سالم آگ سے باہر نکل آئے۔ سفینۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ جن ایام میں خواجہ بہاری ملا محمد فاضل لاہوری کے ہاں سکونت پذیر تھے تو ایک دن ملا صاحب کی بیوی خواجہ صاحب کے لئے آتش کا بھرا پیالہ لے کر حجرے کے دروازے پر پہنچیں، دیکھا کہ خواجہ نے کسی کو قتل کر دیا ہے اور اعضا ادھر ادھر بکھرے پڑے ہیں۔ موصوفہ نے جونہی یہ دیکھا تو فریاد کرنا شروع کر دی۔

اور شوہر کے پاس آکر تمام واقعہ بیان کیا۔ ملا اسی وقت موقع پر پہنچے، دیکھا کہ خواجہ بہاری سر جھکائے ہوئے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ واپس آکر اہلیہ سے کہا۔ اولیاء اللہ کے کئی احوال و مقامات ہوتے ہیں۔ جو تم نے دیکھا ہے اس پر اظہار تعجب کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک اور شخص اپنے بیٹے کو خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا۔ اس کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے۔ آپ نے فرمایا، کسی حکیم سے علاج نہ کراؤ، اس کا علاج میں کروں گا۔ چنانچہ آپ ہر روز ایک داغ پر انگلی رکھتے اور وہ مٹ جاتا۔ حتیٰ کہ آپ کی انگشت مبارک کے اثر سے تمام داغ دور ہو گئے اور لڑکا درست ہو گیا۔ داراشکوہ رقم طراز ہے کہ ۱۰۵۱ھ میں مرزا آصف بیگ والیٔ ایران نے قندھار کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ میں نے اس کا ذکر حضرت خواجہ بہاری سے کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کی کیا مجال کہ تمہاری مملکت پر دست درازی کر سکے۔ ان شاء اللہ مارا جائے گا۔ چنانچہ ایک مہینے کے بعد خبر آئی کہ مرزا مذکور کو اس کے دشمنوں نے زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔

داراشکوہ لکھتا ہے، ایک روز آپ شالامار باغ کی سیر کو گئے۔ وہاں دو تین مرتبہ فرمایا، وہ مجھے طلب نہیں کرتے۔ اگر وہ طلب کریں تو مجھے مرشد کی قبر کے پاس دفن کرنا۔ ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

بہاری چوں بجنت رخت بربست | ز دنیا جست یکسر بر کناری
بسالِ رحلتش سرور رقم کرد | کہ سلطان الولی خواجہ بہاری
۱۰۷۰ھ

۱۱۰۔ حضرت شاہ سلیمان قادری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ معروف چشتی قادریؒ (خوشابی) کے کاملین خلیفوں اور اکابر سجادہ نشینوں سے تھے۔ جذب، عشق و محبت، سکر، حالت اور خوارق و کرامات میں بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ چار سال کی عمر میں حضرت شاہ معروف چشتیؒ کی نظر مبارک میں منظور ہوئے اور آپ پر سکر اور جذب کی حالت غالب ہو گئی۔ آپؒ کے والد صاحب میاں منگو[۱] موضع بھلوال میں سکونت

---

[۱] میاں منگو کا اصلی نام شیخ عبداللہ تھا جو ایک قلمی شجرہ نسب مکتوبہ ۱۲۲۱ھ میں لکھا ہوا ہے۔ (شریف التواریخ جلد اول موسوم بہ تاریخ الاقطاب قلمی۔ تصنیف شرافت نوشاہی) (باقی اگلے صفحہ پر)

رکھتے تھے۔ ایک بار حضرت شاہ معروفؒ اس گاؤں میں تشریف لائے اور میاں منگو کے گھر میں رات رہے۔ تمام رات وُہ اُن کی خدمت میں حاضر رہے۔ اُس وقت شاہ سلیمان ابھی خورد سال تھے اپنے گھر کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ جب شاہ معروفؒ کی نظر شاہ سلیمان کے جمالِ باکمال پر پڑی تو نہایت شفقت سے آپ کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور میاں منگو کو فرمایا کہ یہ لڑکا ہماری امانت ہے اور یہ ایسا کامل مرد ہوگا کہ جہان اس کے فیض سے بہرہ ور ہوگا۔ جب شاہ معروفؒ رخصت ہو کر چلے گئے، میاں منگو اس والا گوہر لڑکے کی تربیت میں مشغول ہوگئے۔ شاہ سلیمانؒ کو بچپن میں ہی اکثر اوقات حالتِ وجد طاری ہو جایا کرتی تھی۔ جب جوان ہوئے تو شاہ معروفؒ کی خدمت میں پہنچ کر تکمیل پائی اور کاملانِ وقت سے ہو گئے اور خرقۂ خلافتِ قادریہ حاصل کیا۔ شاہ سلیمان سماع سنتے اور وجد و تواجد کرتے تھے۔ آپ کے دو خلیفے کامل و اکمل تھے ایک مولانا کریم الدین، دوسرے حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قدس سرہ العزیز۔

کتاب تذکرہ نوشاہی میں جو حافظ محمد حیات بن شیخ جمال الدین حافظ برخوردار بن حاجی نوشہ گنج بخشؒ کی تصنیف سے ہے۔ لکھا ہے کہ جن ایام میں شاہ سلیمان موضع منچر[2] میں تشریف رکھتے تھے اور ایک موچی کے گھر ڈیرہ کیا تھا، ہر وقت اور ہر حال میں مراقبہ میں سر نیچے کئے رکھتے تھے۔ ایک کم بخت جولاہا اُس موچی کا ہمسایہ تھا، وُہ اپنی بد باطنی کی وجہ سے شاہ سلیمانؒ کی نقل کیا کرتا نقل کرنے کے وقت اسی طرح اپنی گردن ٹیڑھی کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتا اور تمسخر کیا کرتا تھا۔ ایک روز آپ راستے میں جا رہے تھے اتفاقاً وُہ جولاہا آگے سے آتا ملا۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ فقیروں کی حالت کی نقل بنانا اور تمسخر کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ ایسی حرکت سے باز آ جا ورنہ سزا پائے گا۔ جولاہے نے گستاخانہ جواب دیا کہ میں نے تمہارے جیسے کئی مکار فقیر دیکھے بھالے ہیں، جا اپنا کام کر۔ شاہ سلیمانؒ نے فرمایا کہ جس طرح میری غیبت میں تو میری

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۴)

[1] قصبہ بھلوال اس وقت ضلع سرگودھا کی ایک تحصیل ہے۔ خزینۃ الاصفیا کے کاتب نے اسی کو بھیلو وال لکھا ہے

[2] موضع منچر ضلع گوجرانوالہ میں ایک گاؤں ہے، اور وزیر آباد سے لائل پور جانے والی سڑک پر ریلوے سٹیشن ہے۔

حالت کی نقل کرتا ہے۔ ایسا ہی میرے سامنے کرنا کہ میں بھی دیکھوں۔ وہ جولاہا بیوقوفی کی وجہ سے زیادہ گستاخ ہوگیا، اسی طرح دوزانو بیٹھ کر گردن ٹیڑھی کر کے مراقبہ میں سر ڈال دیا۔ اسی وقت اس کی گردن ٹیڑھی ہوگئی اور پھر تا مرگ سیدھی نہ ہو سکی۔ ہر چند اُس نے عذرت و معذرت کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

نقل ہے کہ موضع چک ساہن پال کے سردار چودھری مہاں[1] کے چار بیٹے تھے۔ چوتھا بیٹا ساہن پال نامی تھا، جب اُس نے شاہ سلیمان[2] کی خوارق و کرامات کا شہرہ سُنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ روانگی کے وقت اپنے باپ سے چالیس روپے شاہ سلیمانؒ کے نذرانہ کے لئے طلب کئے۔ چونکہ چودھری مہاں شیخ سلیمان چدھڑؒ کے مریدوں سے تھا، اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تُو ایسے شخص کے پاس جانا چاہتا ہے جو موچی قوم سے ہے، اس کو چالیس روپے نذرانہ دینا کیا معنیٰ، اس کے لئے چار روپے بھی کافی ہیں۔ ہاں اگر شیخ سلیمان چدھڑ کے پاس جائے تو اس قدر نذرانہ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ آخر ساہن پال نے اپنے باپ کی بات نہ سُنی اور اپنے گھر سے چالیس روپے لے کر موضع بھلوال میں حضرت شاہ سلیمانؒ کی خدمت میں مشرف ہُوا اور چالیس روپے نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے چار روپیہ اُس میں سے قبول کر لئے اور فرمایا

---

[1] چودھری مہاں، قوم جٹ تارڑ سے ابوالخیر ولد امین ولد بھرنا کا بیٹا تھا اور موضع چک ساہن پال کے بانی چودھری ساہن پال کا بیٹا تھا۔ (حدیقۃ الانساب قلمی تصنیف شرافت نوشاہی)

[2] شاہ سلیمان قریشی النسب تھے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ہم جدی خاندان سے ملتا ہے اور اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ القرشی پر نسب نامہ نبوی سے متصل ہو جاتا ہے۔ یہ پورا نسب نامہ شریف التواریخ کی پہلی جلد موسوم بہ تاریخ الاقطاب قلمی۔ تصنیف سید شرافت نوشاہی میں مذکور ہے۔ نیز شاہ سلیمانؒ کا مہاں کے قول سے جلالت میں آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ موچی نہ تھے کیونکہ اولیاء اللہ جو ربانی جماعت ہے، سچی بات کہنے سے ناراض نہیں ہوتے۔

بالفرض اگر آپ نے یہ کسب کیا ہو تو بھی نسب میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے القاب میں سے ایک لقب خاصِفُ النَّعل (جُوتی گانٹھنے والا) بھی تھا اس سے آپ کے نسب و شرف میں کچھ فرق نہیں پڑا بلکہ کمال تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔

کہ تیرے والد کی اجازت اسی قدر تھی اس لئے میں نے چار روپے لے لئے ہیں اور میں نے خدا تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ مہاں کا سر موچیوں کی چمڑا کوٹنے والی مُنگلی سے کوٹا جائے گا۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ اس کے بعد چند روز گزرے تھے کہ چودھری مہاں نے اپنی بیوی کو جو ساہن پال کی والدہ تھی کسی وجہ سے غصے ہو کر کہا کہ کل میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا اور مہاں کی یہ عادت تھی کہ جو بات منہ سے کہتا، وہ پوری کرتا۔ اس سے باز نہیں آتا تھا۔ اُس کی عورت کو اپنی جان جانے کا فکر پڑ گیا۔ اپنے ہمسایہ ایک موچی کو یہ سب داستان سُنائی اور اپنے قتل ہو جانے کا فکر اُس کے سامنے بیان کیا اور اس سے کچھ مدد طلب کی۔ موچی نے اس کو تسلی دی اور کہا: کچھ فکر نہ کرو کہ میں آج رات کو ہی اُس مُوذی کا کام تمام کر دُوں گا۔ چنانچہ جب رات کا ایک حصّہ گزر گیا اُس موچی نے چودھری کا جب کہ وُہ سو رہا تھا اپنی مُنگلی (چرم کوب) کی ایک ضرب سے ہی سر کُوٹ کر کام تمام کر دیا۔

حضرت شاہ سلیمانؒ کی وفات اقوالِ صحیح کے مطابق ۱۰۶۵ھ میں ہے۔ ؎

سلیمان مقتدائے ہر دو عالم	شہِ دیں پیشوائے اہلِ دوراں
وصالش "عارفِ دیں مستقیم" است	دگر شد شیخ دیں کامل نمایاں
دگر بہر وصالِ آں شہنشاہ!	"سلیمان پیر شاہنشاہ" بر خواں [1]

۱۱۱۔ حضرت سیّد جان محمد حضوری قدس سرہٗ

جان محمد اسم گرامی، حضوری خطاب۔ والد ماجد کا نام شاہ نور بن سیّد محمود حضوری تھا، جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ آبائی سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادقؓ اور سلسلہ بیعت

---

[1] شاہ سلیمان قادریؒ کا صحیح سالِ وفات ۱۰۱۲ھ ہے جو لفظ "غیب" سے ظاہر ہوتا ہے۔ (شریف التواریخ جلد اول موسوم بہ تاریخ الاقطاب قلمی تصنیف سیّد شرافت نوشاہی)

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ تربیت و تکمیل اپنے پدر بزرگوار اور جدِ امجد کے زیرِ سایہ پائی۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی اُنھی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ اپنے وقت کے عارفِ کامل اور مقتدائے شریعت و طریقت تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں گزاری۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے ظاہری و باطنی علوم سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں جو داخل ہو جاتا تھا وہ جلد اوجِ طریقت پر پہنچ کر حضوری ہو جاتا تھا اس لئے حضوری مشہور ہوئے۔ ۶۵-۱۰۶۴ھ میں بہ عہدِ شاہجہان وفات پائی —

سید محمد لطیف مرحوم نے اپنی کتاب تاریخ لاہور صفحہ ۱۷۱ میں آپ کی تاریخِ وفات ۱۱۲۰ھ اُس کتبہ سے نقل کر کے لکھی ہے جو آپ کے مزار کی مشرقی دیوار پر کندہ ہے۔ مولانا مفتی غلام سرور نے باقوالِ صحیح خزینۃ الاصفیہ جلد اول صفحہ ۱۷۱، گنجِ تاریخ صفحہ ۲۳، حدیقۃ الاولیاء صفحہ ۲۱، رائے بہادر کنہیا لال نے تاریخ لاہور ص ۲۷۰ میں ۱۰۶۴ھ ہی لکھا ہے۔

جانِ ہر دو جہان محمد جان! کرد چوں از جہاں بخلد ظہور
فیضِ دیں سالک است ترحیلش باز چو وصلش از محب حضور
۱۰۶۴ھ ۱۰۶۴ھ

۱۱۲۔ حضرت محمد صالح اکبر آبادی قادری قدس سرہٗ

اکابرِ مشائخ قادریہ سے تھے۔ شیخ الشیوخ لقب تھا۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ سکر و جذب، عشق و محبت، قناعت و صبر اور توکل و استغنا میں اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اخذِ فیض کیا۔ بقول صاحب مخزن الواصلین ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی۔

مرشد الارشاد شیخ دو جہاں پیرِ حق آگاہ صالح متقی!!
گشت سرور سالِ ترحیلش عیاں زبدۂ دیں شاہ صالح متقی!!

۱۱۳۔ حضرت سیّد عبدالرزاق المعروف بہ شاہ چراغ قادری لاہوری قدس سرہٗ

عبدالرزاق نام، شاہ چراغ خطاب۔ والد ماجد کا نام سید عبدالوہاب بن سید محمد غوث اوچی گیلانی تھا۔ سیادت و نجابت ورثہ میں پائی تھی۔ اپنے پدر بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں اپنے عہد کے مشائخ قادریہ میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے جد امجد زندہ تھے۔ جس روز پیدا ہوئے آپ نے فرمایا، ہمارے گھر میں چراغ پیدا ہوا ہے جس کی ضو سے ہمارا خاندان منور ہو جائے گا۔
حرمین الشریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے اور وہاں کے اکابر مشائخ سے فوائد کثیر اور فیوضِ وافر حاصل کئے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے ہر چند چاہا کہ اپنی ایک لڑکی کی شادی آپ کے فرزند سید مصطفیٰ سے کرے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔
۲۲۔ ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ میں وفات پائی اور اپنے والد و دادا کے مرقد کے پاس مدفون ہوئے۔
شاہ جہان بادشاہ نے مزار بنوایا مگر تاریخی لحاظ سے یہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ آپ کا روضہ عالمگیر کے عہد میں یا عالمگیر کے حکم سے تعمیر ہوا ہوگا کیونکہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) میں خود شاہجہان آگرہ کے قلعہ میں نظر بند تھا اور اسی نظر بندی میں فوت ہوا۔

شاہ دنیا شاہِ عقبیٰ شہ چراغ ۔۔۔ رفت چوں او از جہاں اندر جناں
گشت روشن سالِ ترحیلش ز دل ۔۔۔ سیدِ حق آفتاب عارفاں
۱۰۶۸ھ

۱۱۴۔ حضرت شیخ شاہ محمد المعروف بہ ملا شاہ بدخشی قادری قدس سرہٗ

نام شاہ محمد، کنیت اخوند، لقب لسان اللہ تھا۔ والد کا نام ملا عبدی۔ جائے ولادت موضع ارکسان، ضلع روستاق۔ علاقہ بدخشاں۔ اوائل عمر ہی میں طلب حق کے لیے وطن سے نکلے۔ پہلے کشمیر آئے۔ یہاں تین سال رہے پھر ہندوستان کا قصد کیا۔ لاہور سے گزر کر آگرہ کو چلے گئے۔ راستہ میں حضرت میاں میر کے حالات سنے۔ اُن سے ملاقات کرنے کے لئے لاہور کا قصد کیا۔

مگر رفقا، سفر نے نہ چھوڑا۔ مجبوراً آگرہ پہنچے۔ جستجوئے مرشد میں اِدھر اُدھر پھرے مگر مایوس ہو کر لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے اوصاف و کمالات سے متاثر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ تجرید و تفرید، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت و تقویٰ میں حضرت میاں میر کے تمام مریدوں اور خلفاء میں ممتاز تھے۔ فقر و استغنا کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی غلام یا خدمت گار اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ کبھی چولھا گرم نہیں کیا، کبھی چراغ نہیں جلایا۔ حبسِ دم میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ ساری ساری رات صرف ایک سانس لیتے تھے۔ سات سال تک ایک ہی سانس میں رات گزار دی۔ اس حبسِ دم میں ذکرِ خفی کرتے رہتے تھے۔ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے مدت تک آنکھ نا آشنائے خواب رہی۔ کبھی غسلِ ضروری کی حاجت نہیں پڑی۔ خود فرماتے ہیں، احتلام یا مباشرت سے غسل واجب ہوتا ہے اور میرے یہاں نہ نیند ہے نہ بیوی۔

اس زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علومِ ظاہری میں بھی کامل و اکمل تھے۔ شعر و سخن سے شوق تھا۔ اشعار کا ایک مکمل دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاءؒ میں آپ کی اکثر غزلیں اور رباعیاں درج کی ہیں۔ تمام کلام عارفانہ و عاشقانہ ہے۔ اکثر و بیشتر مضامین موحدانہ ہیں۔ نظریۂ وحدت الوجود کے زبردست حامی تھے۔[۱]

سلسلۂ قادریہ میں تکمیلِ سلوک کے بعد مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے حسبِ ایمائے

---

[۱] ان کے بعض نظریات و اقوال کے سبب علمائے کشمیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہ جہاں بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی۔ خاص اس شعر پر بہت اظہارِ ناراضی کیا،

پنجہ در پنجۂ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

آپ کے مرشد حضرت میاں میر بھی نظریۂ ہمہ اوست کے قائل تھے اور مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق حضرت خواجہ خاوند محمود معروف بہ حضرت ایشاں کے ساتھ مراسلات رہتے تھے کیونکہ حضرت ایشاں جو شخص وحدتِ وجود کا قائل ہوتا تھا اس کی سخت سرزنش کرتے تھے۔ (مترجم)

کشمیر جارہے تھے۔ آپ کے فضل و کمال نے بہت جلد عوام و خواص کو اپنی طرف متوجہ کردیا۔ سلسلۂ رشد و ہدایت بڑا وسیع ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ سے والہانہ عقیدت تھی۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح برسرِ منبر کرتے تھے۔ یہ امر شیعی حضرات پر بڑا گراں گزرتا تھا۔ اکثر شیعہ بحث و تکرار کے لئے آتے مگر اللہ تعالیٰ نے حقائق و معارف بیان کرنے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ جو رافضی بحث و مناظرہ کے لئے آتا وہ تائب ہوکر جاتا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کبار اور حضرت غوثِ اعظم کی زیارت بہ چشم ظاہر کرتا۔ اسی طرح سیکڑوں ملحد اور رافضی تائب ہوکر حلقۂ اہل سنّت میں داخل ہوئے۔

داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں رقمطراز ہے کہ ایک دن مجھے رویتِ حق کے مسئلہ میں تردد ہوا اور یہ بات حضرت ملّا شاہ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا تھا مگر آپ کے رعب و ادب کے باعث گزارش نہ کرسکا۔ مجلس سے آکر بھی دل میں شبہ موجود تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ پُرفتوح کی طرف توجہ دی۔ اسی وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر چہار خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارواحِ پاک جلوہ گر ہوئیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جس طرح چاہے اور اس کی قدرت کا تقاضا ہو اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ اس جواب سے میری مشکل حل ہوگئی۔ دوسرے روز جب میں حضرت ملّا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے متبسم ہوکر فرمایا: تجھے مسئلہ کا حل مل گیا ہے اور جنہوں نے تجھے جواب دیا ہے انہوں نے مجھے بھی اطلاع دی ہے۔

۱۰۶۹ھ میں وفات پائی۔ مزار مرشد کے روضہ کے باہر ہے۔ ہسٹری آف لاہور میں سیّد محمد لطیف جج آپ کا سالِ وفات ۱۰۷۱ھ لکھتے ہیں۔ لیکن مخبرالواصلین، تحقیقاتِ چشتی اور صاحبِ خزینۃ الاصفیا ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء ہی لکھتے ہیں۔ حضرت ملّا شاہ کی تاریخِ وفات ۱۰۷۱ھ درست نہیں ہوسکتی جب اس کے ساتھ یہ لکھا جاتا ہے کہ ان کے مزار کو ان کے مرید داراشکوہ نے قیمتی پتھروں سے بنوایا تھا مگر داراشکوہ اور عالمگیر کے حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ شاہ جہان ۱۰۶۸ھ میں تاج و تخت سے محروم ہوا اور داراشکوہ عالمگیر کے حکم سے ۱۰۷۰ھ میں قتل ہوا۔ شاہ جہان کی معزولی کے بعد داراشکوہ کا اقتدار ختم ہوچکا تھا اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے مارا مارا پھر رہا تھا۔ ان حالات میں وہ آپ کا مقبرہ کس طرح تیار کراسکتا تھا۔ آپ کا مقبرہ یقیناً داراشکوہ کے بعد تعمیر ہوا ہے اس لئے

آپ کا سالِ وفات ۱۰۶۸ھ یا ۱۰۶۹ھ ہی قرینِ قیاس ہے۔ (مترجم)

شیخ ملّا شاہ شیخ دو جہاں　　شد چو از دنیا بجنت یافت جا

قطب شیخ الاولیاء تاریخِ اوست　　نیز ملّا شاہ مطلوبِ خدا

۱۰۶۹ھ　　۱۰۶۹ھ

۱۱۵۔ شہزادہ محمد داراشکوہ بن شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ قدس سرہٗ

حضرت ملّا شاہ بدخشانی کا نامور مرید و خلیفہ، ظاہری و باطنی اوصاف کا جامع، بادشاہ صورت اور درویش سیرت تھے۔ مسائل تصوف اور سلوک و عرفان سے بڑی وابستگی تھی۔ حضرت شیخ محمد میاں میرؒ کی خدمت میں بھی حاضر رہ کر اخذِ فیض کیا تھا۔ اپنے مرشد کی طرح نظریۂ وحدۃ الوجود (ہمہ اوست) کے زبردست حامی و مبلغ تھے۔ متعدد کتب کے مولف و مصنف ہیں۔ نظم و نثر پر مہارتِ کامل رکھتے تھے اور اپنے خیالات کو بڑی خوبی و آزادی کے ساتھ بیان کرتے۔ ۱۰۷۰ھ میں عالمگیر کے حکم سے قتل ہوئے۔

سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، رسالہ حق نما، حسنات العارفین یا شطحیات، مجمع البحرین، سرِ اکبر، دیوان اکسیرِ اعظم ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

شد ز دنیا بجنتِ داور　　شاہ دارا ولیِ پاک سعید

گفت تاریخِ قتل او سرور　　شاہِ اسلام بادشاہ شہید

۱۰۷۰ھ

۱۱۶۔ حضرت شاہ صفی اللہ المشہور بہ سیف الرحمٰن قدس سرہٗ

سید شاہ مقیم محکم الدین صاحب حجرہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ جامع علومِ ظاہر و باطنی اور واقفِ رموزِ صوری و معنوی تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا تھا ویسا ہی ظہور میں آتا تھا اس لئے سیف الرحمٰن مشہور ہوئے۔

نقل ہے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے باغ کا فلاں درخت

خشک ہوگیا ہے۔ فرمایا، نہیں، سر سبز ہے۔ وہ شخص فوراً بنظرِ امتحان وہاں پہنچا، دیکھا کہ وُہ درخت واقعی سر سبز و شاداب ہے۔ نقل ہے آپ نے جب اپنے پدر بزرگوار کا مقبرہ تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو معمار کو بلا کر کہا کہ تعمیرِ مقبرہ کا تمام تخمینہ کاغذ پر لکھ دو تاکہ تمام خرچ یک بارتمہیں پیشگی دے دیا جائے۔ معمار نے اسی وقت تخمینہ لگا کر اور کاغذ پر لکھ کر حاضرِ خدمت کیا جو چند ہزار روپے پر مشتمل تھا۔ آپ نے کاغذ کو دیکھ مصلّے کا کنارہ اٹھایا اور کہا، اپنے تخمینے کے مطابق مطلوبہ رقم لے لو۔ معمار نے جب وُہ رقم شمار کی تو عین اپنے حساب کے مطابق پائی۔ مقبرہ کی تعمیر شروع ہوگئی مگر چند روز کے بعد معمار پھر حاضرِ خدمت ہُوا اور عرض کیا: حضرت وُہ رقم اندازے کے مطابق پُوری نہیں ہو گی، کچھ مزید ضرورت پڑے گی۔ فرمایا: تیرے لکھے ہُوئے کے مطابق مجھے غیب سے جو عطا ہُوا تھا، تجھے دے دیا۔ اب دوبارہ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے اِن شاءاللہ اسی میں سب کچھ پُورا ہوگا۔

۱۱۰۰ھ میں بعہدِ عالمگیر وفات پائی۔ مزار بمقام حجرہ واقع ہے۔

چوں صفی شد از جہاں باصد صفا	رحلت آں شاہِ مخدومِ سعید
واں "صفی اللہ ولی محتشم"!	ہم "صفی اللہ مخدومِ سعید"

۱۱۷۔ حضرت شیخ حاجی عبدالجمیل قدس سرہٗ

شیخ رنگ بلاول کے مرید و خلیفہ تھے۔ مشائخ قادریہ میں درجۂ بلند رکھتے تھے ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدم شریف کا نقش جو انہیں اپنے مشائخ سے دست بدست ملا تھا۔ اُس کا روضہ لاہور میں بنوایا تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے سات بار مشرف ہوئے تھے۔ اِن کا ایک دوست غلام رسول نامی سوداگر تھا اس نے بھی ارادۂ حج کیا اور آپ سے رخصت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہُوا۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ فرمایا: میں نے سات حج کئے ہیں جو سب کے سب مقبول ہیں اُن میں سے میں ایک کا ثواب تجھے بخشتا ہُوں۔ اُس نے عرض کیا، مجھے زیارتِ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بھی بیحد اشتیاق ہے۔ کہا: آج کی رات

یہیں قیام کرو۔ پھر تمہارا اختیار ہے۔ چنانچہ اُسی رات غلام رسول سوداگر نے خواب میں دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں اور اس کے بعد زیارتِ روضۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرف ہوا ہوں۔ صبح اٹھ کر حاضرِ خدمت ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہُوا اور اسی روپے سے روضۂ قدمِ رسول تعمیر کرایا۔

۱۰۸۲ھ بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

جمیلِ آں جمالِ جمیلانِ دیں | چو جا یافت در خلد بے قال وقیل
دمِ رحلتش گفت "عرش آستاں" | دگر بارہ "محبوب شیخ الجمیل"

۱۱۸۔ حضرت حاجی محمد ہاشم گیلانی قدس سرہٗ

جلیل القدر قادری مشائخ سے ہیں۔ والد کا نام سید صوفی علی بن سید بدرالدین تھا۔ سلسلۂ نسب سید محمد غوث حلبی اوچی گیلانی تک منتہی ہوتا ہے۔ صاحب علم و فضل و کمال تھے۔ بارہ برس تک ملک عرب و عجم و شام کی سیاحت کی تھی۔ اِس دورانِ سیاحت میں حلب جا کر اپنے جدِ بزرگوار شمس الدین حلبی کے مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہُوئے اور دیگر بہت سے مشائخ کی صحبت سے اخذِ فیض کیا۔ پھر لاہور آ کر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ مرجع خلائق تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ اقدس سے اکتسابِ فیض کیا۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں ۱۰۸۷ھ میں بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار صاحبِ تحقیقاتِ چشتی کی تحقیق کے مطابق تکیہ اہلی والا بیرون لوہاری دروازہ لاہور واقع ہے۔

شد چو در خلدِ معلّٰی از جہاں | سیدِ ہاشم ولیٔ مقتدا
سالِ ترحیلش بہ سرور شد عیاں | ماہتابِ ہاشمی قطبِ صفا

۱۱۹۔ حضرت سیّد سرور دین حضوری قادری لاہوری قدس سرّہٗ

علم و عرفان، زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ میں مقامِ بلند و کراماتِ ارجمند رکھتے تھے۔ اپنے والدِ ماجد حضرت جان محمد حضوری قدس سرّہٗ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ تمام عمر ارشاد و ہدایت میں گزاری۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفید ہوئی۔ آباؤ اجداد کے فیضان کے مظہر تھے۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں جو بھی داخل ہوتا جلد ہی اوجِ طریقت پر پہنچ کر مرتبۂ حضوری پر فائز ہو جاتا تھا۔ ۱۷۔ شوال بروز جمعہ ۱۱۰۰ھ میں بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ اپنے پدرِ بزرگوار کے مزار کے ساتھ ہی مدفون ہوئے۔

جنابِ سرورِ دیں شیخِ حق بیں   چوں از دنیا بفردوسِ بریں رفت
دگر سردار سرور سیّد الدیں   بجے تاریخِ وصلش بحرِ فیض است
۱۱۰۰ھ

۱۲۰۔ حضرت سیّد محمد امیر قادری گیلانی قدس سرّہٗ صاحبِ حجرہ

سیّد بہاء الدین بہاول شیر کی اولادِ امجاد سے تھے۔ حضرت صفی الدین سیف الرحمٰن کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی اور اس وقت تمام خاندان میں آپ ہی جوہرِ قابل تھے اس لئے متفقہ طور پر سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ ذاتی فضل و کمال کے باعث اپنے عہد کے مشائخ قادریہ میں ممتاز الوقت تھے۔

صاحبِ تذکرہ حضراتِ حجرہ لکھتے ہیں۔ شیخ اشرف لاہوری جو صاحبِ دعوتِ اسمائے الٰہی اور امرائے عالمگیری سے تھے انہوں نے رؤسائے قوم کھوکھریں سے ایک شخص کی حسین و جمیل دختر کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر اس کا باپ اس امر پر راضی نہ ہوا کیونکہ وہ اپنی لڑکی کی شادی مشائخ سادات میں کرنا چاہتا تھا اور اس غرض کے لئے سجادہ نشین حضرت گنج شکر کی خدمت میں بھی حاضر ہوا مگر وہ بھی آمادہ نہ ہوئے۔ اسی طرح دیگر اکابر نے بھی شیخ اشرف لاہوری کے اثر و رسوخ کے باعث انکار کر دیا۔ آخر وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کر لیا۔ شیخ اشرف نے جب یہ خبر سنی تو عالمگیر کے پاس شکایت کی

اور خود نکاح کا دعویدار ہوا۔ بادشاہ نے آپ کو دہلی طلب کیا۔ آپ دہلی پہنچ کر شہر کے باہر اپنے خیمہ میں ٹھہرے اور اپنے آنے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ آپ کا ایک ارادت مند بادشاہ کے خاص ملازمین سے تھا اس نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی بادشاہ شیخ اشرف لاہوری کی پاسداری و لحاظ کی وجہ سے آپ کے متعلق کچھ اور ہی خیال رکھتا ہے اگر حکم ہو تو آج رات ہی بادشاہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، بادشاہ پاسبانِ خلق ہے اپنی حد سے تجاوز نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے چاہا ہے کہ اس کی بجائے کسی اور کو بادشاہ مقرر کر دے۔ اس اثنا میں عالمگیر نے شیخ اشرف مدعی کو حکم دیا کہ وہ بھی شہر کے باہر جا کر جس جگہ سید محمد امیر مدعا علیہ نے خیمہ لگایا ہوا ہے ۔ وہیں جا کر اپنا خیمہ لگائے اور مقدمے کے فیصلے تک وہیں رہے ۔ وہ اس وقت قصرِ شاہی میں مقیم تھا اس نے انتقالِ مقام کو اپنی ذلت و شکست تصور کیا اور مقدمہ سے دست بردار ہو گیا۔ آپ مظفر و منصور واپس آئے۔ جن دنوں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے آپ کے علمی و روحانی فضل و کمال کا شہرہ سن کر عالمگیر بھی ایک روز آپ کی ملاقات کے لیے خیمہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے جب بادشاہ کے آنے کی اطلاع پائی تو اٹھ کر بیت الخلا میں چلے گئے اور وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ کسی کو کچھ پتہ نہ چلا۔ بادشاہ نے کچھ عرصہ انتظار کیا پھر آپ کے فرزند سید نور الدین محمد کو دریافتِ حال کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے بیت الخلاء کے دروازے پر آکر آواز دی تو نہ کچھ اشارہ ہوا اور نہ جواب آیا۔ آپ نے واپس آکر بادشاہ سے حقیقتِ حال بیان کی، چنانچہ وہ بغیر ملاقات کے واپس آگیا۔ پھر حضرت کی تلاش شروع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ قطب مینار پر تشریف فرما ہیں آپ نے صاحبزادہ کو قوالوں کی قوالی کرنے کا حکم دیا۔ جب قوالی کی آواز آپ کے کان میں پڑی ، نیچے تشریف لے آئے۔

نقل ہے :۔ آپ بادشاہ کے حکم سے دہلی تشریف لاتے ہوئے ایک رات منزل گاہ میں آرام کر رہے تھے کچھ خدام اپنی اپنی جگہوں پر سو رہے تھے۔ ایک خادم آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آپ کے پاؤں کی جانب ایک عجیب و غریب شکل کا انسان کھڑا ہے ۔ خادم نے عرض کیا: حضرت! یہ کون شخص ہے؟ فرمایا: تجھے اس سے کیا کام، جا تو بھی آرام کر۔ وہ جا کر اپنی جگہ پر تو لیٹ گیا مگر خوف کے مارے رات بھر اسے نیند نہ آئی۔ صبح کو پھر حضرت سے

دریافت کیا۔ فرمایا، وہ جنوں کا بادشاہ تھا اور کہتا تھا کہ اگر ارشاد ہو تو ابھی سب کچھ درہم برہم کردوں۔ مگر میں نے اُسے اجازت نہیں دی اور اپنے کام کو خدا کے حوالے رکھا۔

۱۱۰۲ھ میں بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار حجرہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

شد بہ جنت چو میر بالا پیر!! طرفہ سالش ز خامہ تحریر است

"آفتاب حقیقت" است و دگر "مجتبیٰ میر حق جہانگیر" است

۱۱۰۲ھ ۱۱۰۲ھ

۱۲۱۔ حضرت شیخ حاجی محمد قادری المشہور بہ نوشاہ گنج بخش قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کے اکابر خلیفوں سے تھے۔ آپ مادر زاد ولی اللہ، صاحبِ جذب اور صحو و سُکر اور محبت و عشق اور شوق و ذوق اور زہد و ریاضت تھے۔ ولایت کے بادشاہ اور صاحبِ خوارق و کرامات تھے۔ طریقہ نوشاہیہ قادریہ کے امام اور پیشوا تھے۔ فقر میں مقاماتِ بلند اور شانِ ارجمند رکھتے تھے۔

آپ کے والد بزرگوار حاجی علاء الدین بڑے عابد بزرگ تھے۔ سات حج کیے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی جیونی موضع گھوگانوالی میں سکونت رکھتی تھیں۔ جب آپ بی بی جیونی کے شکم میں تھے تو آپ کے والد ماجد کو بیت اللہ شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ رخصت کے وقت اپنی اہلیہ صاحبہ کو تاکید کی کہ جو فرزند تمہارے پیٹ میں ہے، یہ مقتدائے زمانہ اور فرد یگانہ ہونے والا ہے۔ جب یہ متولد ہو تو اس کی تربیت و پرورش میں پوری پوری کوشش کرنا۔ ان کے بعد حضرت شاہ سلیمانؒ اپنے مسکن (بھلوال) سے چل کر بی بی صاحبہ کے پاس تشریف لائے اور بشارتیں دیں۔ پیدا ہونے والے بچّے کی تربیت کے متعلق بہت تاکیدیں کیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو پھر حضرت شاہ سلیمانؒ تشریف لائے، حضرت نوشاہ کو گود میں لیا اور بڑی مہربانیاں کیں اور اپنے خرقہ سے ایک ٹکڑا الگ کرکے آپ کو پہنا دیا اور خود واپس چلے گئے۔

جب حضرت نوشاہ نو ماہ کی عمر کو پہنچے، ایک دن جھولے میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ صاحبہ آٹا خمیر کر رہی تھیں۔ اچانک ایک ہمسایہ عورت جو بی بی صاحبہ کی ارادت مندوں سے تھی،

آئی اور جھُولا کے پاس جاکر آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور اپنی گود میں لینا چاہا، دیکھا تو ایک سیاہ سانپ سر سے پاؤں تک حضرت نوشاہ عالیجاہ سے لپٹا ہوا ہے، وُہ ڈر کر پیچھے ہٹی اور چلائی۔ جب بی بی جیونی صاحبہ نے اس کی چیخ سُنی، بچے کے پاس جاکر دیکھا تو کوئی سانپ نہیں تھا، حیران ہوگئیں۔ اسی اثنار میں گوشہ سے آواز آئی کہ یہ عورت ناپاک حالت میں چاہتی تھی کہ ہاتھ ہمارے جسم کو لگائے اس لئے اس کام سے اس کو باز رکھا، حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب حضرت نوشہ صاحبؒ پانچ برس کے ہُوئے تو آپ کے والد بزرگوار سفرِ حج سے واپس تشریف لائے آپ کو ایک حافظ و قاری کے پاس قرآن پڑھنے کے لئے بٹھا دیا۔ آپ نے چند ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ایک سال کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی شیخ اسمٰعیل پیدا ہوئے۔

جب حضرت نوشاہ سترہ سال کی عمر کو پہنچے تو دنیا کو ترک کر کے اور اپنے اقارب کے میل ملاپ سے کنارہ کش ہو کر ساندل بار[1] میں جہاں بڑا جنگل تھا، چلے گئے۔

آپ کے والدین بڑی تلاش کے بعد وہاں پہنچے اور بڑی مشکل سے آپ کو اپنے پاس لائے اور موضع نوشہرہ میں ایک بزرگ گھرانہ میں آپ کی شادی کر دی۔ آپ نے موضع نوشہرہ میں رہائش اختیار کر لی۔ چھ سال تک ساری رات دریا کے کنارہ پر کھڑے ہو کر یادِ الٰہی میں گزارتے رہے اور سارا دن نوشہرہ کی مسجد میں تلاوتِ قرآن کریم میں مشغول رہا کرتے۔

شیخ محمد حیات صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ جن دِنوں آپ اپنے سسرال کے ہاں اقامت پذیر تھے۔ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا، ملا کریم الدین ساکن موضع جوکالی نے اپنے مرشد شاہ سلیمان قادریؒ سے جو موضع بھلوال علاقہ بھیرہ میں سکونت رکھتے ہیں اُن سے فیض عظیم پایا ہے اور اس وقت وہ مقبولِ حق ہے۔ اگر آپ بھی اُن کی وساطت سے شاہ سلیمان قادری کی خدمت میں حاضر ہوں تو نہایت ہی فائدہ مند ہوگا۔ چنانچہ ملا کریم الدین کے پاس پہنچے اور انہیں ساتھ لے کر حضرت شاہ سلیمان قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جُونہی انہیں دیکھا تو فرمایا: اے نوجوان خوش آمدید بڑی انتظار کرائی۔ آؤ ہمارا گھر تمہارا ہی گھر ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے تیری

---

[1] "ساندل بار" نہیں بلکہ "گوندل بار" ہے جو گجرات کی تحصیل پھالیہ و ضلع سرگودھا کو محیط ہے۔ ساندل بار ضلع شیخوپورہ و لائل پور ہے اور ان علاقوں میں حضرت نوشہؒ کا آنا ثابت نہیں۔

ہی امانت ہے۔ آپ اسی وقت حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر عرفان و معرفت کے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ تکمیلِ سلوک کے بعد مرشد نے خرقۂ خلافت پہنایا اور نوشاہ گنج بخش کے خطاب سے نوازا۔ مرشد کو آپ کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں اور اپنے دونوں فرزندوں تاج محمد[1] اور رحیم داد کو بھی تہذیب و تکمیل کے لئے آپ کے سپرد کر دیا۔

صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت نوشاہ قوم گلگو سے تعلق رکھتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے آپ قومِ گلگو سے نہ تھے بلکہ قوم کھکو[2] (کھوکھر) سے تھے۔ اس قوم سے مشہور ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اپنی حکومت اور سرداری کے زمانے میں اس قوم کی ایک حسین و جمیل لڑکی پر عاشق ہو گئے تھے اور اس کے عشق میں ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ اسی قوم کے طور طریقے اختیار کر لئے۔ آخر یہ عشقِ مجازی عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو گیا اور آپ زمرۂ اولیاء میں آگئے۔ اُس وقت سے لے کر اس وقت تک آپ کے بزرگوں میں پشت بہ پشت ولایت چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ کے عم بزرگوار شیخ رحیم[3] بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحب ولایت تھے۔ اور انہوں نے اپنے بھائی علاء الدین کو بشارت دی تھی کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھر ایسا فرزند پیدا ہو گا کہ اپنے عہد میں ظاہر و باطن کا بادشاہ ہو گا۔

نقل ہے ایک ساربان اپنی نابینا بیوی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس امید پر

---

[1] تاج محمد نہیں بلکہ تاج محمود ہے۔ (تذکرہ نوشاہیہ قلمی واذکار نوشاہیہ)

[2] نوشاہی خاندان کے پرانے شجروں اور خطی بیاضوں میں حضرت نوشہ گنج بخش کو علوی النسب لکھا ہے اور آپ کی تمام اولاد اسی نسب کو مستند سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس کتاب "نسب نامۂ سادات" خطی ورق ۱۰۰/ب، نمبر کتاب ۲۲۰۹ ذخیرہ شیرانی کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور اور تحفۃ الفقراء میں آپ کو حلبی گیلانی سادات سے لکھا ہے۔ نیز یہ بھی مدنظر رہے کہ کسب سے نسب نہیں بدلتا، جیسا کہ حضرت سید امیر کلال نے برتن بنانے کا کام کیا تو ان کی سیادت میں فرق نہیں آیا۔ تذکرہ نوشاہیہ میں جو کھوکھر لکھا ہے اس سے مراد وہ کھوکھر ہے جو سید عون قطب شاہ علوی بغدادی کے بیٹے سید زمان علی الملقب بہ کھوکھر کی اولاد سے ہیں۔ اس مسئلہ میں سید شرافت نوشاہی نے دو کتابیں انوار السیادت اور سیادت علویہ لکھی ہیں اور سید ابو الکمال برقؔ صاحب نے لوامع البرکات فی تحقیق السادات لکھی ہے۔ محققین ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

[3] شیخ رحیم اللہ غلط لکھا گیا ہے ان کا صحیح نام رحیم الدین ہے۔ (تذکرہ نوشاہیہ قلمی)

کہ شاید آپ کی دُعا و برکت سے یہ بینا ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ساربان کی بیوی کو اپنے سامنے بٹھا کر کہا، آنکھیں کھول اور میری طرف دیکھ۔ وہ اسی وقت بینا ہوگئی۔

حافظ معموری جو حضرت نوشاہ کے مرید و خلیفہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حاضرِ خدمت تھا میرے دل میں خیال گزرا کہ روزِ حشر تمام قومیں اپنے اپنے فرقوں میں بٹ جائیں گی اور ہر گروہ کو عَلم دیئے جائیں گے اور ہر فرقہ اپنے سردار کے عَلم کے نیچے ہوگا آیا یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔ میں جب اُس رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت برپا ہے، لوگوں کا بڑا ہجوم ہے بے شمار عَلم نظر آ رہے ہیں۔ اُن میں ایک عَلم سب سے بلند دیکھا۔ آواز آئی یہ علم غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کا ہے۔ جب میں نے نوشاہ عالیجاہ کا علم تلاش کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت نوشاہ اُس عَلم کے نیچے اپنے یاروں کے ساتھ ایک بلند تخت پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: حافظ معموری آجاؤ تمہاری جگہ بھی اسی عَلم کے نیچے ہے۔ جب صبح کو میں حاضرِ خدمت ہوا، ابھی خاموش ہی تھا کہ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا، حافظ معموری مسئلہ یوم الحشر اور علموں (جھنڈوں) کا نصب ہونا جس طرح تم نے دیکھا اُسی طرح ظہور میں آئے گا۔

صاحبِ تذکرۂ نوشاہی بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص جیون نامی حجام آپ کے مریدوں سے تھا۔ موضع باہو کے میں رہتا تھا۔ ایک روز اس نے عرض کیا، اگر حضرت میری کھیتی پر تشریف لائیں تو میرے لئے باعثِ عزت و برکت ہوگا۔ آپ نے اس کی التجا منظور فرمائی اور اسی وقت چل پڑے چونکہ موضع باہو کے موضع نوشہرہ سے قریباً دو کوس کے فاصلے پر تھا اور نمازِ عصر کا وقت تھا۔ خدام نے چاہا کہ پہلے نماز ادا کریں پھر چلیں گے یارانِ طریقت یہ سُن کر خاموش ہو گئے مگر سب کے دل میں یہ خدشہ تھا کہ وہاں پہنچنے تک نماز قضا ہو جائے گی مگر جب آپ وہاں پہنچے تو سُورج ابھی تک اُسی جگہ قائم تھا۔ دیر تک وہاں آرام کیا اور نماز ادا کرنے کا خیال تک نہ تھا، سورج بھی اس سے آگے نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد جیون حجام کی زمین پر جا کر نماز پڑھی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حاضرینِ مجلس سے فرمایا، دوستو! خداوند تعالیٰ کے بندے اب بھی ایسے موجود ہیں کہ اگر وہ چاند سورج کو یہ حکم دیں کہ وہ ٹھہر جائیں تو وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے۔

شیخ تاج الدین حافظ معموری کے فرزند اور آپ کے نواسے تھے ان کی زبانی صاحبِ

تذکرۂ نوشاہی رقمطراز ہیں۔ ایک رات حضرت نوشاہ بستر پر لیٹے ہوئے فرما رہے تھے کہ یکایک ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے، نہ مارو، نہ مارو۔ آپ کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو منع فرما رہے ہیں۔ صبح یارانِ طریقت نے حاضر ہو کر اس راز کو دریافت کرنا چاہا فرمایا: ابھی معلوم ہو جائے گا کہ فوراً اسی وقت شمشیر نامی شخص جو موضع پانڈووال کا چودھری تھا حاضرِ خدمت ہُوا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: کیوں چودھری رات خیریت سے گزری عرض کیا: حضور کی توجہ سے جان بچ گئی۔ آج رات میں سو رہا تھا کہ دشمنوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا۔ تجویز یہ سوچی کہ پہلے چالیس پچاس آدمی موضع پانڈووال پر حملہ کریں۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے پیچھے اُٹھا کر باہر نکال لائیں۔ کچھ آدمی گھات میں چھپ کر بیٹھ جائیں جب میں اُن کے قریب پہنچوں تو وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر دیں۔ پس جب انہوں نے گاؤں پر حملہ کیا میں اور میرے ساتھی مقابلے کے لئے نکلے۔ رات بڑی تاریک تھی، ہم اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ کس طرف ہو؟ دشمن جو کمین گاہ میں چھپے بیٹھے تھے انھوں نے آواز دی: اِدھر آجاؤ۔ میں ان کی طرف چل پڑا۔ قریب پہنچا تو معلوم ہُوا یہ میرے رفیق نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ وہ نیزوں اور تلواروں سے مجھ پر پل پڑے۔ اس وقت حضرت نوشہؒ کا نام بے اختیار میری زبان پر آگیا۔ آپ سے استمداد چاہی۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف فرما ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا اور دشمن بھاگ چکے تھے۔

نقل ہے، ایک روز موضع ساہن پال کے زمیندار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کم زراعتی اور اہلِ دیہہ کی خستہ حالی بیان کی اور عرض کیا: ان حالات میں بھی دو ہزار[۲۰۰۰] روپیہ معاملہ کا سرکاری خزانہ میں جمع کرانا ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے گاؤں کا معاملہ کتنا ادا کر سکتے ہو؟ عرض کیا: اگر نو سو روپے مقرر ہو جائیں تو بہ سہولت ادا ہو سکے گا۔ فرمایا: اِن شاء اللہ نو سو روپے ہی مقرر ہو جائیں گے۔ چند روز کے بعد صوبہ دار لاہور نے گاؤں کے چودھری کو بُلایا اور نو سو[۹۰۰] روپیہ گاؤں کا سالانہ معاملہ مقرر کر دیا مگر چودھری نے اپنے ذاتی طمع کی وجہ سے گاؤں والوں پر ایک ہزار[۱۰۰۰] روپیہ ظاہر کیا۔ جب یہ خبر آپ کے کانوں تک پہنچی تو چودھری کو بُلا کر فرمایا کہ موضع ساہن پال کا معاملہ تو نو سو[۹۰۰] روپیہ لوحِ محفوظ پر لکھا گیا ہے تو ایک ہزار روپیہ کیوں ظاہر کرتا ہے۔ چودھری سخت

شرمندہ ہو کر معذرت خواہ ہوا۔

تذکرہ نوشاہی میں لکھا ہے، حضرت نوشہ عالیجاہ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر مسجد میں مسافر و مساکین جمع ہو جاتے تو ان کے لئے پہلے تو اپنے گھر سے طعام مہیا کرتے پھر تمام گاؤں والوں کے پاس جا کر اکٹھا کرتے۔ ایک روز مسمی مستی نام رانجھہ کے گھر گئے اور طعام طلب کیا۔ وہ خود گھر میں موجود نہیں تھا اُس کی بیوی بڑی کنجوس تھی۔ آٹے والا برتن ران کے نیچے چھپا کر کہا: آج گھر میں آٹا نہیں ہے۔ آپ خاموش واپس آ گئے مگر آٹے والا برتن اسی وقت اس کی ران کے ساتھ چمٹ گیا۔ بڑی کوشش کرنے کے باوجود جُدا نہ ہوا۔ اس عورت کا خاوند یہ حال دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑی عاجزی و انکساری سے معذرت چاہی اور خلاصی کے لئے استدعا کی۔ فرمایا: خلاصی پا لے گی۔ چنانچہ آٹا اسی وقت اس عورت کی ران سے جُدا ہو گیا۔ صاحب تذکرہ نوشاہی کے قول کے مطابق حضرت نوشاہ عالیجاہؒ نے ۱۱۰۲ھ میں بہ عہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔

حضرتِ نوشہ شاہِ باکمال !! — زیرِ فرماں یافت چوں ملکِ جناں
رحلتش گو "ہادیٔ حق گنج بخش" — نیز "مہدی گنج بخشِ دو جہاں"
باز سالِ ارتحالِ آں جناب — "قطب زاہد گنج بخش" آمد عیاں
"پیرِ فیاض" و "محمد اعظم" ست — نیز سالِ ارتحالش بے گماں

ایضاً

ز دنیا شد چو در خلدِ معلّٰے — جنابِ شاہِ نوشاہِ دل آگاہ
بتاریخ وصالِ آں شہِ دیں — خرد گفتا زہے نوشاہ ذیجاہ[1]

[1] حضرت نوشہ گنج بخش قادری رحمہ اللہ اور دیگر نوشاہی بزرگوں کی تواریخ وفات مفتی غلام سرور مرحوم نے غلط لکھی ہیں۔ حضرت نوشہ قدس سرہٗ کی خانقاہ کے موجود الوقت سجادہ نشین سید شریف احمد شرافت نوشاہی جو جید عالم، بلند پایہ مصنف اور محقق بزرگ ہیں، نے اپنی جملہ تصانیف میں خاندانی قلمی کتب کے حوالوں سے حضرت نوشہؒ کا سالِ وصال یہ لکھا ہے:

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۲۱۔ سید جعفر بن حاجی محمد ہاشم بن صوفی علی گیلانی قادری

اپنے عہد میں جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت تھے۔ ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۰۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رجب ۱۱۰۷ھ میں وفات پائی۔ مزار تکیہ اہلی والا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۲)

"حضرت نوشاہِ عالی جاہ کی وفات بروز سہ شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۶۵۴ء بعہدِ شاہ جہان بادشاہ ہوئی۔ آپ کا روضۂ اطہر بمقام ساہن پال شریف (ضلع گجرات) گاؤں سے نصف میل شمال کی طرف مرجع خلائق ہے۔ مادۂ تاریخ "فیض قدسی" ہے۔ (اذکار نوشاہیہ مولفہ شرافت نوشاہی ص ۳۳)

شرافت صاحب نے محققانہ انداز میں اس امر کی بھی تحقیق کی ہے کہ مفتی صاحب سے یہ غلطی کیوں ہوئی۔ لکھتے ہیں:

"مفتی غلام سرور لاہوری (متوفی ۱۳۰۷ھ) نے کتاب خزینۃ الاصفیا جلد اول میں جو ۱۲۸۰ھ میں تصنیف کی ہے، تحریر کیا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخش کی وفات ۱۱۰۳ھ میں ہوئی اور اس پر حوالہ "تذکرہ نوشاہیہ" کا دیا ہے حالانکہ اس میں بتصریح ۱۰۶۴ھ لکھا ہے، جیسا کہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) مفتی صاحب کو حوالہ سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے، جس کے وجوہات یہ ہیں:

حضرت مرزا احمد بیگ لاہوری نے "مقامات حاجی بادشاہ" الموسوم بہ رسالہ "الاعجاز" حضرت نوشہ صاحب کے حالات و کرامات میں لکھا، جو بعد میں بنام "رسالہ احمد بیگ" مشہور ہو گیا۔ یہ رسالہ حضرت نوشاہ عالم کی وفات سے تینتالیس (۴۳) سال بعد کی تصنیف ہے اور خاندانِ نوشاہی کے تذکروں میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت سید حافظ محمد حیات ربانی کو ۱۱۴۶ھ میں رسالہ احمد بیگ کا ایک نامکمل نسخہ ملا، جس کے متعلق لکھتے ہیں: "اکثر عباراتش از بسیاری کہنگی ریختہ بود۔" یعنی بہت پرانا ہونے کی وجہ سے اس کی اکثر عبارتیں مٹ چکی تھیں، انہوں نے اس کی اصل عبارتوں کو بدستور رہنے دیا اور اپنی طرف سے مزید حالات اضافہ کر کے "تذکرۂ نوشاہیہ" مرتب کیا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

لاہور میں ہے ؎

حضرت جعفر شہِ دنیا و دیں — سیّد اکبر مقدس متقی
مولدش "افضل مکمل" شد عیاں — رحلتش "جعفر مقدس متقی"
۱۰۸۱ھ — ۱۱۵۰ھ

(بقیہ حاشیہ ۲۷۳)

اب ثابت ہوتا ہے کہ مفتی غلام سرور لاہوری کو "تذکرہ نوشاہیہ" (قلمی) کی عبارتوں میں اشتباہ و التباس واقع ہو گیا ہے۔ وہ یہ تحقیق نہیں کر سکے کہ اس میں "رسالہ احمد بیگ" کی کون سی عبارت ہے اور تذکرہ کی کون سی۔ چنانچہ ایک جگہ مرزا احمد بیگ لکھتے ہیں: "ہنگامِ نوشتنِ رسالہ کہ بعد از وصال حضرت شاہ چہل و سہ سال گزشتہ بود۔" (یعنی رسالہ تصنیف کرنے کے دوران میں جب کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات کو تینتالیس سال گزر چکے تھے) مفتی صاحب نے اس عبارت کو سید حافظ محمد حیات صاحب کی عبارت سمجھا اور چونکہ "تذکرہ نوشاہیہ" کے دیباچہ میں اس کا سالِ تصنیف ۱۱۴۶ھ تحریر تھا۔ اس سے تینتالیس سال تفریق کر کے ۱۱۰۳ھ کو حضرتِ نوشاہِ عالی جاہ کا سنِ وفات قرار دے دیا۔ حالانکہ وُہ عبارت مرزا احمد بیگ کی تھی، جس سے ثابت ہوتا تھا کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات یعنی ۱۰۶۴ھ سے تینتالیس سال بعد یہ رسالہ تصنیف ہُوا، جس سے ۱۱۰۷ھ متعین ہوتا تھا۔

مرزا احمد بیگ صاحبِ رسالہ اور سید حافظ محمد حیات صاحبِ تذکرہ کا طریقہ ہے کہ وہ حضرت نوشہ صاحب کا نام نامی اپنی اکثر عبارتوں میں بوجہ ادب کے "حضرت شاہ صاحب" یا "حضرت شاہ جیو" لکھا کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کو یہ عبارت نظر پڑی کہ حضرت شاہ جیو کی وفات ۱۰۶۴ھ میں ہُوئی تو انہوں نے شاہ جیو سے حضرت شاہ سلیمان نوری کو مراد لیا، جو حضرت نوشہ صاحب کے پیرِ طریقت تھے اور ۱۰۶۴ھ اُن کا سالِ وفات درج کر دیا۔ غالباً اُس کے بعد کسی مادہ تاریخ کے اعداد شمار کرنے میں غلطی لگ گئی تو اُن کی وفات ۱۰۶۵ھ لکھ دی۔ حالانکہ "تذکرۂ نوشاہیہ" میں ان کی تاریخ درج ہی نہیں۔ خاندان کے دُوسرے تذکروں "روضۃ الزکیہ" وغیرہ میں اُن کی تاریخ وفات ۱۰۱۳ھ لکھی ہے، جو اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے ؎

شاہ سلیمان رفت در دار البقا
"غیب" تاریخش سنِ ہجری بجا
۱۰۱۳ھ

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۳ا۔ سید عبدالحکیم گیلانی قدس سرہٗ

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد سے ہیں۔ آپ کے آباؤاجداد میں سے سید یعقوب بعہدِ ابوالفتح مبارک شاہ[1] ایران سے ہندوستان آئے اور ملتان میں سکونت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۴)

مفتی صاحب اگر غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ "تذکرہ نوشاہیہ" کے مصنف حضرت نوشہ صاحب کو "حضرت شاہ جیو" لکھا کرتے ہیں اور اُن کے پیشوا حضرت شاہ سلیمان کو "حضرت شاہِ شاہاں"......

"تذکرہ نوشاہیہ" میں صرف حضرت نوشہ گنج بخش اور آپ کے دونوں بزرگان (شاہ عصمت اللہ و حافظ جمال اللہ) کی تاریخیں ہی درج ہیں۔ ان تینوں کے سوا کسی بزرگ کی تاریخ اس میں تحریر نہیں۔ مفتی صاحب نے حضرت نوشہ صاحب کے فرزندوں اور خلیفوں کے حالات تو "تذکرہ نوشاہیہ" میں سے نقل کئے اور تاریخیں محض اپنے قیاس اور تخمین سے درج کر دیں اور ان کو مستند بنانے کے واسطے "تذکرہ نوشاہیہ" کا حوالہ دے دیا، حالانکہ تذکرہ میں ان تاریخوں کا نام تک نہیں۔ کما لا یخفی علیٰ ارباب العلم والتحقیق۔ مقولہ ہے زلۃ العالِم زلۃ العالَم۔ یعنی عالم کی لغزش سارے جہان کی لغزش کا موجب ہوتی ہے۔ یہی امر یہاں واقع ہوا۔ مفتی صاحب کے بعد جس مورخ نے کوئی کتاب لکھی، چونکہ نوشاہی خاندان کے مستند و معتبر تذکرے بوجہ قلمی اور نایاب ہونے کے اُس کی نظر سے نہ گزرے اس نے خزینۃ الاصفیا کو ہی اپنا ماخذ اور چراغِ راہ بنایا اور اسی کی مندرجہ تاریخوں کو اپنی کتاب میں بلاتحقیق درج کر دیا اور انہیں کے اعتماد پر "تذکرہ نوشاہیہ" کا حوالہ بھی بغیر ملاحظہ کئے دے دیا۔"

(اذکار نوشاہیہ از صفحہ ۲۳ تا ۲۹)

حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ اور اُن کے سلسلہ عالیہ کے جملہ بزرگوں، خلیفوں اور اولاد و احفاد نیز آج تک کے نوشاہی فقرا کے حالات کے لئے "شریف التواریخ" (ستہ جلد) مرتبہ جناب شرافت صاحب، جو تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل اور ہنوز غیر مطبوعہ ہے، بحرِ زخار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب شرافت صاحب نے سلسلہ نوشاہیہ کی جو گرانقدر علمی خدمات سرانجام دی ہیں، ان کی تفصیل کے لئے کتاب "احوال و آثار سید شرافت نوشاہی" مرتبہ محمد اقبال مجددی دیکھنی چاہئے۔

[1] خاندان سادات خضر خانیہ سے تھا۔ خضر خاں بن سلیمان کی وفات کے بعد بادشاہ ہوا۔ تیرہ سال ایک ماہ بادشاہی کی قصبہ مبارک پور آباد کیا۔ ۸۳۷ھ میں وفات پائی۔

اختیار کر کے درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ ان کی اولاد میں سید نجم الدین نے اپنے علمی فضل و کمال کے باعث بڑی شہرت پائی۔ ۹۳۲ھ میں دہلی آئے۔ بابر کے دربار میں عزت و منزلت پائی۔ ان کے پڑوتے سید نظام الدین دہلی سے نقلِ مکانی کر کے لاہور آ گئے، ان کے فرزند ملّا بایزید اپنی فضیلتِ علمی کی وجہ سے مشہورِ زمانہ تھے۔ لاہور میں آپ کی ذات اہلِ علم کی توجہ کا مرکز تھی۔ اچھے اچھے فاضل آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور صاحبِ درس بن کر نکلے۔ آپ کے تین فرزند سید عبداللہ، سید اللہ داد اور سید عبدالحکیم تھے۔ سید عبدالحکیم بڑے پایہ کے عالم والد ماجد کے صحیح جانشین، جامع علوم و فنون اور صاحبِ شریعت و طریقت تھے۔ حضرت عبداللہ قادری سے بیعت حاصل تھی۔ بڑے متحمل مزاج، مستغنی الطبع اور قناعت پسند بزرگ تھے۔ اخلاقِ حسنہ کے پیکر تھے۔ آپ کی ذات علومِ ظاہری و باطنی کا کرشمہ تھی۔ شاہجہان نے دو تین مرتبہ دربار میں آپ کو بلایا۔ آپ ہر بار ٹال گئے، نہیں گئے۔ تمام عمر شاگردوں اور مریدوں کی تہذیب و تکمیل میں گزار دی۔ جو کوئی بھی آپ سے ملتا آپ کے علم و خلق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ پردہ پوشی آپ کا وصفِ خاص تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ موضع سوریاں میں اپنے ایک مرید کے یہاں تشریف لے گئے۔ اس نے غلطی سے چاولوں پر شکر کی بجائے نمک ڈال دیا اور وہ طعام آپ کے سامنے لا کر حاضر کیا اور کھانے کی التجا کی۔ آپ نے جتنا چاہا، کھایا۔ باقی بطور تبرک دوسروں نے چکھا۔ اس وقت غلطی کا پتہ چلا معذرت خواہ ہوا۔ فرمایا: میں نے تو شکر کھائی ہے نمک کی تو مجھے خبر نہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں بعہدِ جہانگیر پیدا ہوئے اور ۱۱۰۸ھ میں بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ اولاد موضع اچھرہ میں سکونت رکھتی ہے۔

قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

شہِ عبدالحکیم آں معدنِ فیض	کہ بود او مطلعِ نورِ سعادت
ز "شمس المتقین" تولیدِ او گیر ۱۰۳۱ھ	وصالش گو "شہنشاہِ ولایت" ۱۱۰۸ھ

۲۴۴۔ سید محمد فاضل متوکل لاہوری قدس سرہٗ

عالم و فاضل، متوکل و متورع تھے۔ ریاضت و عبادت اور تجرید و تفرید میں شہرۂ آفاق تھے۔

تمام زندگی دائم الصوم اور قائم اللیل رہے۔ ان کے والد ماجد جب حج کے لیے جانے لگے تو انہیں نصیحت کی، اے فرزند گھر سے باہر نہ نکلنا۔ اپنے گھر ہی میں مصروفِ عبادت رہنا۔ چنانچہ اس نصیحت پر تمام عمر عمل کیا۔ ایسے خانہ نشین ہوئے کہ مر کر ہی گھر سے نکلے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اکثر حاضرِ خدمت ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتا تھا۔ ایک دفعہ نقد و جنس و جاگیر پیش کی مگر آپ نے ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کیا۔

۱۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل مدفون ہوئے۔ عالمگیر نے مقبرہ و مسجد بنوائی تھی جسے مزنگ کے زمینداروں نے خشت فروشی کے لالچ میں انگریزوں کی عملداری کی ابتدا میں مسمار کر کے اینٹیں بیچ دیں۔ اس سے قبل سکھوں نے روضہ کے قیمتی پتھر اکھاڑ کر اسے خستہ کر دیا ہوا تھا۔

چوں شہ فاضل ولیِ اہلِ فضل — شد از دنیائے دوں اندر جناں

قبلۂ دیں فاضل آمد رحلتش ۱۱۱۲ھ — نیز "زیبِ اصفیا فاضل" بخواں ۱۱۱۲ھ

۱۲۵۔ خواجہ محمد فضیل قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر مریدوں اور خلیفوں میں سے تھے۔ اصلی وطن کابل تھا۔ طلبِ خدا میں ہندوستان آکر حضرت نوشاہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔ ابتدا میں کچھ عرصہ عالمگیری[1] حکومت کے ملازم بھی رہے۔ پھر کلی طور پر ترکِ علائق اختیار کر لی۔ صاحبِ جذب و سکر اور عشق و محبت تھے۔ طبیعت میں بڑا سوز و گداز تھا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی فرماتے ہیں کہ خواجہ فضیل صاحب کابل میں "وصی" کے لقب سے ملقب تھے۔ جس فاسق و فاجر پر حالتِ جذب و سکر میں نظر پڑ جاتی، عارفِ کامل ہو جاتا۔ کسی مردہ پر پڑتی تو زندہ ہو جاتا۔ نگاہِ غضب سے کسی طرف دیکھتے تو اس کی جان تن سے نکل جاتی، غرض آپ کے احوال و مقامات عجیب و غریب تھے۔

[1] یہ عالمگیر کا زمانہ نہ تھا، شاہجہان کا عہد حکومت تھا۔

نقل ہے ایک مرتبہ چند کابلی دہقانوں نے بہ نظرِ امتحان ایک زندہ شخص کو چارپائی پر ڈال کر یہ ظاہر کیا وُہ مُردہ ہے اس کا جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت خواجہ محمد فضیل بھی شریکِ جنازہ ہو گئے کہ نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ جب قبرستان پہنچے تو لوگوں نے آپ کو نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کہا اُن کی سازش یہ تھی کہ جب خواجہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں اور تکبیر کہیں تو وہ شخص اٹھ کھڑا ہو۔ اس طرح خواجہ کی کرامت کا حال کھُل جائے گا۔ آپ نے ان لوگوں کے اصرار پر نمازِ جنازہ پڑھانی قبول کرلی اور نمازِ جنازہ کی نیت باندھ کر نماز پڑھائی۔ لیکن وہ شخص نہ اُٹھا، سب حیران ہُوئے۔ چارپائی کے پاس جاکر دیکھا تو معلوم ہوا اس کی روح جسمِ عنصری سے پرواز کرچکی ہے۔ گریہ وزاری کے ساتھ معذرت خواہ ہوئے۔ خواجہ نے فرمایا: اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ میں نے مُردے ہی کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔ اب تیر کمان سے نکل چُکا ہے۔

نقل ہے کابل کے ایک شاہی باغ میں پہاڑ کی ایک چٹان آگری، وُہ اس قدر وزنی تھی کہ اٹھائے نہیں اٹھتی تھی۔ باغبان لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چٹان ہٹانے میں مدد مانگی۔ آپ باغ میں تشریف لائے اور چٹان کے قریب کھڑے ہوکر نعرۂ الا اللہ لگایا جس سے چٹان اسی وقت پھٹ گئی اور اس کے ٹکڑے دُور دُور جا پڑے۔ زمین خالی ہوگئی۔ حاکمِ کابل نے جب آپ کا یہ تصرف دیکھا تو وُہ باغ ہی آپ کی نذر کردیا۔ آپ پر سُکر و استغراق کا غلبہ زیادہ رہتا تھا اس وجہ سے بحکم لا تقربوا الصلوٰۃ ظاہر اطوار پر آپ سے فرائضِ نماز ترک ہو جاتے تھے۔ علماءِ کابل نے آپ کے خلاف فتویٰ لکھا اور بُلا کر کہا کہ آپ ترکِ نماز کے مرتکب ہوتے ہیں اس لئے ہم آپ پر شرعی حد جاری کریں گے۔ آپ نے فرمایا: بے وضو نماز جائز نہیں ہے اور میں معذور ہوں پانی میرے جسم پر رواں نہیں ہوتا اور وضو میں پانی جب تک اعضا پر رواں نہ ہو، وضو کامل نہیں ہوتا۔ علماء نے پانی منگوایا اور آپ سے وضو کرنے کے لئے کہا۔ آپ ہاتھوں پر جتنا پانی ڈالتے وُہ خشک ہوتا چلا جاتا گویا آگ پر پڑ رہا ہے۔ علماء نے جب یہ کیفیت مشاہدہ کی تو خاموش ہو کر چلے گئے۔ خواجہ فضیل کی وفات اقوالِ صحیح کے مطابق ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۲ھ میں ہے اور مزار گوہر بار کابل میں ہے۔

خواجہ دیں فضیلِ واصلِ حق! شد ز دنیا چو در بہشت بریں!!

رحلتش ہست "عارفِ سرمست" نیز فرما "فضیل واصل دیں"[1]!
باز فرما مکرمِ اخیار! سالِ ترحیلش آں شہِ حق بیں

۱۲۶۔ شیخ رحیم داد قادری قدس سرہٗ

شاہ سلیمان قادری کے فرزند اکبر اور سجادہ نشین تھے۔ حضرت نوشاہ گنج بخش سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا اور تربیت و تکمیل پائی۔ متوکل صاحب علم و فضل اور جامع اوصافِ کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ استغراق بحدِ کمال تھا۔ بڑے سادہ مزاج اور سادہ لباس تھے۔ صرف ایک تہبند، ایک چادر اور سفید پگڑی زیبِ تن ہوتی تھی، جن کی قیمت دو روپے سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اپنی محنت و کاشت سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ اپنے پوتے محمد شفیع کو خربوزوں کے کھیت کی نگہبانی کے لئے حکم دیا۔ ایک روز یہ کھیت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سپاہی نے آکر خربوزہ لینا چاہا۔ انہوں نے منع کیا سپاہی نے صاحبزادہ کے منہ پر تھپڑ مارا اور خربوزہ لے کر چلتا بنا۔ صاحبزادہ نے آکر دادا سے شکایت کی۔ فرمایا: صبر کرو، وہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ چنانچہ اسی رات اس سپاہی پر حالتِ دیوانگی طاری ہوگئی۔ دیوانوں کی طرح ہر شخص کے پاس جاتا اور کہتا: میرے سر پر جُوتے لگاؤ۔ ساری رات اسی طرح گزری، صبح اس کے وارث اسے ساتھ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ بڑی عاجزی و انکساری سے معافی چاہی۔ آپ نے درگزر فرماکر اسے معاف کر دیا۔ وہ اسی وقت اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ شیخ رحیم داد نے ۱۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بھلوال میں حضرت شاہ سلیمان کے مزار کے متصل ہے۔

شد زدنیا چو در بہشتِ بریں متقی اعظم و عظیم درحیم

---

[1] خواجہ فضیل کا صحیح سنِ وفات ۱۰۰۹ھ ہے اور مزار بینی حصار کابل میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص ۲۹۳)

سال تاریخ رحلتِ آں شاہ ! گفت دل "اشرف و کریم و رحیم"[1]

۱۱۰ ھ

۱۲۷۔ سیّد عمر گیلانی قدس سرہٗ

سیّد محمد ہاشم گیلانی کے فرزندِ ارجمند اور مرید و خلیفۂ اعظم تھے۔ اپنے عہد کے شیخ الوقت، جیّد عالم اور مجتہد العصر تھے۔ سلوکِ نسبتِ قادریہ اور عقائدِ اہلسنّت دو بلند پایہ رسائل آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں پیدا ہُوئے اور ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مرقد لاہور تکیہ املی والا میں واقع ہے۔

عمر چوں زدنیا شد اندر بہشت بتاریخ ترحیل آں با وقار
عمرِ واصلِ شرعِ حق شد رقم عمر جاں نثار آمد اندر شمار

۱۱۱۵ھ

۱۲۸۔ سیّد حسن پشاوری گیلانی قادری قدس سرہٗ

اپنے والد بزرگوار سیّد عبد اللہ گیلانی کے فرزند اور مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے جد امجد سیّد محمود بغداد سے نقلِ مکانی کر کے ہندوستان آکر ٹھٹھہ (سندھ) میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد سیّد حسن پشاور آکر مقیم ہو گئے۔ آپ صاحبِ فضل و کمال بزرگ تھے۔ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی زوجہ سیّد علی ہمدانی کی اولادِ امجاد سے تھیں جو اپنی بزرگی و عظمت میں رابعہ ثانی تھیں۔ آپ نے بڑی سیر و سیاحت کی تھی اور اکابر مشائخ سے فیوض و برکات حاصل کئے تھے۔ آبائی نسبت حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتی ہے۔ آپ کے فرزند سیّد محمد غوث لاہوری بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بقول صاحبِ رسالۂ غوثیہ ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار

---

[1] شیخ رحیم داد کا صحیح سالِ وفات ۱۰۹۶ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اوّل موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص ۱۹۲)

پشاور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں جناب سیدِ والا حسن!　　چوں حسن احسن یافت در خلدِ بریں
نیز فرما "فاضل مولیٰ حسن!"　　رحلتش "شیخ مطلوب" گو
۱۱۱۵ھ　　۱۱۱۵ھ [1]

۱۲۹۔ حضرت شاہ رضا قادری شطاری لاہوری

اپنے عہد کے صوفیٔ کمال، جید عالم اور صاحبِ فتویٰ بزرگ تھے۔ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ دُور دُور سے طالبانِ علم و ہدایت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے۔ زہد و عبادات اور دعوتِ اسمائے الٰہی میں بے نظیر تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ مولانا شیخ محمد فاضل لاہوری [2] کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلسلۂ بیعت حضرت شیخ وجیہہ الدین گجراتی [3] تک

---

[1] حضرت سید حسن بن سید عبداللہ گیلانی بن سید محمود (رحمہم اللہ) کے حالات کے سلسلے میں خزینۃ الاصفیا کی چند غلطیوں کی نشان دہی ضروری ہے۔ آپ کے جدِ امجد سید محمود بغداد شریف سے نقلِ مکانی کر کے ٹھٹھہ نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے والد ماجد سید عبداللہ بغداد شریف سے ٹھٹھہ میں آ کر مقیم ہو گئے اور یہیں تقریباً ۱۰۶۰ھ میں واصل الی اللہ ہو کر محوِ خوابِ ابدی ہوئے۔ جناب سید عبداللہ نے ٹھٹھہ ہی میں شادی کی تھی اور دو فرزند سید حسن و سید محمد فاضل تولد ہوئے۔

سید عبداللہ مدفونِ ٹھٹھہ سید حسن مدفون پشاور اور شاہ محمد غوث مدفونِ لاہور کے صحیح اور مستند حالات کے لئے حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاوری (جو حضرت حسن کی اولاد میں ہیں) کی تصانیفِ ذیل ملاحظہ ہوں: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد جلد اول، تذکرہ سید شاہ عبداللہ ٹھٹھوی اور تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ۔

[2] عہدِ عالمگیری میں لاہور کے جید علماء و فضلاء و فقہاء سے تھے۔ درس و تدریس کا بڑا وسیع سلسلہ تھا۔ تمام عمر اسی شغل میں گزاری۔ جامعِ شریعت و طریقت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے۔

[3] مشائخ متاخرین میں علومِ ظاہری و باطنی میں ممتاز الوقت تھے۔ فیوض و کرامات میں درجۂ بلند پر فائز تھے۔ اکثر درسی کتب پر حواشی لکھے ہیں۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ ۹۹۹ھ میں وفات پائی۔ مرقد احمد آباد میں ہے۔

منتہی ہوتا ہے جو شیخ محمد غوث گوالیاری کے مرید تھے۔ ۱۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

چوں شاہ رضا والیِ والا | بانعمتِ خلد گشت راضی
تاریخِ وصالِ آں معلّی | دل گفت کہ آفتابِ خلد است

۱۱۱۰ھ

۱۳۰۔ سیّد محمد صالح قادری نوشاہی قدس سرہٗ

آپ ساداتِ عظام اور شرفاء کرام میں سے تھے اور حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے یارانِ کبار اور محبانِ غمخوار اور خلفائے باوقار اور خدامِ نامدار میں سے تھے۔ مرشد کی اِن پر بڑی نظرِ عنایت رہا کرتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ صرف دو شخص طلبِ خدا کے لئے میرے پاس سچی نیت سے آئے ہیں۔ ایک محمد صالح اور دوسرے محمد صادق چھینہ ان دونوں دوستوں نے ہم سے کافی فیض حاصل کیا ہے۔ محمد صالح نے بقول صاحبِ "تذکرہ نوشاہی" ۱۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع چک سادہ میں ہے جو گجرات سے دو کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

۱؎ ہندوستان کے اولیائے متاخرین میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ جامع علوم وفنون تھے۔ حضرت شیخ حاجی حمید جو حضرت شاہ قاون کے مرید وخلیفہ تھے اُن سے ظاہری وباطنی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ نیز حضرت غوث الاعظمؒ کے بھی اویسی مرید تھے۔ خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی۔ صاحبِ تصانیف تھے۔ کتاب جواہر خمسہ، بحرالحیات آپ کی مشہور تصنیف کردہ کتب ہیں۔ ۹۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار گوالیار میں ہے ان کے حالات پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی تالیف "شاہ محمد غوث گوالیاری" مطبوعہ میرپور خاص ۱۹۶۴ء لائق مطالعہ ہے۔

شطار اصطلاحِ صوفیا میں شغلِ باطنی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سالک رتبۂ فنافی اللہ اور بقا باللہ حاصل کرتا ہے۔ حضرت شیخ عبداللہ شطاری اس سلسلہ کے امام طریقت ہیں۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد سے تھے اور حضرت شیخ محمد صیفوری کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ ۸۳۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎ تذکرہ نوشاہی میں سید محمد صالح کا سالِ وفات درج نہیں، مفتی صاحب کو حوالہ دینے میں سہو ہوا ہے۔
(باقی اگلے صفحہ پر)

شد ازیں دنیا چو در خلدِ بریں | شیخ صالح مقتدائے دوجہاں!
طرفہ سالِ انتقالِ آں جناب | گشت "شیخ الاولیا صالح" عیاں!
۱۱۱۸ھ

۱۲۱۔ شیخ صدر الدین قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے عالی شان مریدوں اور بلند مرتبہ والے خلیفوں سے تھے۔ سلوک و معرفت میں حالاتِ عجیب اور مقاماتِ بلند رکھتے تھے۔ مرشد صاحب اکثر آپ کے حق میں فرمایا کرتے کہ اگر قیامت کے روز میرے اور صدر الدین کے درمیان دوزخ حائل ہو جائے یقینِ کلی ہے کہ صدر الدین دوزخ میں قدم رکھ کر اس راہ سے میرے پاس آئے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر الدین اوائل عمر میں دنیا کے لہو و لعب میں بے حد مشغول تھے۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام مکروہاتِ دنیا سے تائب ہو گئے اور ترکِ علائق اختیار کر کے تکمیلِ سلوک کی اور کمالِ فقر کو پہنچے اور مقبولانِ الٰہی کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں! | شیخ صدر الدین ولیِ متقی
رحلتش "عگیں" بگو "خورشید" خواں | ہم "فرید العصر صدر الدین ولی"[1]
۱۱۲۰ھ ۱۱۲۰ھ | ۱۱۲۰ھ

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۲)
ہمارے زمانے کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ بانیِ نوری کتب خانہ لاہور و بانیِ نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور (متوفی ۱۴۰۰ھ) حضرت سید صالح محمد صاحب کی اولادِ امجاد میں سے تھے اور سجادہ نشین۔ انہوں نے حضرت سید صالح محمد کے حالات پر ایک کتاب بنام "انوار الصالحین" لکھی ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔ درگاہ حضرت سید صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس وقت حضرت سید محمد حسین شاہ خلفِ اکبر حضرت سید معصوم شاہ سجادہ نشین ہیں۔

[1] حضرت صدر الدین کا صحیح سنِ وفات ۱۱۰۸ھ ہے۔ ان کا مزار رکھ چیٹھہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی مولفہ سید شرافت نوشاہی ص۲۶۳)

۱۲۲۔ حضرت شاہ درگاہی قادری لاہوری قدس سرہٗ

حضرت عبدالرزاق قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہی کے ساتھ لاہور آئے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق بڑے عالم و فاضل، عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق سے سلسلۂ قادریہ میں تکمیل کی۔ پھر حضرت شاہ عبداللطیف چشتی صابری کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ چشتیہ کی تکمیل کی اور خرقۂ خلافت پایا۔ نقل ہے آپ کی خانقاہ کے پاس ایک دہقان کا کنواں تھا۔ اس نے ایک دن عرض کیا کہ میرے بیٹے کو پانی دانہ پھنسیوں کی بیماری ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ شفا بخشے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے کنویں کے پانی سے نہلا دے۔ ان شاء اللہ شفا ہوگی بلکہ میں نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ جس کے بچے کو یہ بیماری ہو اس کنویں کے پانی سے نہلائے اسے صحت ہو جائے گی۔ چنانچہ دہقان کے بچے کو شفا ہوگئی اور یہ فیض اب تک جاری ہے۔ ۱۱۲۲ھ میں شاہ عالم بہادر شاہ بن شاہ عالمگیر کے عہد میں فوت ہوئے۔ مزار شیخ سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل ہال روڈ پر واقع ہے۔

گشت روشن چو رفت از دنیا　　　در جہاں ہمچو ماہ درگاہی!
شیخ پیر است ارتحالش نیز　　　قطب سردار شاہ درگاہی!
۱۱۲۲ھ　　　۱۱ ھ ۲۲

۱۲۳۔ شیخ تاج محمود قادری قدس سرہٗ

حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کے چھوٹے لڑکے تھے۔ وضع قلندرانہ و طبع رندانہ رکھتے تھے۔ ظاہر میں پریشان حال اور باطن میں صاحبِ جمعیت تھے۔ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر رہ کر تکمیلِ سلوک کی اور اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد بزرگی کے مصلے پر عبادت میں معروف رہے۔ جو کچھ زبان سے فرماتے وہ پورا ہو جاتا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں: ایک مرتبہ آپ موضع گھگانوالی[1] میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں سخت امساکِ باراں تھا۔ ان کا ایک مرید دھری

[1] اس گاؤں کا نام کیلیانوالہ تھا گھگانوالی نہیں تھا۔ (تذکرہ نوشاہی، شریف التواریخ جلد دوم موسوم بہ طبقات نوشاہیہ۔ طبقہ چہارم)

جیا نامی تھا اُس نے حاضرِ خدمت ہو کر دعائے بارانِ رحمت کی التجا کی۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا، شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، آپ حجرے سے باہر نکل کر دھوپ میں آ بیٹھے اور بارگاہِ الٰہی میں دُعا مانگی۔ اُسی گھڑی بادل آیا اور بارش ہونی شروع ہو گئی۔ جب آپ کے کپڑے بھیگنے لگے تو حاضرین نے درخواست کی کہ حجرے میں تشریف لے آئیے۔ جونہی آپ حجرے میں داخل ہوئے مینہ برسنا بند ہو گیا۔ لوگ غمگین ہوئے۔ فرمایا، اگر پھر بارش مطلوب ہے تو میں باہر جا کر بیٹھتا ہوں۔ چنانچہ آپ باہر آ بیٹھے بارش پھر برسنا شروع ہو گئی۔ اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ جب بارش خوب برس چکی تو آپ حجرے میں آ بیٹھے، بارش تھم گئی۔ نقل ہے ملّا غازی اپنے مرشد کے بڑے فرزند شیخ رحیم داد سے زیادہ الفت و محبت رکھتے تھے۔

ایک دفعہ شاہ سلیمان کے دونوں فرزندوں یعنی شیخ رحیم داد اور شیخ تاج محمود میں زمین کی تقسیم میں اتفاقاً نزاع واقع ہو گئی۔ ملّا غازی جو شیخ رحیم داد کے حمایتی تھے انہوں نے تاج محمود کو کچھ سخت سُست کہا اور انہیں لکڑی مارنے کے لئے اٹھائی۔ حاضرین مانع آئے۔ تاج محمودؒ نے فرمایا: میں نے اللہ سے چاہا ہے کہ جس ہاتھ سے اُس نے مجھے لکڑی مارنے کے لیے اٹھائی ہے اس کا وہی ہاتھ ٹوٹ جائے۔ اور آٹھ ماہ بیمار رہ کر مر جائے۔ پس اتفاقاً ایک روز ملّا غازی اپنے کھیت میں چنے کا غلہ کاٹ رہا تھا کہ غیب سے ایک شیر نے آ کر اس کا ہاتھ مروڑ دیا۔ اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ چنانچہ ملّا غازی آٹھ ماہ اسی درد و کرب میں مبتلا رہ کر اس دنیا سے چل بسا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی آپ کے صاحبزادے شیخ آفتاب کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ تاج محمود موضع پانڈو کی میں بحالتِ سکر و استغراق کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نئی دُلہن کی ڈولی اس طرف سے گزری۔ آپ چونکہ حسن پرست اور عشق دوست تھے اس ڈولی کے پاس جا کر دُولہا سے کہا اس ڈولی کا پردہ اٹھا تاکہ میں اس صانعِ حقیقی کا جلوہ اس آئینۂ قدرت میں دیکھوں۔ دُولہا یہ سُن کر بڑے غصے میں آیا اور بدکلامی سے مخاطب ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی راہ طے کی تھی کہ دُلہن خود بخود ڈولی سے دیوانہ وار نکل آئی اور زمین پر تڑپنے لوٹنے لگی اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اس کا شوہر بے حد پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہاری دُلہن اپنی اصلی حالت پر آ گئی ہے۔

۱۱۲۳ھ میں بعہدِ شاہ عالم بن اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار بھلوال میں ہے۔

کرد از دنیا چو در جنت سفر — تاج محمود آں ولیِ مقتدا
سالِ وصلِ اوست فیاضِ کبیر — باز شد پیدا ز شیخ الاصفیا[1]
نیز سرور گفت سالِ رحلتش — عاقبت محمود تاجِ اولیا
۱۱۲۳ھ

۱۲۴۔ شیخ عبدالحمید قادری نوشاہی قدس سرہٗ

اپنے وقت کے عالم و فاضل اور صوفیِ کامل تھے۔ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخشؒ کی خدمت میں رہ کر تکمیلِ سلوک کی تھی۔ اپنے پیر صاحب کی وفات کے بعد تا دمِ حیات ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۲۵ھ میں وفات پائی۔

شیخِ دیں عبدالحمیدِ محترم — رفت از دنیا و در جنت رسید
رحلتش فرما سخیِ مجتبیٰ!! — ہم بگو شیخ ولی عبدالحمید[2]
۱۱۲۵ھ — ۱۱۲۵ھ

۱۲۵۔ سید نور محمد بن سید محمد امیر گیلانی قدس سرہٗ

جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ عبادت و ریاضت اور شجاعت و سخاوت میں بے مثال تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشیں ہوئے۔ تادمِ زیست موضع حجرہ میں مقیم رہ کر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ صاحبِ سراج الاولیا فرماتے ہیں: حضرت نور محمدؒ کا بیان ہے کہ بچپن میں قرآن شریف کا آخری پارہ پڑھ رہا تھا کہ معانیِ قرآن مجید پر منکشف ہونے شروع ہوگئے۔ ایک روز میں انتہائے دردِ دل کے باعث رو رہا تھا۔ معلم نے مجھ سے

[1] شیخ تاج محمود کا صحیح سالِ وفات ۱۰۸۴ھ ہے۔ (شریف التواریخ۔ جلد سوم۔ حصہ اول۔ موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص۱۲ از شرافت نوشاہی)

[2] شیخ عبدالحمید کا صحیح سالِ وفات ۱۰۰۶ھ ہے (تحایف الاطہار ص۳۲۶)

رونے کا سبب پوچھا۔ والد ماجد میرے حال سے واقف تھے۔ فرمایا: اس سے رونے کا حال مت پُوچھئے اور خاموش رہئے۔ ۲۰ برس کی عمر میں ۱۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع حجرہ میں ہے۔

نورِ محمد آں مہرِ عالم چو از جہاں | بر عرشِ حق رسید بقربِ جلیلِ حق
شاہِ کریم متقی آمد وصالِ او | دیگر بگو کہ نورِ محمد خلیلِ حق
۱۱۲۶ھ | ۱۱۲۶ھ

۱۳۶۔ شیخ خوشی محمد قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے پاک اعتقاد مریدوں اور حق یاد خلیفوں میں سے تھے۔ بارگاہِ مرشد میں بے تکلفانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ جس وقت حضرت حاجی نوشہ صاحب پر حالتِ جذب و استغراق طاری ہوتی تھی۔ آپ ہی حاضرِ خدمت ہو کر اپنی بذلہ سنجی سے خوش کیا کرتے تھے۔ خوارق و کرامات آپ سے ظہور میں آتے تھے۔ فقیروں اور عالموں سے بے شمار لوگ آپ کے معتقد تھے۔ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ فارسی، ہندی اور پنجابی میں بکثرت اشعار کہے ہیں۔ ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی۔

چوں از دنیا بفردوس بریں رفت | جناب شیخِ حق آگاہ خوش حال
عجب سالِ وصالش جلوہ گر شد | ز "اہلِ دل ولی اللہ خوش حال" [۱]
۱۱۲۰ھ

۱۳۷۔ حضرت شیخ حافظ برخوردار قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ کے فرزند عالیجاہ اور خلیفہ آگاہ[۲] تھے۔ صاحبِ زہد و ریاضت و ذوق و شوق اور وجد و سماع، متقی اور مہمان نواز تھے۔ رات دن جذب اور استغراق اور خدا تعالیٰ

---

[۱] شیخ خوشی محمد کا سالِ وفات صحیح ۱۰۸۸ھ ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اوّل موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص ۱۵۲ از سید شرافت نوشاہی)

[۲] شیخ حافظ برخوردار المخاطب بہ بحر العشق اپنے والد بزرگوار حضرت نوشہ گنج کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

کی طرف توجہ میں گزار دیتے تھے۔ خوارق اور کرامات بے شمار آپ سے ظہور میں آتی تھیں۔

ایک دن آپ کو اپنی زمین سیراب کرنے کیلئے چرخِ چوب کی ضرورت پڑ گئی جو آپ نے ایک زمیندار بھیرو نام سے ایک دن کے لئے مستعار مانگی۔ وُہ بہانہ کر کے ٹال گیا کہ میرا کنواں خراب ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا خراب ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ اسُی روز اس کی عمارتِ چاہ گر گئی۔ جتنی بار تعمیر کی، قائم نہ رہی۔ نیز تذکرہ نوشاہی میں ہے کہ ایک روز حافظ صاحب پر حالتِ جذب و استغراق طاری تھی اپنے خسر کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ گھر کے سامنے ایک زمیندار کی لڑکی چرخہ کات رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ گا بھی رہی تھی اس کے سرود نے آپ پر حالتِ وجد طاری کر دی۔ لڑکی کے خاموش ہونے پر فرمایا اے لڑکی ایک بار پھر اسی طرح نغمہ سرائی کر۔ لڑکی شرم کے مارے چپ رہی اور اٹھ کر گھر کے اندر چلی گئی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھا، اس کی حالت نزع تک پہنچ گئی۔ علاج معالجہ سے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اس کے والدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا: اسے میرے رُوبرو لاؤ۔ جب لڑکی آپ کے سامنے حاضر ہوئی، فرمایا اے لڑکی! پھر اسی طرح نغمہ گا اِن شاء اللہ اچھی ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے وہی نغمہ اسُی انداز میں گایا۔ آپ کی توجہ سے اسُی وقت صحت یاب ہو گئی۔ حافظ برخوردار نے اقوال صحیح کے مطابق ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی[1]

شیخ برخوردار پیر کامگار!	شد چو از دنیا بجنت یافت جا
حافظِ عالم بگو تاریخِ او!	نیز فرما دوستدارِ مجتبےٰ! [1]
۱۱۳۰ھ	۱۱۳۰ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷)

انتیس۲۹ سال تک مسندِ خلافت پر رونق افروز رہ کر مخلوقِ خدا کو حقیقت و معرفت کی منازل پر پہنچایا۔ ان کے مفصل حالات سید شرافت نوشاہی نے کتاب "ارشاد الاخیار" اور کتاب "مقامات برخوداریہ" المعروف خلیفۂ اعظم میں لکھے ہیں اور ان کی سجادگی کے دلائل و اثبات میں کتاب "سجادہ نشین" تصنیف کی ہے۔

[1] حافظ برخوردار کا صحیح سالِ وفات ۱۰۹۳ھ ہے (اذکار نوشاہیہ صفحہ ۵ تصنیف شرافت)

۲۳۸۔ حضرت سید عبدالوہاب بن سید سرورالدین بن جان محمد حضوری قدس سرہٗ

اپنے عہد کے مشائخ و صوفیا میں ممتاز الوقت تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علم و فضل، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور درس و تدریس میں مقامِ بلند رکھتے تھے۔ تادمِ زیست لاہور میں ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذِ فیض کیا۔ آپ کی ذاتِ بابرکات تک یہ فیضان جاری رہا کہ جو آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا وہ جلدی ہی اوجِ طریقت میں مرتبۂ حضوری حاصل کر لیتا۔ بروز جمعہ ۱۲۔ شوال ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ مقبرہ اپنے جدِ امجد جان محمد حضوری کے متصل ہے۔ اِن کے بعد اِن کے فرزند سید عبداللہ شاہ سجادہ نشین ہوئے۔[1]

---

[1] پھر آپ کے فرزند سید نور شاہ اور ان کے فرزند سید غلام محی الدین یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے۔ سید غلام محی الدین کے دو فرزند تھے، سید احمد شاہ اور سید حسین شاہ۔ اِس وقت سید احمد شاہ کے پوتے سید بہادر شاہ بن سید سردار شاہ درگاہ کے متولی و سجادہ نشین ہیں۔ بڑے معمر و ضعیف ہو گئے ہیں۔ بینائی بھی جاتی رہی ہے۔ خاندانی روایات کے حامل ہیں۔ آپ کے چار فرزند اکبر شاہ، انور شاہ، احمد شجاع اور سرور شاہ ہیں۔ سید حسین شاہ کے دو فرزند تھے، سید دلاور شاہ اور سید عالم شاہ۔ سید دلاور شاہ المتوفیٰ ۱۹۲۳ء متولی و سجادہ نشین درگاہ شریف راقم کے بڑے بہنوئی تھے۔ میری ہمشیرۂ بزرگ مرحومہ خورشید بیگم بنت مفتی محمد چراغ الدین ہاشمی مرحوم حضرت مولانا مفتی غلام سرور اسدی الہاشمی کی نواسی آپ کے نکاح میں تھیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ اور عزیزہ دل افروز زوجہ برکت علی شاہ مرحوم آپ کی اولاد سے ہیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ کے چار فرزند اسلم شاہ، نواز علی شاہ، عارف علی شاہ اور محسن شاہ اور تین لڑکیاں عزیزی مسرت زوجہ سید عطاء اللہ کامران، عزیزہ کلثوم زوجہ ذاکر حسین اور عزیزی کوثر اولاد سے ہیں۔ عزیزم اسلم شاہ کا فرزند احسان علی شاہ اور نواز علی شاہ کا فرزند امجد علی شاہ ہے۔ ایزد تعالیٰ سلامت رکھے۔ سید عالم شاہ کے فرزند دوم سید حسین شاہ بقیدِ حیات ہیں۔ دو فرزند سید اسد علی شاہ اور سید آصف علی شاہ اولاد سے ہیں۔ (مترجم)

۱۲۹ ۔ شیخ محمد تقی قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے با صفا مریدوں اور باوفا معتقدوں سے تھے۔ اپنے مرشد صاحب کے عشق میں درجہ فنافی الشیخ رکھتے تھے۔ آغازِ جوانی ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ مرشد ہی کی زیرِ نگرانی تعلیم و تربیت پائی تھی اور مقبولِ درگاہِ شیخ ہوئے۔ آپ پر اکثر و بیشتر حالتِ جذب و سُکر طاری رہا کرتی تھی۔ نقل ہے: ایک دفعہ بے خودی کا یہ عالم تھا کہ عیدِ قربان کے دن پُوچھا: آج کون سا دن ہے کہ لوگ اس قدر گوسفند ذبح کر رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا: آج عیدِ قرباں کا دن ہے لوگ راہِ خدا میں قربانی دے رہے ہیں۔ آپ بھی اٹھئے اور قربانی دیجئے۔ کہا: میرے پاس تو اپنی جان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ چھری لا کر اپنے حلق پر پھیرنی شروع کر دی۔ ابھی شہ رگ نہیں کٹی تھی کہ لوگوں نے آکر ہاتھ پکڑ لیا اور اسی حالت میں مرشد کے پاس لے آئے۔ آپ انہیں دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور بڑی تحسین و آفرین کہی اور ان کے حق میں دعائے خیر کہی اور زخم پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا انہیں صحت حاصل ہو گئی مگر غلبۂ حال میں کمی نہ ہوئی اور کلی طور پر مجذوب ہو گئے اور بارہ سال تک دوابہ کے جنگل میں پھرتے رہے۔ اسی تجرید کی حالت میں زندگی گزاری۔ اپنے آپ کی کوئی خبر نہ تھی۔ دُنیا سے اور دُنیا داروں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۱۳۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع نوشہرہ ضلع گجرات میں ہے۔

تقی رفت چوں زیں جہانِ فنا ۔۔۔ پے سالِ ترحیل بے قال و قیل
شد از قلم "شیخ اکبر" رقم ۔۔۔ عیاں شد "تقی متقی جلیل!" [۱]
۱۱۳۲ھ ۔۔۔ ۱۱۳۲ھ

---

[۱] شیخ محمد تقی کا صحیح سنِ انتقال ۱۰۹۲ھ ہے (شریف التواریخ (قلمی)، جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص۲۶۲)

۱۴۰۔ خواجہ ہاشم دریادل قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے فرزند دوم تھے۔ علومِ ظاہری مُلا عبد الحکیم سیالکوٹی اور مولانا عبد اللہ لاہوری سے حاصل کئے تھے۔ اپنے عہد میں علمی فضل و کمال کے باعث فقہاء و محدثین میں ممتاز۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور سخاوت و کرامت میں بے نظیر تھے۔

نقل ہے ایک روز ایک شخص مبارک نام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گستاخانہ پیش آیا۔ فرمایا: جو کرے گا عمر بھر رہے گا۔ اُسی روز اس کی پیٹھ میں ایک پھوڑا نکل آیا جس کی تکلیف سے وُہ چند روز میں مر گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ کی خدمت میں ایک ایسا مریض لایا گیا جس کے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے تھے۔ فرمایا: اسے حضرت نوشہ گنج بخش کے مزار پہ لے جاؤ اور اسے کہو کہ وہاں بیٹھ کر سورۂ ملک پڑھے۔ ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے آپ کے فرمودہ کے مطابق وہاں بیٹھ کر سورۂ ملک تلاوت کی۔ سورہ شریف کے اختتام پر وُہ صحت یاب ہو گیا۔

صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں: آپ کے تین فرزند فضل اللہ، عصمت اللہ[1] اور محمد سعید تھے۔ ان تینوں میں سے عصمت اللہ ان کے بعد بزرگی کے مصلّے پر قائم ہوئے۔ ۱۱۳۵ھ میں بہ عہدِ محمد شاہ وفات پائی۔

شد چو از دنیا بفردوسِ بریں	پیر ہاشم شاہ بحرِ معرفت
سالِ ترحیلش بگو دریائے فضل ۱۱۳۵ھ	نیز "حق آگاہ بحرِ معرفت"[2] ۱۱۳۵ھ

---

[1] صحیح نام عظمت اللہ ہے (تذکرہ نوشاہی، کذا الرحمت اور شریف التواریخ کی دوسری جلد موسوم بہ طبقات النوشاہیہ تیسرا طبقہ)

[2] حضرت ہاشم دریادل کا صحیح سال وفات ۱۰۹۲ھ ہے (اذکارِ نوشاہیہ صفحہ ۳۰)

۱۴۱۔ سید احمد شیخ الہند قادری گیلانی قدس سرہٗ

والد کا نام سید عبدالرزاق بن تاج العارفین یحییٰ تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ سلسلۂ قادریہ کے مشائخ کبار سے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد عرب سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آکر پنجاب میں وزیر آباد کے قریب آباد ہو گئے تھے۔ آپ نے ایک گاؤں کوٹلہ بھی آباد کیا تھا۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۳۶ھ میں سکھوں کی غارت گری میں شہید ہوئے۔ آپ کے بھائی لیسین بھی بزرگی و کرامت میں دُور دور تک شہرت رکھتے تھے۔ مزار موضع خانپور میں مضافاتِ کوٹلہ میں ہے۔

رفت احمد چو در بہشتِ بریں　　وصلِ آں شیخِ دیں و حق آگاہ
اعظم الاولیاء ولی گفتم　　ہمدگر شیخ ہند امین اللہ
۱۱۳۶ھ

۱۴۲۔ سید بدرالدین گیلانی قادری لاہوری قدس سرہٗ

والد کا نام سید علی بن حاجی سید ہاشم تھا۔ اپنے زمانے کے فاضل متبحر اور عارف کامل تھے۔ عبادت و ریاضت، زہد و اتقا اور توکل و استغنا میں بے نظیر تھے۔ درس و تدریس اور اعلائے کلمۃ الحق میں شہرۂ آفاق تھے۔ بڑے بارعب و پُر ہیبت تھے۔ آپ کے سامنے کوئی بات نہ کر سکتا تھا۔ قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ ایک دفعہ محمد معزالدین بن بہادر شاہ بن عالمگیر خدمت میں حاضر ہُوا۔ ایک لاکھ روپیہ نقد اور چند قطعاتِ اراضی نذرانہ پیش کئے مگر آپ نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ ۱۱۳۶ھ میں بعہدِ محمد شاہ بادشاہ وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بدرِ چرخِ زمانہ بدرالدین!　　شد چو روشن بادجِ باغِ جناں
سالِ تاریخِ رحلتش سرور　　"بدرِ دین پیرِ دیں شریف" بخواں
۱۱۳۶ھ

۱۴۳۔ شاہ شرف لاہوری قادری قدس سرہٗ

اصلی نام سعادت مند تھا۔ قصبہ بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ آباؤ اجداد قوم کھتری پوری سے تھے۔ آپ کے دادا مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جو بٹالہ میں قانون گو کے عہدہ پر مامور تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ ماجد سے پائی تھی۔ تیس سال کی عمر میں تھے کہ آپ کے بھائی عبدالرحیم وفات پا گئے۔ آپ ازرہِ ہمدردی و خبر گیری اپنی بھاوج کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ان کی بیوی کو ان کا یہ سلوک ایک آنکھ نہ بھایا اور انہیں متہم کیا۔ آپ دل برداشتہ ہو کر لاہور چلے آئے اور شیخ محمد فاضل قادری شطاری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں رہ کر سلسلۂ قادریہ کی تکمیل کی۔ خرقۂ خلافت پایا اور شاہ شرف کے خطاب سے ممتاز ہوئے۔ اس دوران میں آپ کی اہلیہ حاضرِ خدمت ہوئیں اور واپس بٹالہ جانے کی تحریک کی مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ تمام عمر لاہور میں گزاری۔ درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ شاہ رضا قادری شطاری آپ کے پیر بھائی تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں شہ شرف شیخِ یقیں تاج الشرف

سالِ تاریخِ وصالِ آں جناب شد عیاں "محبوبِ دیں تاج الشرف"

۱۱۳۷ھ

۱۴۴۔ شیخ عصمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حافظ برخوردار کے پسرِ پنجم تھے۔ نہایت بزرگ، عالم و فاضل، فقیرِ کامل، متقی اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و اتقا اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ تحصیلِ علوم حافظ محمد تقی سے کی تھی۔ ابتدا میں شیخ رحیم داد فرزند شاہ سلیمان کی خدمت میں بھی رہے اور فوائدِ عظیم حاصل کئے۔ اس کے بعد شیخ پیر محمد سچیار قاضی رضی الدین و سید شاہ محمد خلفائے حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر رہ کر اخذِ فیض کیا۔ آخر میں حضرت شیخ عبدالرحمٰن المعروف بہ پاک رحمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیلِ سلوک کی۔ صاحبِ حال و قال و وجد

سماع تھے۔ طبع عالی پر جذب و استغراق بے حد غالب تھا۔ حالتِ سُکر میں جس پر نظر ڈالتے تھے وُہ مست و بے ہوش ہو جاتا تھا۔ کشفِ صریح کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے بتا دیتے تھے کہ حضرت شیخ فلاں جگہ پر اور فلاں کام کر رہے ہیں۔ حالتِ وجد میں کئی دفعہ بالاخانہ سے گر کر صحن میں پڑے مگر کوئی گزند نہ پہنچا۔ جب آپ کے کشف و کرامات کی مشہوری انصافِ عالم میں ہُوئی تو حضرت شاہ محمد غوث (لاہوری) خلف حضرت سید حسن پشاوری آپ کے فضل و کمال کا شہرہ سُن کر حاضرِ خدمت ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا اور مردِ کامل ہوئے۔ شیخ محمد عظیم آپ کے فرزند اور شیخ ابو سعید جو آپ کے برادر زادہ اور داماد بھی تھے، اس قدر کامل و مکمل ہوئے کہ ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کے دُوسرے بھتیجے شیخ سلطان محمد نے بھی آپ ہی کی توجہ سے سلوک و معرفت میں درجۂ کمال حاصل کیا تھا۔ آپ پر حالتِ جذب و سُکر اس درجہ طاری رہا کرتی تھی کہ کئی کئی روز بغیر کھائے پیئے گزر جاتے تھے حتیٰ کہ بارہ (۱۲) سال تک کچھ نہ کھایا۔ آپ کے ہمشیر زادہ شیخ عبدالجلیل نے بھی آپ ہی کی نظرِ فیض اثر سے عرفان میں مرتبۂ بلند پایا تھا اور ایسی حالتِ جذب حاصل ہوئی تھی کہ سالہا سال تک طعام کا لقمہ گلے سے نیچے نہ اُترا، ان پر بھی حالتِ استغراق اکثر و بیشتر طاری رہتی تھی۔ آخری عمر میں کشمیر چلے گئے تھے وہیں وفات پائی۔ شیخ محمد حیات صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ ایک روز میں حاضرِ خدمت تھا، میرے دل میں خیال گزرا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ جب کسی کچے گھڑے پر نظر ڈالتے تھے تو وُہ پک جاتا تھا اور اگر پکے پر نظر ڈالتے تو وُہ ٹوٹ جاتا تھا۔ کیا واقعی یہ بات درست ہے۔ آپ اُسی وقت نورِ باطن سے میرے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جن کی نظر میں یہ تاثیر ہے اُسی وقت گردن اٹھا کر سامنے شیشے کی طرف دیکھا جو طاق پر پڑا تھا، اسی وقت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

آپ کی وفات بارھویں رجب مطابق انیسویں چیت سوموار کے دن شام کے وقت نماز کی حالت میں ظہور میں آئی کہ دو رکعت نماز قیام کی حالت میں پڑھی، تیسری رکعت کے سجدہ میں وفات پائی، آپ کا سالِ وفات ۱۰۷۳ھ ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے، اوّل شیخ شیر محمد جو آپ کے بعد مسند سجادگی پر قائم ہوئے۔ دُوسرے شیخ گل محمد جو اسم با مسمّٰی تھے۔

تیسرے شیخ محمد عظیم جو عظیم المراتب تھے۔

حضرت شیخ عصمت اللہ کو شیخ عبدالرحمٰن کی طرف سے "امیر حمزہ پہلوان نوشاہ ثانی" کا خطاب مِلا تھا۔ سے

زعالم شد در خُلدِ معلیٰ جناب شیخ صادق عصمت اللہ
زدل جستم چو سالِ ارتحالش خرد فرمود "عاشق عصمت اللہ"
۱۱۳۶ھ

۱۴۵۔ شیخ احمد بیگ[1] قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلفاء سے تھے۔ بارگاہِ مرشد سے نور محمد نوری کے خطاب[2] سے ممتاز تھے۔ پہلے علم ظاہری میں حضرت نوشاہ عالیجاہ کے شاگرد تھے بعد ازاں مرید ہو کر کمال کو پہنچے۔ بڑے بزرگ، صاحبِ علم و عمل اور زاہد و عابد تھے۔ نقل ہے ایک روز موضع نوشہرہ کا ایک معلم بلاول نام حضرت نوشہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر ہوا اور نذرانہ دیا اور عرض کیا کہ حضرت توجہ فرمایئے اور دُعا کیجئے کہ میری حالت شیخ احمد بیگ کی سی ہو جائے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا، ہر ایک کو مرتبہ اس کے حوصلے اور ظرف کے مطابق دیا جاتا ہے تو اچھا اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہو جائے گا۔ معلم اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ حتیٰ کہ تڑپتے تڑپتے مکان کی ایک منزل سے نیچے صحن میں آ گرا اور کئی روز کے بعد ہوش میں آیا۔ اس پر ایسی حالت وارد ہوئی کہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوتا یک لخت انتہائے اضطراب و بے چینی میں اُٹھ کھڑا ہوتا۔ اہل خانہ اس بے قراری کا سبب پُوچھتے تو کہتا کہ حضرت نوشاہ اپنے گھر میں اپنی جگہ سے اُٹھے ہیں اور میں اُن کی تعظیم کے لئے اُٹھا ہُوں۔ غرض وُہ اپنی اسی حالت میں بڑا بے قرار و بے چین رہنے لگا۔ کسی وقت بھی اسے سکون حاصل نہیں ہوتا تھا۔ آخر عاجز و درماندہ ہو کر حضرت نوشہ کی خدمت میں

---

[1] احمد بیگ نام غلطی سے لکھ دیا ہے۔ دراصل یہ ذکر شیخ نور محمد سیالکوٹی کا ہے۔

[2] مفتی غلام سرور صاحب کو یہاں غلطی لگ گئی ہے۔ انہوں نے احمد بیگ کو نور محمد نوری لکھ دیا ہے، حالانکہ احمد بیگ لاہوری، شیخ نور محمد کا مرید تھا۔

حاضر ہُوا۔ عرض کیا: حضور دُعا فرمائیے کہ مجھے اپنی اصلی حالت نصیب ہو جائے۔ آپ نے پانی منگوایا۔ کچھ اُس میں سے آپ پیا، کچھ اُسے پلایا۔ وُہ پانی پیتے ہی اپنی اصلی حالت پر آگیا[۱]

حضرت شیخ احمد بیگ کے بڑے بڑے کامل و اکمل مرید و خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اپنے فضل و کمال کے باعث بڑے شہرۂ آفاق ہوئے ہیں۔ مثلاً سیّد انور رہتاسی، بولا درزی رہتاسی، محمد صدیق رہتاسی بڑے عابد و زاہد، صائم الدہر اور قائم اللیل ہوئے ہیں۔ آٹھویں روز افطار کرتے تھے۔ بدھو درزی کو فرمایا تھا کہ تمہارے سماع کے وقت ہوائی جانور بھی مست ہو جایا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ اسی طرح حافظ محمد مخدوم رہتاسی ساکن چک حافظاں بڑے صاحبِ ذوق و شوق و وجد و سماع بزرگ تھے اور اکثر و بیشتر حالتِ جذب و استغراق میں رہا کرتے تھے۔ بوقتِ سماع ایسے بیخود و مدہوش ہو جاتے تھے کہ ایک ایک ہفتہ ہوش میں نہ آتے تھے۔ میاں حاجی خلیفہ بھی ان کے ایک نامور سیف اللسان مستجاب الدعوات مرید ہوئے ہیں۔ جو کہتے تھے ویسا ہی ظہور میں آتا تھا۔ مولانا محمد حیات صاحبِ تذکرہ نوشاہی آپ ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے اور خرقۂ خلافت پایا تھا۔ ۱۱۴۰ھ میں بعہدِ محمد شاہ وفات پائی۔ مزار سیالکوٹ میں ہے۔[۲]

---

[۱] یہ واقعہ مفتی غلام سرور صاحب نے حضرت نوشہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ تذکرہ نوشاہی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ بلاول سیالکوٹ کا معلم تھا اور شیخ نور محمد سیالکوٹی کا مرید تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اُس کے پیر بھائی احمد بیگ کی حالت بہت بہتر ہے تو اپنے مرشد شیخ نور محمد سے عرض کیا کہ مجھ پر بھی ایسی توجہ کریں کہ احمد بیگ جیسا میرا حال ہو جائے۔ الخ مفتی صاحب کو مضمون سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ احمد بیگ اور نور محمد کو ایک شخصیت قرار دے دیا۔

[۲] یہ سب خلفاء جو شیخ احمد بیگ کے لکھے ہیں، یہ حضرت سید شاہ عصمت اللہ کے ہیں۔ سید حافظ محمد حیات نوشاہی نے تذکرہ نوشاہی میں ایک پوری فصل خلفائے شاہ عصمت اللہؒ کے متعلق لکھی ہے۔ مفتی صاحب کو یہ فاش غلطی لگ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کو تذکرہ نوشاہی کا کوئی پراگندہ اوراق مخلوطہ ملا ہوگا خلفائے شاہ عصمت اللہ والا کوئی ورق شیخ نور محمد صاحب کے ذکر میں پڑا ہوگا، جس سے وُہ حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے۔ مفتی صاحب نے تین افراد کو ایک بنا دیا ہے۔ شیخ نور محمد متوفیٰ ۱۱۰۱ھ، مرزا احمد بیگ متوفی ۱۱۰۰ھ، شاہ عصمت اللہ متوفیٰ ۱۱۴۷ھ۔ یعنی ان کے حالات کو مخلوط کر دیا ہے۔

چو نور محمد ولی خدا | ز دنیائے دوں شد بخلد بریں
بخواں سال ترحیل او "مبر فیض" | دگر "نور پُر نور نور یقیں"! [1]

۱۴۶۱۔ شاہ عنایت قادری شطاری لاہوری قدس سرہٗ

والد کا نام پیر محمد تھا۔ قوم کے باغبان تھے۔ لاہور سے نقل مکانی کر کے قصور جا رہے تھے شاہ عنایت بھی قصور ہی میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر تکمیل علوم کے لئے قصور سے نکلے۔ لاہور پہنچ کر حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ استاد کی زبردست شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہی کے ہاتھ پر سلسلۂ قادریہ کی بیعت کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمت مرشد میں حاضر رہ کر تکمیل سلوک کی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر مرشد کے حکم کے مطابق قصور آکر ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے۔ حلقۂ درس بڑا وسیع تھا۔ قرآن، تفسیر، حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ مرجع خلائق ہونے کے باعث حسین خاں افغان حاکم قصور کو آپ کی شہرت و مقبولیت ایک آنکھ نہ بھائی۔ چنانچہ آپ کو قصور سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ قصور کو خیرباد کہہ کر پھر لاہور آ گئے اور از سر نو درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے علوم ظاہری و باطنی سے عوام و خواص کو فیض بخشا۔ آپ کے حلقۂ درس و فکر سے اچھے اچھے باکمال تکمیل پا کر نکلے۔ چنانچہ حضرت میر بلھے شاہ قصوری پنجابی کے مشہور شاعر آپ کے ہی شاگرد و مرید تھے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ غایت الحواشی، شرح کنز الدقائق آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۱۴۱ھ میں بعہد محمد شاہ وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

---

[1] شیخ نور محمد کا صحیح سال وفات ۱۱۰۱ھ ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص ۲۳۲ از سید شرافت نوشاہی)

چوں از فضل و عنایات الٰہی! عنایت رفت از دنیا بہ جنت
ز "مشتاق کرم" چو رحلتش دگر "تاج یقیں اہل عنایت"
۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۷۔ سید حاجی عبداللہ گیلانی اوچی لاہوری قدس سرہٗ

والد کا نام سید اسماعیل بن سید اسحاق تھا۔ سلسلۂ قادریہ کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ عالم وفاضل، عابد وزاہد اور متوکل و مستغنی المزاج بزرگ تھے۔ عمر بھر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ کسی امیر و سلطان کے دروازے پر نہیں گئے۔ دنیا و اہلِ دنیا سے کچھ سروکار نہ تھا۔ نواب زکریا خاں ناظم لاہور اور اس کے امراء آپ کے عقیدت مندوں میں داخل تھے۔ ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ مزار سید اسماعیل محدث لاہوری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں! سیدِ عبد اللہ پیرِ رہنما
سالِ ترحیلش بخواں "عاشق سخی" نیز فرما "اہلِ نعمت مقتدا"
۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۸۔ شیخ جمال اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حافظ برخوردار کے فرزند ششم تھے۔ عالم وفاضل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور ترکِ علائق میں بے نظیر تھے۔ صاحبِ ذوق و شوق و وجد و سماع بھی تھے۔ حالتِ وجد میں جس پر نظر ڈالتے تھے اُسے بھی بے خود و مدہوش بنا دیتے تھے، وہ مست بادۂ الست ہو جاتا۔ بحالتِ خواب آپ کے دلِ بیدار سے ذکرِ ہُو کی آواز مسلسل آتی رہتی تھی جس کو تمام حاضرین بگوشِ ہوش سنتے تھے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد حیات صاحبِ تذکرۂ نوشاہی رقم طراز ہیں۔ ایک روز آپ حضرت نوشاہ گنج بخش کے مزار کی زیارت کو گئے۔ دیکھا کہ وہاب نامی ایک زمیندار موضع اگرویہ کا مزار کی ملحقہ زمین پر اپنے مویشی چرا رہا ہے۔ آپ نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آپ نے صبر فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ اُسی

رات بحکمِ الٰہی اس کے تمام مویشی مر گئے۔اس پر بھی وُہ شرارتی نابکار نہ تائب ہوا نہ اپنے مذموم فعل سے باز آیا۔دوسری رات چور اس کے مکان میں آئے اور تمام مال و متاع لُوٹ کر لے گئے۔ یہاں تک کہ وُہ روٹی کے ٹکڑے کو بھی محتاج ہو گیا۔شیخ جمال اللہ کی وفات بقول تذکرہ نوشاہی[1] ۲۱۔ ربیع الثانی بروز سہ شنبہ ۱۱۴۳ھ میں بر عہدِ محمد شاہ شام کے وقت ہوئی۔ مزار موضع ساہنپال میں ہے۔

گشت چوں روشن بباغ جنتی ! آں جمالِ با کمالِ معرفت

سالِ ترحیلش بپرور شد عیاں "قبلۂ عالم جمالِ معرفت"

۲ ۴ ۱ ۱ ۳

۲۷۹ا۔ مولانا حافظ معموری قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مشائخ نوشاہیہ قادریہ میں اپنے فضل و کمال کے باعث بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں۔آپ نہایت بزرگ اور عابد و زاہد صاحبِ شوق تھے۔ ذوق وجد و سماع سے بھی معمور تھے ۔ حضرت نوشہ گنج بخش صاحب کے مرید و خلیفہ اور داماد تھے۔حضرت نوشہ صاحب کی دختر حضرت سائرہ ان کے نکاح میں تھیں۔

آپ کے چار فرزند تھے ؛

ایک شیخ تاج الدین جو اہلِ معرفت کے سر کے تاج تھے اور باطنی فیض شیخ نور محمد سے پایا۔خواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

دوم شیخ ہدایت اللہ صوفی۔

سوم شیخ نظام الدین۔

چہارم شیخ امام الدین[1] جو قلندر مشرب اور آزاد منش تھے۔ ہمیشہ مثنوی مولانا روم کا مطالعہ رکھتے۔ شیخ معموری کی وفات ۱۱۲۵ھ میں ہوئی۔

---

[1] شیخ امام الدین کا نام غلط درج ہوا ہے،ان کا صحیح نام تذکرہ نوشاہی میں عبدالرحمٰن درج ہے (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی صفحہ ۵ از سید شرافت نوشاہی)

در جہاں شد از جہاں با صد صفا | شیخِ معموری چو آں شیخِ زماں
ظاہر از "مظہر" شدہ تاریخِ او | "مجتبیٔ مخدوم" ہم آمد عیاں [1]
۱۱۲۵ھ | ۱۱۲۵ھ

۱۵۰۔ حضرت شاہ محمد غوث گیلانی قادری لاہوری قدس سرہٗ

سید حسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدرِ بزرگوار کے زیرِ سایہ پائی تھی۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی اُنھی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کے فاضل و عارف تھے۔ ہندوستان کی سیر و سیاحت بھی کی تھی اور اس دوران میں دیگر مشائخ کبار کی ملاقات و محبت سے بھی اخذِ فیض کیا تھا، خاص کر حافظ عبدالغفور[2] نقش بندی پشاوری، سید محمد سعید[3] المخاطب بہ میراں شاہ بھیکھ چشتی صابری، شیخ عصمت اللہ[4] قادری نوشاہی سے کثیر و عظیم فوائد حاصل کیے۔

---

[1] حافظ معموری کا صحیح سالِ وفات ۱۱۰۶ھ ہے۔ (شریف التواریخ۔ جلد سوم، حصہ اول۔ موسوم بہ تحایف الاطہار (قلمی) ص۵۰۳)

[2] حافظِ قرآن و صاحبِ علم و عمل تھے۔ زہد و ورع و عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ تمام رات حبسِ دم سے مراقبہ و مجاہدہ کرتے تھے۔ بڑے مستغنی المزاج تھے۔ داد و دہش اور جود و سخا میں لاثانی تھے۔ مساکین اور مسافروں کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ مطبخ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ ظاہری مال و دولت نہ رکھتے تھے۔ کبھی کسی امیر و سلطان کے ہاں نہیں گئے نہ کسی کا نذرانہ قبول کیا۔ تمام کام دستِ غیب سے چلتے تھے۔ ۱۱۱۶ھ میں وفات پائی۔ مزار پشاور میں ہے۔

[3] سید محمد سعید نام، والد کا نام سید محمد یوسف تھا۔ میراں شاہ بھیکھ خطاب۔ حضرت شاہ ابوالمعالی چشتی صابری کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے فضل و کمال کے باعث مشائخ متاخرین میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کے حلقۂ ارادت سے بڑے بڑے باکمال تربیت پاکر نکلے ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ فارسی اشعار اور ہندی دوہے بکثرت کہے ہیں۔ رنگِ کلام عارفانہ ہے۔ ۱۳۱اھ میں وفات پائی۔ آپ کا مفصل ذکر بزرگانِ سلسلۂ چشتیہ میں آئیگا۔ انشاء اللہ

[4] آپ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

رسالۂ غوثیہ کے مصنف ہیں۔ اس میں رقم طراز ہیں: جب میں تلاشِ حق کے سلسلے میں لاہور پہنچا تو حضرت میاں میرؒ کے مزار پر کئی راتیں گزاریں۔ ایک دن آپ ظاہر ہوئے اور میری طرف توجہ فرمائی اور ایک شغل میں مشغول رہنے کا حکم کیا اور ارشاد فرمایا: یہ بات کسی اور سے نہ کہنا۔ میں صبح اُٹھ کر شیخ حامدؒ قادری کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ فیض ہوا۔ فرمایا: رات جو تمہیں حضرت میاں میر نے شغل عطا فرمایا ہے وہی کافی ہے۔ اسی رسالے میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: آپ ایک صاحبِ دل بوڑھے قادری درویش مرد ہیں جو پیر علی گنج بخش ہجویری قدس سرہٗ کے مزار کے متصل رہتے ہیں۔

آپ کے ایک ہم نام بزرگ جو آپ کے مرید بھی تھے، پشاور میں رہتے تھے۔ جب نادر شاہ ایرانی نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا اور پشاور پہنچا تو ان سے استمداد کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا، حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی طرف رجوع کرو۔ اُس نے آپ کو پشاور بلا بھیجا۔ آپ نے جواب لکھ بھیجا کہ ہمارے پیروں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ بادشاہوں کے پاس جائیں اور اُن کی مدد کریں۔ اللہ ہی مددگار کافی ہے۔ نادر شاہ یہ جواب پا کر بڑا برہم ہوا اور کہا: اچھا لاہور پہنچ لوں اس گستاخی کا مزہ معلوم ہو جائے گا۔ جب پشاور سے کوچ کیا تو راستے میں ایک ندی کی طغیانی نے ایسا راستہ روکا کہ اس کا عبور کرنا دشوار ہو گیا۔ کئی روز انتظار بھی کیا مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہوئی بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر پریشان ہو کر شاہ محمد غوث پشاوری سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے جواب بھیجا: یہ طغیانی تمہارے اس ارادۂ بد کا نتیجہ ہے جو تم نے حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی نسبت کیا ہے۔ یہ سُن کر تائب ہُوا اور لاہور پہنچ کر عقیدت و خلوص کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور معذرت چاہی۔

حضرت مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیا اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رنجیت سنگھ کے پوتے نونہال سنگھ نے جو لاہور میں برسرِ حکومت تھا اپنے ایک انگریز مشیر کی تجویز سے لاہور شہر کے ارد گرد دُور دُور تک درخت اور عمارات گرا کر میدان بنانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس

لہ آپ حضرت شیخ محمد میر المعروف بہ میاں میر کے ہمعصر اور فیض یافتہ تھے اور آپ سے ایک سال قبل ۴۴ ۱۰ھ میں وفات پا چکے تھے۔ ان کا مزار حضرت میاں میر قدس سرہٗ کے مزار سے متصل ہے۔ یہ حامد قادری جن سے آپ نے زندگی میں ملاقات کی ہے کوئی اور اس نام کے بزرگ ہوں گے۔

تجویز کے تحت بہت سے درخت اور عمارتیں منہدم کی گئیں۔ جب حضرت شاہ محمد غوث کے مزار کی عمارتوں اور درختوں کے گرانے کی باری آئی اور کچھ بیرونی درخت اور عمارتیں گرائی جا چکیں اور اندرونی چار دیواری کی نوبت آئی تو نونہال سنگھ کا باپ کھڑک سنگھ مر گیا اور بیٹا باپ کی لاش کو جلا کر واپس آیا اور قلعہ میں داخل ہوا تو قلعۂ لاہور کی دیوار سے ایک پتھر گر کر اس کے سر پر آ پڑا جس کے صدمے سے وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۸۴۰ء میں رونما ہوا اور اس کی وہ تمام تجاویز دھری کی دھری رہ گئیں۔

آپ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں پشاور سے لاہور آ کر اقامت گزیں ہوئے تھے۔ آپ کے والدِ ماجد سید حسن پشاوری المتوفیٰ ۱۱۱۵ھ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آپ نے بقولِ مولفِ تشریف الشرفا ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بیرون اکبری دروازہ زیارت گاہ خلق ہے۔

سالِ وصلِ آں ولیِ متقی !	چوں محمد غوث رفت از دارِ فنا
ہم بفرما "راہبر سید سخی" !	عارفِ مخدومِ سالک کن رقم

۱۱۵۲ھ [1]

۱۵۱۔ شیخ پیر محمد المعروف بہ سچیار قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلیفوں سے تھے۔ خوردسالی ہی میں خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر تربیت اور تکمیل پائی تھی۔ بڑے صاحبِ ذوق و شوق تھے۔ وجد و سماع میں غلو رکھتے تھے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی نظر فیض اثر سے صاحبِ وجد و حالت ہو جاتا تھا۔ اپنی راست گفتاری اور تقویٰ کے باعث بارگاہِ مرشد سے سچیار یعنی راست گفتار کے خطاب سے معزز تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد موضع نوشہرہ مغلاں میں جا رہے تھے جو دریائے چناب کے کنارے پر واقع ہے اور گجرات سے چھ کوس مشرق کی طرف ہے۔ شیخ پیر محمد نے ۱۱۴۵ھ میں وفات پائی۔

---

[1] حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مستند حالات کے لئے تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ اور تذکرہ سید عبداللہ شاہ ٹھٹھوی از تصانیف حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاوری دیکھنے ضروری ہیں۔ پیام شاہجہانپوری نے ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب "تذکرہ شاہ محمد غوث" تصنیف کی ہے۔

شیخِ دیں پیرِ محمد مقتداء | شد چو از دنیا بجنت راہگیر
سالِ ترحیلش چو جستم از خرد | شد عیاں معصوم پیرِ دستگیر
۱۱۵۲ھ

۱۵۲۔ مولانا قاضی رکن الدین قادری نوشاہی قدس سرہٗ

آپ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخشؒ کے ہمدم یاروں اور محرم راز دوستوں اور مشہور خلیفوں سے تھے قاضی صاحب پہلے قصبۂ وزیر آباد میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ پھر ترکِ علائق کرکے حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں تکمیل پاکر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں شہرۂ آفاق تھے۔ صاحبِ ذوق وشوق اور عشق ومحبت اور وجد وتواجد ہو گئے۔ مرشد کی وفات کے بعد تادمِ حیات ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ میں ہوئی۔

رفت ازدہر چوں بہ خلدِ بریں! | رکنِ دیں صاحبِ یقیں قاضی
سالِ تاریخ ارتحالِ او!! | ہست "مصباحِ اہلِ دیں قاضی"[۲]
۱۱۵۲ھ

۱۵۳۔ شیخ عبدالرحمان المعروف بہ پاک رحمان قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخشؒ کے کبار خلیفوں سے تھے۔ آپ کی ذات پر مرشد کی توجہ والتفات بے حد ونہایت تھی جیسی کسی دوسرے خلیفے کے حال پر نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ

---

[۱] حضرت پیر محمد سچیار کی صحیح تاریخ وفات ۲۵۔ ربیع الاول ۱۲۰ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول، موسوم بہ تحایف الاطہار قلمی ص ۱۰، مولفہ سید شرافت نوشاہی)

[۲] رکن الدین نام غلط ہے۔ صحیح نام قاضی رضی الدین ہے۔ (تذکرہ نوشاہی۔ کنز الرحمت) (فاروقی)

[۳] قاضی رضی الدین کا صحیح سالِ وفات ۱۱۱۳ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول تحایف الاطہار ص ۱۸۰)

آپ عرفان وحقیقت شناسی کے مقامِ اعلیٰ پر فائز ہُوئے۔ مرشد کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں کو تہذیب وتکمیل کے لئے آپ کے سپرد کردیتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت نوشاہ گنج بخش کی وفات کے بعد بھی جاری رہا کہ حضرت نوشاہ عالی جاہ کے بہت سارے خلیفے شیخ عبدالرحمٰن کی خدمت سے تکمیل کو پہنچے۔ حتیٰ کہ مولانا حافظ برخوردار کے فرزندوں اور حضرت نوشاہ کے پوتوں نے بھی آپ ہی کی زیرِ نگرانی تربیت وتکمیل پائی۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ناکام نہیں رہتا تھا۔ کمالِ علم وفضل کے ساتھ آپ پر غلبۂ صمدیت بھی بے انتہا تھا۔ کئی کئی روز بغیر کچھ کھائے پئے گزر جاتے تھے۔ صاحبِ تذکرۂ نوشاہی لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے حاضرِ خدمت ہوکر طعام نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا، مجھے طعام کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔ اگر کسی وقت کوئی لقمہ منہ میں ڈال بھی لیتا ہُوں تو وہ حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔

نقل ہے ایک روز حضرت نوشہ گنج بخش موضع بھڑی ضلع گوجرانوالہ کے پاس سے گزر رہے تھے، وہاں رات رہے۔ اس وقت آپ کی عمر پانچ برس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت نوشہ کی نظرِ کیمیا اثر ایسی پڑی کہ بیخودی اور جذب ومستی اسی عمر میں پیدا ہوگئی۔ اپنے گاؤں میں رحمان دیوانہ مشہور ہوگئے۔ یہ حالت دیکھ کر ان کے والدین انہیں حضرت نوشاہ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے نہایت مسرّت کے ساتھ انہیں اپنی نگرانی وسرپرستی اور غلامی میں لے کر ان کے والدین کو رخصت کردیا اور انہیں اپنی خدمت میں رکھ کر ان کی ظاہری وباطنی تربیت بہ حدِ کمال کی۔ روزانہ کام کے طور پر ان کے سپرد یہ خدمت ہُوئی کہ کھیتوں میں کام کرنے والے مزارعین کو کھانا پہنچایا کریں۔ چنانچہ آپ ہر روز مزارعوں کا کھانا سر پر اٹھا کر کھیتوں میں لے جاتے اور اپنے حصّے کا جو کھانا مطبخ سے لیتے وہ فقراء اور اہلِ حاجت کو کھلا دیتے۔ چالیس روز اسی طرح گئے اور ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ حضرت نوشاہ کو بہ نورِ باطن یہ حال معلوم ہوگیا۔ آپ پر بڑے خوش ہوئے اور آپ کی ذات پر بے حد توجہ وعنایت فرمائی۔ اپنے سامنے بلا کر کھانا کھلایا اور تمام تکلفات سے مستغنی کردیا۔ عبادت وریاضت میں باکمال تھے۔ مجاہدہ یہاں تک بڑھا ہُوا تھا کہ تمام رات بہ حبسِ دم ذکرِ خفی کرتے اور بعض اوقات معکوس لٹک کر رات بھر ذکر میں مشغول رہتے۔ خلوت اختیار کرتے تو قبر کھدوا کر اس میں بیٹھ جاتے اور اوپر سے بند کرا دیتے۔ چالیس چالیس روز ایسی حالت میں مراقبہ

اور ذکر و فکر میں محو رہتے۔ اس ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ذوقِ سماع و وجد بھی بے اندازہ تھا۔ حالتِ سماع و وجد میں بے خودی و مدہوشی کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو گمانِ مرگ ہونے لگتا تھا۔ اور کبھی اپنے آپ کو بیلوں کے پیچھے باندھ کر زمین پر گھسیٹتے جاتے۔ گرمیوں کے موسم میں سُورج کی دُھوپ میں بیٹھتے اور سردیوں میں برہنہ تن رات کو جنگل میں جا کر بیٹھتے اور کبھی سردیوں کے موسم میں دریا میں کھڑے ہو کر ذکرِ حق میں مشغول ہوتے۔ آپ کی گرمیِ ذکر سے دریا کا پانی گرم ہو جاتا۔ جس شخص پر نگاہِ شفقت ڈالتے وُہ صاحبِ کشف و کرامت ہو جاتا۔

صاحبِ کشف صحیح اور مستجاب الدعوات تھے۔ نقل ہے ایک روز آپ اپنے ایک خادم شیخ سعدی[1] پر بے حد مہربان ہو کر فرمانے لگے؛ شیخ سعدی ہم نے اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے یہ چاہا ہے کہ جس مریض پر تیری نظر پڑے وہ صحت یاب ہو جائے۔ جس مردہ کی طرف تُو متوجہ ہو وہ زندہ ہو جائے اور جس فاسق و فاجر پر تیری نظر پڑے وُہ ولیِ کامل ہو جائے۔ بارگاہِ خداوندی میں آپ کی یہ دُعا قبول ہو گئی کہ ایک روز ایک عورت اپنے خورد سال بچے کو جو مریض تھا اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلی کہ شیخ سعدیؒ سے اس کی صحت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرائے۔ اتفاقاً وُہ بچہ راستے ہی میں وفات پا گیا۔ وُہ عورت بچے کو اسی حالت میں روتی پیٹتی لے کر شیخ سعدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے تسلی و تشفی دی اور بچے کی طرف متوجہ ہوئے خداوند تعالیٰ نے اُسے زندگی بخش دی۔ وہ عورت بھی خوش ہوئی اور چاندی کا ایک زیور شیخ سعدیؒ کی نذر گزرانا۔ شیخ سعدی وہ زیور مرشد کے گھر لے گئے اور ان کی صاحبزادی کو پہنا دیا۔ جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو شیخ سعدی کو بلا کر بڑا اظہارِ ناراضی فرمایا اور کہا: سعدی تُو نے اس عورت کے بچے کو زندہ کر کے اُجرت لے لی تُو اس بزرگی کے لائق ہی نہیں ہے۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد شیخ سعدی سے یہ تصرف جاتا رہا۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذِ فیض کیا اور آپ تادمِ زیست ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

---

[1] سعدی نام نہیں بلکہ صحیح نام شادی ہے جو کیلہ نوالہ کے باشندہ تھے (تذکرہ نوشاہی)

آپ کے بھائی شیخ الہ داد آپ کے ہی مرید[1] و خلیفہ تھے۔ ذوق و شوق کمال رکھتے تھے۔
آپ کے جوار میں ہی مدفون ہیں، مخفی نہ رہے کہ خاندان عالیہ نوشاہیہ میں سب لوگ صاحب حال
اور ذوق و سماع ہیں۔ جماعتِ عالیہ پاک رحمانی میں حد سے زیادہ مستی ہے۔ جس شخص کو وجد کی
حالت ہوتی ہے، اس کے پاؤں میں رسہ ڈال کر اُلٹا لٹکا دیتے ہیں اور اگر اس عمل میں ہوش
میں نہ آئے تو پاؤں میں رسہ ڈال کر زمین پر کھینچتے ہیں اور پیر محمد سچیار کی جماعت بھی اگرچہ صاحبِ
حالت اور سماع ہیں مگر اس قدر مستی نہیں رکھتے۔

چوں جناب عبدِ رحماں شیخِ پاک ۔۔۔ شد بہ جنت از جہاں بے قال و قیل
ہست "عالی مرتبت" تاریخ او ۔۔۔ ہم "مکرم عاشق رحماں جلیل!"[2]
۱۱۵۳ھ ۔۔۔ ۱۱۵۳ھ

۱۵۴۔ سید عبدالقادر المشہور بہ شاہ گدا گیلانی قدس سرہٗ

والد کا نام سید عمر بن حاجی محمد ہاشم تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ
پائی تھی۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے علاوہ سید عبداللہ مکی، سید عبدالرحمٰن[3]
سید محمد بن سید علاء الدین حسینی ایسے باکمال بزرگوں سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ علوم تفسیر و حدیث
و فقہ کی سند اپنے خال مولانا سید اسماعیل گیلانی سے حاصل کی تھی۔ طب مولانا شاہ عبدالرسول زنجانی

---

[1] یہ شیخ الہ داد اپنے بھائی شیخ عبدالرحمٰن کے مرید نہ تھے بلکہ حضرت نوشاہ گنج بخش کے مرید و خلیفہ تھے۔ (رسالہ احمد بیگ۔ تذکرہ نوشاہی)

[2] شیخ عبدالرحمٰن کا صحیح سال وفات ۱۱۵۵ھ ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ شاہ عبدالرحمٰن پاک مصنفہ سید شرافت نوشاہی اور شریف التواریخ کی دوسری جلد موسوم بہ طبقات النوشاہیہ طبقہ پنجم۔

[3] اپنے عہد کے عالم باعمل اور شیخ کامل تھے۔ شیخ عبداللہ مولف سراج السالکین کے مرید اور شاگرد تھے۔ سلسلۂ بیعت حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری تک منتہی ہوتا ہے۔ ڈھل محلہ لاہور میں رہتے تھے۔ مزار محلہ کاغذ کو باں میں ہے۔

لاہوری سے پڑھی تھی۔ اپنے عہد کے باکمال عالم و عارف تھے۔ بڑے شہ زور تھے۔ شکار کا بھی شوق تھا۔ ایک دفعہ جنگل میں شیر سے مقابلہ آ پڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایسا جھنجھوڑا کہ اس کے ہاتھوں کے جوڑ الگ الگ ہو گئے۔ آپ نے جہاں اپنے علمی و روحانی فضل و کمال سے دنیا والوں کو فیض بخشا وہاں طبابت سے بھی خلقِ خدا کی بڑی خدمت کی۔ صاحبِ قلم تھے۔ کتاب کشف الاسرار خورد، کتاب کشف الاسرار بزرگ اور رسالۂ اسرار الکتمانی علمِ حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

بقول صاحب شجرۃ الانوار ۱۱۵۴ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ چار فرزند، سید یوسف، سید محمد غوث، سید اصغر علی صاحبِ شجرۃ الانوار، سید ابو صالح اولادِ امجاد سے تھے۔

قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

شاہِ عالم شیخ عبد القادر است — میرِ اکبر پیشوا و رہنما!

شد عیاں تولید "صابر حق پرست" — نیز فرما "مرشد دیں مجتبیٰ"!

ارتحالش بگو "عالی مرتبت"! — نیز "مہدی متقی مقتدا"

۱۱۵۴ھ — ۱۱۵۴ھ

۱۵۵۔ شاہ فرید قادری نوشاہی لاہوری قدس سرہٗ

والد کا نام سید محمد علی بن سید علی بن سید فتح علی تھا۔ ساداتِ حسینی بھاکری سے تھے۔ دریائے چناب[1] کے کنارے پر رسول نگر میں سکونت رکھتے تھے۔ حضرت پیر محمد سچیار قادری نوشاہی کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ طبع عالی پر جذب و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ ذوقِ وجد و سماع بھی تھا۔ تکمیل سلوک کے بعد مرشد نے خرقۂ خلافت سے نوازا اور لاہور میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ لاہور آ کر قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے نام پر کوٹلہ شاہ فرید آباد کیا۔

---

[1] دریائے چناب کے کنارے پر رسول نگر ۱۱۹۹ھ میں آباد ہوا اور شاہ فرید کے آباؤ اجداد کی اس سے سو سال پہلے، کس طرح رسول نگر میں سکونت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ (تاریخ عباسی قلمی سند شرافت نوشاہی)

بتمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ بقول صاحبِ تذکرہ نوشاہی[1] ۱۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

چوں فرید زمانہ سیّدِ دیں! | فرد و یکتا بباغِ خلد رسید
رحلتش "والیٔ خلافت" داں | ہم بخواں "آفتابِ فقرِ فرید"!
۱۱۰۵ھ | ۱۱۰۵ھ

۱۵۶۔ شیخ فتح محمّد قادری نوشاہی قدس سرّہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے مرید تھے۔ آپ کے ہدایت یافتہ ہونے کا واقعہ اس طرح پر ہے کہ حضرت نوشاہ نے انہیں خواب میں آکر اپنا تعارف کرایا اور ارشاد کیا کہ تمہارا حصّہ ہمارے پاس ہے ساہن پال آکر لے لو۔ اس نے کچھ تغافل شعاری سے کام لیا۔ جب دوسری تیسری مرتبہ آپ نے پھر خواب میں آکر انہیں متنبہ کیا تو یہ فوراً روانہ ہو گئے۔ جب بمقام ساہنپال پہنچے تو دیکھا کہ سامنے سے ایک جنازہ آرہا ہے اور ایک جمِ غفیر اس کے ساتھ ہے۔ یہ بھی از رہِ ثواب جنازہ کے ساتھ ہو لئے۔ نمازِ جنازہ کے بعد جب لوگوں نے آخری زیارت کے لئے متوفی کا مُنہ کھولا تو یہ بھی وہاں پہنچے۔ دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو مجھے خواب میں آکر حصّہِ باطنی کے لے لینے کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ آپ کا نام پوچھا۔ لوگوں نے حاجی محمد نوشاہ گنج بخش بتایا۔ سُنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور ایک طویل عرصے کے بعد ہوش میں آئے۔ جب ہوش میں آئے تو مستانہ وار دشت نوردی کرنے لگے۔ حضرت نوشاہ کی روحانی توجہ سے عرش سے فرش تک ان پر اسرار و رموز منکشف ہو گئے اور رکا ملانِ وقت سے ہو گئے۔ ان کا کام یہاں تک ترقی کر گیا کہ باشندگانِ علاقہ پوٹھوہار آپ کے عقیدت مندوں سے ہو گئے۔ آپ وحوش و طیور سے

---

[1] مفتی غلام سرور صاحب کی فاش غلطی ہے۔ کتاب تذکرہ نوشاہی ۱۲۶ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں شاہ فرید کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ مفتی صاحب اس کے حوالہ سے وفات شاہ فرید ۱۱۰۵ھ لکھتے ہیں، جو اس کی تصنیف سے بارہ سال بعد کا واقعہ ہے۔

باتیں کیا کرتے تھے۔

آپ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار ملک پوٹھوہار میں ہے۔ ؎

شیخِ دیں فتح محمد نورِ حق! — شد چو از دنیا بفردوسِ بریں

سن و سالِ ارتحالِ آنجناب — ہست "مفتاحِ ولایت حسن دین"[1]

۱۱۵۸ھ

۱۵۷۔ شیخ عنایت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ محمد برخوردار کے فرزند ارجمند تھے اور حضرت شاہ حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے پوتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن المشہور پاک رحمان قدس سرہ سے تربیت و تکمیل پائی تھی۔ صاحب فضل و کمال تھے۔ حالتِ استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ گیارہ سال تک طعام نہیں کھایا۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی بختاور نامی ایک شخص کی زبانی جو موضع ٹھٹھہ عثمان کا مقدم تھا، بیان کرتے ہیں کہ شیخ عنایت اللہ زیادہ تر اپنی زرعی اراضی پر رہا کرتے تھے اور وہاں اپنے رہنے کے لئے ایک حجرہ بنالیا تھا۔ ایک رات میں آپ کی زیارت کے لئے گیا۔ جب حجرے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا ایک ایک عضو تن بدن سے جدا جدا پڑا ہوا ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور دل میں کہنے لگا نہ جانے کون ظالم بے رحم قزاق غارت گر آپ کو شہید کر گیا ہے۔ میں ابھی اسی عالمِ حیرت میں تھا کہ آپ کے بھائی شیخ عصمت اللہ تشریف لے آئے۔ فرمایا: بختاور یہ مقامِ حیرت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ شیخ عنایت اللہ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا رفت چوں در خلدِ اعلیٰ — شہ جن و بشر میر عنایت

وصالِ او عیاں شد "مظہر جود" — دگر "عالی قدر میر عنایت"[2]

۱۱۵۸ھ — ۱۱۵۸ھ

---

[1] شیخ فتح محمد کا سنِ وفات ۱۱۱۹ھ ہے۔ مزار ساگری ضلع جہلم میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول ص۳۶۲)

[2] حضرت عنایت اللہ کا صحیح سنِ وفات ۱۱۴۰ھ ہے۔ (اذکار نوشاہیہ ص۶۲)

۱۵۸۔ شیخ محمد سلطان لاہوری المشہور بہ مرگ نینی قادری قدس سرہٗ

سلسلۂ قادریہ میں عظیم القدر بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شاہ کے مرید و خلیفہ تھے عجیب و غریب احوال و مقامات کے مالک تھے۔ مجذوبوں میں مجذوب اور سالکوں میں سالک تھے۔ طبع عالی پر جذب و سُکر اور عشق و محبت کا غلبہ طاری رہتا تھا۔ قدرت نے آنکھیں بڑی خوبصورت دی تھیں اس لئے بارگاہِ مرشد سے مرگ نینی یعنی آہُو چشم کا خطاب حاصل تھا۔ ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے شاہ نواز خاں صوبہ دار لاہور نے آپ کا مزار تعمیر کرایا تھا۔

چو سلطانِ دنیا و دیں بادشاہ! ز دنیائے دوں شد بہ ملکِ جناں
وصالش شدہ روشن از "نوربخش" دگر "شیخ سلطان محمود" خواں
۱۱۵۸ھ ۱۱۵۸ھ

۱۵۹۔ سید شاہ حسین بن سید نور محمد بن شاہ امیر سجادہ نشین حجرہ قدس سرہٗ

اپنے علمی و روحانی فضل و کمال کے باعث مشائخ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت شیخ گزرے ہیں۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ مکارمِ اخلاق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ کسی حادثہ کے باعث آپ کے ساتھی سواروں میں سے ایک سوار کے گھوڑے کی آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا۔ فرمایا: ابھی یہ ڈھیلا گھوڑے کی آنکھ میں رکھ کر پٹی باندھ دو۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: گھوڑے کی آنکھ سے پٹی کھول دو۔ چنانچہ پٹی کھول کر گھوڑے کی آنکھ کو دیکھا گیا تو درست اور صحیح و سلامت تھی اور اسے نظر آ رہا تھا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ سفر میں تھے۔ رات کو ایک جگہ پر قیام فرمایا۔ آپ آرام فرما رہے تھے کہ چند قزاقوں نے آکر سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں خادم کی آنکھ کھُل گئی۔ اس نے آپ کو پکارا کہ تشریف لائیے، مدد کیجئے۔ قزاق سامان لُوٹ رہے ہیں۔ فرمایا: کچھ غم نہ کرو، لُوٹنے دو واپس لے آئیں گے۔ قزاق سامان لُوٹ کر ابھی تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ دیوانے ہو گئے اور کُتوں کی طرح آواز نکالنے لگے۔ اُلٹے پاؤں حاضرِ خدمت ہو کر معذرت چاہی۔ آپ نے اپنے

لوٹے سے پانی لے کر ان کے منہ پر چھڑکا۔ اسی وقت اپنی اصلی حالت میں آ گئے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ بقول صاحب سراج الاولیاء ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

بعد حسن چوں ازجہاں رفت بست　　شہ محسن آں پیر کامل حسین!
بگو "مجتبیٰ شاہ عرفاں" وصال　　دگر "سید بو فضائل حسین"
۱۱۶۲　　۱۱۶۲

۱۶۰۔ میاں شیخ رحمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ برخوردار ابن حضرت نوشاہ عالیجاہؒ کے فرزند سوم تھے۔ صاحبِ علم وعمل تھے۔ زہد وورع، عبادت وریاضت اور سخاوت وشجاعت میں شہرۂ آفاق تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تھے آپ کے دادا حضرت نوشاہ گنج بخش نے آپ کے لئے دعائے درازیٔ عمر فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے طویل عمر پائی۔ بڑے پُر جلال تھے۔ ایک دفعہ حاکمِ پرگنہ نے ادائیگیٔ مالیہ کے لئے اپنا پیادہ بھیجا۔ اس پر جلال میں آ گئے۔ اُسی وقت حاکمِ پرگنہ کے پاس گئے۔ فرمایا کہ جب میں خود بخود مالیہ ادا کر دیتا ہوں تو پھر پیادہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی تو مسندِ حکومت کے لائق نہیں ہے تجھے معزول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اسی روز صوبہ دارِ لاہور کی طرف سے اسے اپنا معزولی نامہ وصول ہو گیا۔

مستی نور محمد ترکھان جو آپ کے خادموں سے تھا، موضع باہو کی میں کھیتی باڑی کرتا تھا وہاں کے مقدم مہربان نامی کچھ لگان بڑھا کر ایک سوار وصولی کے واسطے نور محمد کی طرف بھیجا، اس نے یہ واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ مہربان کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو نصیحت کی، وُہ باز نہ آیا۔ اس بات سے آپ جلالت میں آ گئے اور دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور کہا کہ تم کو خدا تعالیٰ ویران کر دے گا، اُٹھ کر گھر چلے آئے۔ ابھی آپ رستہ میں ہی تھے کہ اتفاقاً غیب سے اس گاؤں میں کہیں سے آگ لگ گئی اور سارا گاؤں جل کر راکھ ہو گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ شکار کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے، ساہن پال کے کچھ زمیندار بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں محمد قلی نامی ساہن پال کے بیٹے نے اپنی گھوڑی دوڑا کر

آپ کے گھوڑے سے آگے بڑھائی اور جاتے جاتے ایک کوڑا آپ کے گھوڑے کو بھی مارا۔ آپ نے اُسے بہ نگاہِ غضب دیکھا اور فرمایا۔ اب تو گھوڑی پر سوار نہیں ہو سکے گا۔ ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اس کی گھوڑی جس کی قیمت تقریباً چھ سات سو روپے تھی گِر کر فوراً مر گئی۔ پھر اس واقعہ کے بعد اس پر تنگ دستی و بدحالی ایسی مسلط ہوئی کہ مرتے دم تک خوشحال نہ ہو سکا اور کبھی گھوڑی میسر نہ ہوئی۔ ۱۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے جدِ بزرگوار کے متصل ہے۔

شد چو رحمت ازیں جہاں پدرود	ہست تاریخِ آں شہِ ابرار!
"رحمت اللہ ولیٔ رہبر" نیز	"رحمت اللہ معدن الانوار"!
۱۱۰۶ھ	۱۱۰۶ھ

۱۶۱۔ شیخ نصرت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ برخوردار ابن حضرت نوشاہ عالیجاہؒ کے فرزندِ چہارم تھے۔ عالم متبحر اور عارفِ کامل و اکمل تھے۔ تحصیلِ علوم سیالکوٹ میں کی تھی۔ اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر رہ کر سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ کی تکمیل کی تھی اور ریاضت و مجاہدہ سے ولایت باطنی کو کمال تک حاصل کیا۔ پدرِ بزرگوار کی وفات کے بعد احمد بیگ سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ ۱۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے والدِ گرامی کے مزار کے قریب ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں	نصرت اللہ رہبرِ کون و مکاں
"رستمِ عشق" است سالش کن رقم	نیز "نصرت واصلِ کامل" بخواں
۱۱۰۰ھ	۱۱۰۰ھ

۱۶۲۔ میر سید لکھے شاہ قادری شطاری قصوری قدس سرہٗ

سادات عظام سے تھے۔ وطن قصبۂ قصور تھا۔ حضرت عنایت شاہ قادری شطاری کے عظیم المرتبت مُرید و خلیفہ تھے جن کا سلسلۂ بیعت حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری تک منتہی ہوتا ہے۔

اپنے زمانے کے عالم وفاضل، عابد و زاہد، عارفِ کامل اور شاعرِ بے بدل تھے۔ پنجابی زبان میں آپ کی کافیاں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ تمام کلام موحدانہ اور عارفانہ ہے اور اپنے اندر ایک عجیب لذت و تاثیر رکھتا ہے۔ قوال اب بھی آپ کے کلام سے مجالسِ سماع کو گرماتے ہیں۔ ۱۱۷۱ھ میں وفات پائی۔ مزار قصور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چو بُلھے شاہ شیخِ ہر دو عالم — مقامِ خویش اندر خلد ورزید!!
رقم کن "شیخ اکرم" ارتحالش — وگر "ہادیٔ اکبر مستِ توحید"[1]

۱۶۳۔ سعداللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ برخوردار کے دوسرے فرزند ارجمند تھے۔ صاحب علم وفضل تھے۔ فنِ طبابت میں بھی مہارت کامل رکھتے تھے۔ ظاہری و باطنی طور پر مریضوں کی خبر گیری بھی کیا کرتے تھے۔

نقل ہے کہ جب آپ کے والد مولانا حافظ محمد برخوردار نے آپ کی شادی کر لینے کے بعد شیخ سعد اللہ اور نصرت اللہ دونوں بھائیوں کو اپنے اپنے گھروں میں الگ کیا تو شیر دار بھینس شیخ نصرت اللہ کو دی اور اس کا بچہ (کٹا) شیخ سعد اللہ کو عطا فرمایا۔ یہ بات آپ کو گراں گزری اور عرض کیا، یا تو یہ کٹا بھی نصرت اللہ کو دے دو یا بھینس میرے حوالے کر دو اور اگر یہی تقسیم آپ کو منظور ہے جو کہ کر دی ہے تو میں نے خدا تعالیٰ سے منظور کرا لیا ہے کہ یہ دونوں مر جائیں۔ چنانچہ

---

[1] حضرت بُلھے شاہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۲۹ء میں ایک مخطوطہ (مجموعہ وظائف) پر حضرت بُلھے شاہ کی ثبت مہر جس پر ۱۱۸۱ھ درج ہے، کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ بُلھے شاہ ۱۱۸۱ھ تک زندہ تھے۔ مولوی صاحب کا یہ تحقیقی مضمون "کلیات بلھے شاہ" شائع کردہ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور کے دیباچہ مرقومہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر میں من و عن درج ہو چکا ہے۔

واقعی وُہ دونوں بھینس اور کتّا دونوں مر گئے۔

نقل ہے کہ آپ موضع بھاگت کی میں اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ وہاں کا مقدم (نمبردار) سیدا نام معاملہ وصول کرنے پر آپ کو بہت تکلیف دیا کرتا، آپ صبر کیا کرتے۔ جب اس کی دشمنی اور بداعمالی حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے فرمایا، اے سیدا! اب وقت آپہنچا ہے کہ تو اب اپنی بداخلاقی کے باعث غضبِ الٰہی میں گرفتار ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس کے دونوں بیٹے جو بڑے لائق تھے، مر گئے اور مال و اسباب چوروں نے لُوٹ لیا اور وہ خود اندھا ہو کر بدحالی میں ایسا گرفتار ہوا کہ در در گدائی کرتا ہُوا مر گیا۔ شیخ سعد اللہ نے ۱۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

شیخ سعد اللہ ولیٔ دو جہاں	شد چو از دنیا بجنت شد قریب
سالِ تاریخِ وصالِ آں جناب	گفت سرور "شیخ سعد اللہ بجنت شد قریب" [۱]

۴۹۱۔ شیخ محمد عظیم قادری قدس سرہٗ

حضرت شاہ مقیم محکم الدین صاحب حجرہ کی اولادِ امجاد سے تھے۔ موضع بیگم کوٹ لاہور میں سکونت تھی۔ اپنے وقت کے زاہد و عابد، عالم و عامل اور صوفیٔ کامل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں گزاری۔ جب احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملے کرنے شروع کئے تو اس کے لشکر کی تاخت و تاراج کی وجہ سے لاہور کی کئی مضافاتی آبادیاں خالی ہو گئیں۔ بیگم کوٹ کے گرد و نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اکثر و بیشتر لوگ افغانی غارت گری کے خوف سے اپنے مال و متاع اور متعلقین کو لے کر نقلِ مکانی کر گئے ہیں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا جو کوئی بیگم کوٹ میں آجائے گا وہ محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہُوا اور بیگم کوٹ افغانوں کی لُوٹ مار سے محفوظ رہا۔ ۱۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

---

[۱] شیخ سعد اللہ کا صحیح سالِ وفات ۱۱۲۵ھ ہے۔ (اذکار نوشاہیہ ص ۲۵)

چوں محمد عظیم اعظمِ وقت ! ! شد بصد عظمت از زمانہ جدا
رحلتش "فاضلِ کریم" آمد نیز "شیخ جلال اہلِ صفا"
۱۱۸۱ھ ۱۱۸۱ھ

۱۶۵۔ شاہ سردار قادری قدس سرہٗ

صاحب خاں کلاں قادری کے مرید و خلیفہ تھے جنہوں نے حضرت شاہ میر سجادہ نشین حجرہ سے ظاہری و باطنی فیض پایا تھا۔ اپنے عہد کے جید عالم اور صوفیٔ کامل تھے۔ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ میں لاثانی ہے۔ موضع بابک وال جو لاہور شہر سے تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے سکونت رکھتے تھے۔ یہیں تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں میں جب افغانی لشکر نے لاہور کے گردو نواح میں تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا تو مضافات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، دعا فرمائیے کہ ہم افغانی غارت گری سے محفوظ و مامون رہیں۔ آپ نے اپنا خرقہ اتار کر انہیں دیا اور فرمایا: اسے اپنے گاؤں کے گرد پھرائیں۔ چنانچہ جن جن گاؤں والوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا وہ ہر طرح سے امن و امان میں رہے۔ ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

شاہ سردار آں ولیٔ متقی ! شد چو از دنیا بجنت جست راہ
گشت روشن از خرد "خورشید دیں" سالِ وصلِ شاہ ہمچو مہر و ماہ
۱۱۸۴ھ

۱۶۶۔ سید میر محمد شاہ عبد الرزاق خلف شاہ محمد ہاشم برادر شاہ حسین صاحب حجرہ قادری قدس سرہٗ

میر محمد شاہ نام، عبد الرزاق لقب تھا۔ جامع علومِ ظاہری و باطنی تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں وحید العصر اور تجرید و تفرید میں فرید الدہر تھے۔ کشف و کرامت میں بڑے اخفا سے کام لیتے تھے۔ بے حد مستغنی المزاج تھے۔ دنیا و اہلِ دنیا سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ بقول

صاحب اسرار الاولیاء ۱۰۸۴ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔ چار فرزند شاہ صدر الدین الملقب بہ شیرِ خدا۔ شاہ سعد الدین ثابت قدم۔ شاہ سیف الدین۔ شاہ طالب الدین اولاد سے تھے۔ شاہ سیف الدین حیاتِ والد ہی میں وفات پا گئے تھے۔

عبدِ رزاق میر عالی جاہ ۔۔۔ ذات پاکش بدو جہاں طاق است

ہست "غیب اللسان" سالش نیز ۔۔۔ "متقی میر عبد رزاق" است

۱۰۸۴ ۱۰۸۴

۱۶۷۔ شیخ مصاحب خاں خرد قادری لاہوری قدس سرہٗ

سید شاہ سردار کے کامل و اکمل مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد میں علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور چھ سال تک درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کے حلقۂ درس سے پانچ سو حافظ حفظِ قرآن کی نعمت سے مالا مال ہو کر نکلے۔ ۱۰۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

چوں مصاحب بہ رحمتِ باری ۔۔۔ یافت دربارگاہِ جنت بار!

جو وصالش ز "میر نعمت فقر" ۔۔۔ بارِ دیگر ز "مخزن الاسرار"!

۱۰۹۰ھ ۱۰۹۰ھ

۱۶۸۔ شاہ صدر الدین بن سید میر محمد عبد الرزاق قدس سرہٗ

صاحبِ علم و عمل تھے۔ سخاوت و شجاعت، عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں مقامِ بلند اور درجۂ ارجمند رکھتے تھے۔ آپ کے آستانۂ عالیہ پر جو آتا تھا، محروم نہ جاتا تھا ایک خلقِ کثیر نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ شوقِ شہادت بیحد تھا۔ اسی شوق میں سپاہ گری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ کفار سے اکثر معرکہ آرا رہتے تھے۔ ۱۰۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

صدرِ عالم صدرِ دیں صدر الصدور ۔۔۔ مظہرِ دیں مصدرِ فیضِ نبی

جلوہ گر شد از خرد "مہتاب خلد"	سرورا تولید آں والا ولی
سال وصل آں شہِ عالی جناب	جست "صدر الدین امیر متقی"

۱۶۹۔ سید سعد الدین بن سید میر محمد عبد الرزاق قادری صاحب حجرہ قدس سرہٗ

علم و فضل، صدق و صفا اور جود و سخا میں شہرۂ آفاق تھے۔ تمام عمر ظاہری و باطنی جہاد میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ تمام عمر درس و تدریس اور اشاعتِ دینِ متین میں مصروف رہے۔

بقول صاحبِ اسرار الاولیاء ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

باسعادت شد چو از دارِ فنا	اسعد دورِ زماں شیخ ظہور!
"گوشۂ فیض" است تاریخش دگر	"سید الابرار ہادیٔ شمعِ نور"

۱۷۰۔ شیخ جان محمد قادری لاہوری قدس سرہٗ

شیخ مصاحب خاں خرد لاہوری قادری کے باکمال اور صاحبِ کرامت مرید و خلیفہ تھے۔ علم و عمل اور ہدایت و تلقین میں ممتاز الوقت تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تادمِ زیست عوام و خواص کی تہذیب و تکمیل میں مصروف رہے۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سکھوں کی لوٹ مار کے باعث پنجاب میں ہر طرف بے چینی و بدامنی پھیلی ہوئی تھی مضافاتِ لاہور کی آبادیاں افغانی لشکر کی غارت گری اور سکھوں کی تاخت و تاراج کی وجہ سے ویران ہو رہی تھیں۔ اکثر و بیشتر آبادیاں نقلِ مکانی کر گئی تھیں۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے، طالبِ دعا ہوئے اور بچاؤ کی تدبیر کی درخواست کی۔ فرمایا: میرا عصا لے جاؤ اور اپنے اپنے گاؤں کے گرد اس سے خط کھینچ دو، ان شاء اللہ محفوظ رہو گے چنانچہ آپ کی دعا اور توجہ سے ایسا ہی ہوا۔ ۱۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع بابک وال میں ہے۔

ز دنیا شد چو در خلدِ معلیٰ   شہِ عالم ولی جانِ محمد
وصالِ او ز "شیخ رہنما" جو   دگر فرما "غنی جانِ محمد"
۱۲۰۶ھ   ۱۲۰۶ھ

۱۷۱۔ شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادری لاہوری قدس سرہٗ

مشائخ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں۔ صاحبِ علم وفضل تھے۔ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں ممتاز الوقت تھے۔ ذات کے بلوچ تھے۔ ساربانی پیشہ تھا۔ صاحبِ ثروت تھے۔ شیخ شرف الدین پانی پتی کے مرید وخلیفہ تھے۔ سلسلۂ بیعت چار واسطوں سے حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ جب سلوک میں قدم رکھا تو تمام مال ومتاع راہِ خدا میں لٹا دیا۔ تکمیل سلوک کے بعد حکمِ مرشد کے مطابق لاہور آکر لوگوں کی ظاہری وباطنی تہذیب وتربیت میں مشغول ہو گئے۔ موضع مزنگ میں اپنے نام پر ایک محلہ آباد کیا جو اب تک کوٹ عبداللہ شاہ کے نام پر مشہور ہے۔ یہیں تمام عمر درس وتدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئی۔

آپ کے خلفاء میں سے مولانا مفتی شیخ فیض بخش[۱] لاہوری قریشی ہاشمی، مولانا غلام[۲] محمد

---

[۱] مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیا کے جدِ امجد اور حضرت مولانا مفتی قاضی شیخ محمد مکرم کے پوتے تھے، جنہیں احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۰ھ لاہور کا مفتیِ اعلیٰ مقرر کر کے عہدۂ افتاء وقضا دونوں آپ کے سپرد کر دیئے تھے۔ مولانا فیض بخش اپنے عہد کے جید عالم، فقیہ فاضل اور عارف کامل تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر درس وتدریس اور ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ مدفن مرشد کے مزار کے متصل ہے۔

[۲] مولانا محمد صدیق کے فرزندِ ارجمند تھے۔ حافظِ قرآن اور بلند پایہ عالم تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسجد وزیر خاں کے امام رہے۔ کتابتِ قرآن سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے اس میں سے بھی اپنا حصّہ نکال کر باقی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بڑے شفیق وحلیم تھے۔ درس وتدریس میں طلبہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ صاحبِ تصنیف تھے۔ کتاب شمس التوحید۔ فارسی نثر میں اور گنجِ مخفی نظم میں آپ کی تصانیف سے ہیں۔ ۱۲۲۲ھ میں وفات پائی۔ مرقد مسجد وزیر خاں کی جنوبی دیوار کے باہر ہے۔

المشہور امام گاموں امام مسجد نواب وزیر خان، مولانا حافظ اللہ یار پشاوری[1] قابلِ ذکر ہیں جو اپنے کمال علم وفضل کے باعث مشہورِ زمانہ ہوئے ہیں۔ مولانا شیخ مراد بخش[2] بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں شیخ عبداللہ شاہ بلوچ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میں علمِ کیمیا کا شائق ہوں۔ بڑی محنت اور روپیہ صرف کرنے کے باوجود میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ معلوم نہیں آیا یہ کوئی علم بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس معاملے میں میری رہنمائی فرمائیں تو ممنونِ احسان ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: بہتر۔ جاؤ کچھ تانبے کے پیسے، سم الفار اور گندھک لے آؤ۔ وہ اسی وقت بازار جا کر یہ سب چیزیں لے آیا۔ مجھے فرمایا کہ جس مٹی کے پیالے میں ہم کھانا کھاتے ہیں وہ اٹھا لاؤ اور تانبے کے پیسے اس میں ڈال کر سم الفار اور گندھک بھی شامل کر دو۔ اوپر کوئلے بھر کر آگ دے دو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا: چمٹے سے پکڑ کر ایک پیسہ باہر نکالو۔ میں نے پیسہ نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس ہندو سے فرمایا: اسے کوٹو۔ جب سیاہ پردہ دُور ہو گیا تو زرِ خالص نکل آیا۔ وہ ہندو اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر آپ کا مرید ہو گیا۔

نقل ہے ایک شخص نے عملیات کے ذریعے ایک جن کو مسخر کر رکھا تھا اور اسے کسی پرانی قبر کے نیچے چھپا کر اس سے جو چاہتا، کہلواتا۔ اس چیز نے اسے عوام میں صاحبِ کرامت مشہور کر رکھا تھا اور اکثر جہلا اس کے دامِ فریب میں گرفتار تھے۔ ایک روز یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اگر آپ کو دعوائے فقر ہے تو مجھے کوئی کرامت دکھائیے، نہیں تو میں دکھاتا ہوں۔ پھر

---

[1] صاحبِ علم وعمل وصوفیِ کامل تھے۔ مرشد نے بہ ایمائے ربانی خود پشاور جا کر مرید کیا اور درجۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مزار پشاور میں ہے۔

[2] مولانا مفتی شیخ فیض بخش کے فرزند تھے۔ تعلیم وتربیت اپنے والدِ بزرگوار سے پائی تھی۔ سلسلۂ قادریہ میں انھی کے مرید وخلیفہ تھے۔ حضرت عبداللہ شاہ بلوچ سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ اسی طرح ان کے دوسرے حقیقی برادر مولانا شیخ امام بخش المتوفی ۱۲۴۳ھ بڑے عابد وزاہد اور صوفیِ باکمال تھے۔ کتابتِ قرآن سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ تمام عمر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے جدِ مادری تھے۔

آپ کو میرا مرید ہو جانا پڑے گا۔ میں مردۂ صد سالہ کو زندہ کہ کے گویا کرتا ہوں اور یہ کرامت مجھ سے کئی مرتبہ ظہور میں آ چکی ہے۔ میرے ساتھ آئیے میں آپ کو اس کا مشاہدہ کراتا ہوں۔ آپ کو گورستانِ میانی میں لے گیا اور کہا، بتائیے، کس مُردہ کو زندہ کردوں۔ آپ نے ایک قبر کا نشان دیا۔ اس نے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہا، یٰسین! ۔ اندر سے ندا آئی۔ والقرآن الحکیم ۔ کہنے لگا: دیکھئے مُردہ زندہ ہو گیا ہے، اب آپ اس سے جو چاہیں پُوچھیں یہ آپ کی ہر بات کا جواب دے گا۔ آپ نے قبر پہ پاؤں مار کر فرمایا: جو شخص اس قبر کے اندر چُھپا ہُوا ہے وُہ باہر آ جائے۔ اُسی وقت ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکا قبر سے باہر آ گیا۔ آپ نے پُوچھا: تُو کون ہے؛ اس نے کہا، میں جِن ہُوں اور کئی سالوں سے اس شخص کی قید میں ہُوں۔ اس کے حکم سے قبر کے اندر جا کر سوالوں کا جواب دیتا ہُوں۔ آپ نے فرمایا: میں تجھے اللہ کے حکم سے آزاد کرتا ہُوں اور اس شخص کے عملِ تسخیر کو باطل کرتا ہُوں۔ جِن اسی وقت غائب ہو گیا۔ حاضرین جو آپ کے ساتھ گورستان گئے تھے انہوں نے خوشی و مسرت کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا اور وُہ شعبدہ باز تائب ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں آ گیا۔ ۷، ماہ جمادی الاوّل ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع مزنگ کوٹ عبداللہ شاہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چو عبداللہ شاہ مردِ عجیب ... شد ز دنیا بسوئے دوست قریب
جستم از دل چو سالِ تاریخش ... گفت ہاتف بگوشِ ہوشُ "غریب"[1]
۱۲۱۲ھ

۱۷۲۔ شیخ محمود بن محمد عظیم قادری لاہوری قدس سرہٗ

مشائخ قادریہ میں مردِ صالح و مجیب الدعوات گزرے ہیں۔ سید صدر الدین بن سید عبدالرزاق صاحبِ حجرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حسنِ سیرت اور حسنِ صورت دونوں کے جامع تھے۔ ترکِ علائق،

---

[1] مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "عبداللہ شاہ بلوچ" مؤلفہ محمد دین کلیم مطبوعہ ۱۹۷۱ء

تجرید و تفرید اور عبادت و ریاضت میں مشہورِ زمانہ تھے۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں مصروف رہے۔ ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ دو فرزند سید غلام نبی اور سید غلام علی اولاد سے تھے۔ دونوں صاحبزادے عابد و زاہد اور صاحبِ کرامت تھے۔

رفت خوش محمود زیں دارِ فنا — چوں بروئیش گشت بابِ خلد باز
سالِ ترحیلش بسرور شد عیاں — محتشم محمود میرِ بے نیاز

۱۷۳۔ سید عادل شاہ المشہور سید تھو گیلانی بن سید فاضل بن حاجی محمد ہاشم قدس اللہ سرہم العزیز

عالم و عامل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں یگانۂ آفاق تھے۔ دعوتِ اسمائے الٰہی میں کامل و اکمل تھے۔ روزانہ خرچ اللہ تعالیٰ کے خزانۂ غیب سے حاصل ہوتا تھا۔ جو کوئی بھی حاضرِ خدمت ہوتا، محروم نہ جاتا۔ ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ وطن موضع لکھوال ضلع گجرات تھا۔ مزار لاہور میں ہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور رقم طراز ہیں، آپ کے نواسہ سید محمد شاہ گیلانی صاحبِ علم و فضل اور مظہرِ کمالاتِ ظاہری و باطنی ہیں۔ کئی دفعہ شرفِ ملاقات حاصل ہو چکا ہے۔ یگانگت و الفت میں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح آپ کے فرزند سید شاہ سردار صاحبِ حال و قال بزرگ ہیں اور میرے کرم فرماؤں سے ہیں۔ دونوں حضرات لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔

قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

سیدِ والا مراتب نیک ذات — شاہ عالم عادلِ دورِ زماں
سالِ تولیدش بہ اقوالِ صحیح! — "عادل و فاضل علیم" آمد عیاں
گشت سالِ انتقالش جلوہ گر! — "محرمِ اسرارِ عشق" اے مہرباں

۱۷۴۔ سید شادی شاہ قادری لاہوری قدس سرہٗ

ترکِ علائق میں بے مثال اور اخلاقِ محمدی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ موضع لکھوال ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ طویل عرصہ تک حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزارِ اقدس پر معتکف رہے اور بے اندازہ فیوض و برکات حاصل کئے۔ پھر بہ ایمائے باطنی لاہور ہی میں مقیم ہو گئے اور تا دمِ زیست ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چو از روئے زمیں مانندِ خورشید — نہاں شد میر شادی شاہ فردوس
بیاں شد "فاضلِ برحق" وصالش — عیاں شد "میر شادی شاہ فردوس"
۱۲۲۱ھ — ۱۲۲۱ھ

۱۷۵۔ شاہ سردار قادری قدس سرہٗ

شیخ جان محمد قادری لاہوری کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ بڑے بزرگ اور عابد و زاہد تھے۔ عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ قوم کے افغان تھے۔ کابل وطن تھا۔ وہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت بھی کابل ہی میں پائی۔ سنِ رشد کو پہنچے تو تلاشِ حق میں نکلے۔ کئی ایک مشائخ کی خدمت میں رہے۔ آخر لاہور آئے اور موضع بابک وال پہنچ کر شیخ جان محمد کی خدمت میں شرف یاب ہوئے اور مرشد کے زیرِ سایہ علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ محنت و مزدوری سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ شاہدرہ کی منڈی سے گندم اٹھا کر لاتے اور لاہور کی منڈی میں فروخت کرتے۔ نقد و جنس سے جو مزدوری میں ملتا اُس میں سے اپنا حصہ نکال کر باقی فقراء میں تقسیم کر دیتے۔ آج کی کمائی سے کل کے لئے باقی نہ رکھتے تھے۔ زندگی کا زیادہ عرصہ شاہدرہ میں گزارا۔

نقل ہے ایک روز سید قطب الدین بن سید صدر الدین گیلانی صاحبِ حجرہ آپ کی ملاقات کے لئے شاہدرہ تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں سید قطب الدین نے فرمایا، اس سال عادت کے خلاف ہم خربوزہ پکنے کے موسم میں شاہدرہ نہیں آئے اگر موسم ہوتا تو شاہدرہ کے

خربوزے کھاتے۔ یہ سن کر حضرت شاہ سردار مجلس سے اٹھے اور اپنے حجرے کے کوٹھے پر تشریف لے گئے اور وہاں سے نہایت عمدہ و شیریں و خوش رنگ خربوزے اُٹھا لائے اور سید قطب الدین کے سامنے رکھ دیے۔ عرض کیا: اگرچہ خربوزے پکنے کا موسم نہیں ہے مگر وہ کون سی چیز ہے جو اللہ کے فقیروں کے پاس نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر سید قطب الدین بڑے خوش ہوئے۔ اُن خربوزوں کو اپنے ہاتھ سے چیرا خود بھی تناول کیا اور حاضرین میں بھی تقسیم کیا۔ فرمایا: یہ بہشتی میوہ ہیں اور تمہیں شاہ سردار کے وسیلے سے میسر ہوا ہے۔

۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

آں شہِ حق و بشر سردار شاہ	یافت سرداری چو در خلد بریں!
سالِ ترحیل و وصالِ آں جناب	داں "ولیٔ رہبر سردار شاہ"

۱۲۲۵ھ

۱۷۶۔ سید علی شاہ قادری لاہوری قدس سرہٗ

ساداتِ گیلان سے ہیں۔ سلسلۂ طریقت بھی حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔ صاحبِ علم و عمل تھے۔ ۱۲۱۰ھ میں احمد آباد دکن سے لاہور آ کر اپنے لئے ایک مختصر سی جگہ دریائے راوی کے کنارے تجویز کر کے سکونت اختیار کر لی تھی۔ شب و روز عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ دریا میں طغیانی آئی کہ پانی شہر لاہور کی فصیل تک پہنچ گیا حتیٰ کہ آپ کی خانقاہ بھی گرنی شروع ہو گئی۔ رنجیت سنگھ حاکم لاہور و پنجاب نے آپ کو شہر میں لانے کے لیے کشتی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا: میرا خدا حافظ و ناصر ہے، میں نے اس سے دعا کی ہے کہ آئندہ دریا کا پانی بارش کے موسم کے سوا یہاں نہ آئے۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ دریا وہاں سے دُور چلا گیا پھر ادھر موسمِ برسات کے سوا کبھی پانی نہیں آیا۔

۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور جھنگی چراغ شاہ میں ہے جو آپ کے مرید و سجادہ نشین تھے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:-

رفت زیں دنیائے دُوں فانی چو در ملک بہشت — حضرت علی شاہ زماں شیخِ زماں!

رحلتش "سید علی نورِ زمن مخدوم" گو — "فضلِ نورانی" بداں "ہم شیخ نورانی" بخواں

۱۲۷۰ھ ۱۲۷۰ھ ۱۲۷۰ھ

۱۷۷۔ سیّد سردار علی شاہ شہید مقیم شاہی صاحب حجرہ قدس سرہٗ

جامع سیادت و شرافت تھے۔ علم و حلم، زہد و تقویٰ اور شجاعت و سخاوت میں یگانۂ آفاق تھے۔ تمام عمر ہدایت وارشادِ خلق میں گزاری۔ ۱۲۲۸ھ میں شہادت پائی۔ یہ سانحہ اس طرح پر ہوا کہ جب رنجیت سنگھ تمام پنجاب پر قابض ہوگیا تو صاحب سنگھ بیدی جو گورو نانک کی اولاد سے تھا اور موضع اونہ میں مقیم تھا اور رنجیت سنگھ اس کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ اس وجہ سے وُہ اکثر و بیشتر مسلمانوں پر ناروا ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ اس بد اندیش نے چاہا کہ حضرات پیرانِ حجرہ کی بھی زمین و جائداد پر قابض ہو جائے۔ اس وجہ سے وُہ اِن حضرات سے معاندانہ رویہ اختیار کئے رہتا۔ پہلے تو حضرت سردار علی شاہ نے "بہ دہنِ سگ لقمہ دوختہ بہ" پر عمل کرتے ہوئے اسے کچھ زر و نقد دے کر اہلِ حجرہ کو اس کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھا۔ لیکن جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا تو آپ چند خدام اپنے ہمراہ لے کر اس مفسد و حریص کی افہام و تفہیم کے لئے اونہ تشریف لے گئے۔ اس نے وہاں نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے آپ کو اور آپ کے خدام کو گرفتار کر کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اس پر اہلِ حجرہ بڑے مشوش ہوئے اور آپ کی رہائی کے لئے سوچنے لگے۔ آخر طے پایا کہ یہاں سے چودھری قادر بخش لاہور کو اونہ بھیجا جائے اور وہ کسی نہ کسی طرح حضرت کو وہاں سے رہا کرا لائے۔ چنانچہ اس تجویز کے تحت اس نے اونہ میں جا کر رہائش اختیار کر لی اور چند روز کے بعد ایک رات کو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا اور داخل ہوتے ہی تمام پا بہ زنجیر اسیروں کی زنجیریں کاٹنی شروع کر دیں۔ مگر حضرت نے از راہِ شفقت و عنایت یہ نہ چاہا کہ پہلے اُن کی رہائی عمل میں آئے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے دوسرے قیدیوں کو رہا کرایا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آپ کی اور آپ کے ہم جد ڈھولن شاہ کی اور ایک خادم کی رہائی عمل میں نہ آسکی اور صبح نمودار ہوگئی۔ چودھری قادر بخش، اس کے ہمراہی اور دیگر

خدام تو قلعہ کی دیوار پھاند کر بھاگ گئے۔ مگر آپ اور آپ کا ایک بھائی قلعہ کے اندر ہی رہ گئے۔ ڈھولن شاہ نے پا بہ زنجیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو قلعہ کی دیوار کے نیچے گرا دیا جس سے وہ سخت مجروح ہوئے اور ایک خادم انہیں اپنے گھوڑے پر اٹھا کر لے گیا۔ اتفاقاً راستے میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سید ڈھولن شاہ گھوڑے سے گر پڑے۔ خادم نے اس خوف سے کہ صاحب سنگھ بیدی کے آدمی اسے آکر پکڑ نہ لیں اُنہیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ ڈھولن شاہ نے بہ ہزار دقت اپنے آپ کو ایک کھیت میں چھپایا اور دن بھر وہیں پڑے رہے۔ رات کو کھیت کے مالک کا لڑکا وہاں آیا اس نے ڈھولن شاہ کو وہاں نہایت خستہ حالت میں پڑے ہوئے پایا اور یہ حالت جاکر اپنے باپ سے کہی باپ بیٹا سکھ ہونے کے باوجود انہیں اٹھا کر لے گئے اور صلاح یہ ٹھہری کہ رات گزرنے پر صبح کو انہیں اپنے گاؤں پہنچا دیا جائے۔ اُس سکھ نے اپنے ایک مسلمان ہمسایہ کو جو زراعت میں بھی اس کا شریکِ کار تھا یہ بات بتا کر اُسے تاکید کی یہ راز کسی پر کھلنے نہ پائے۔ مگر اس غدار اور لالچی مسلمان نے صبح ہوتے ہی اُس ظالم و مفسد صاحب سنگھ بیدی کو جاکر اس کی اطلاع دے دی۔ اُس نے فوراً اپنے سوار بھیجے کہ ڈھولن شاہ، اُس سکھ کو اور اس کے لڑکے کو گرفتار کرکے میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں اسیر ہو کر اُس کے سامنے آئے۔ اُس نے بلا توقف اِن تینوں کو نیز حضرت سردار شاہ کو اور ان کے ایک بھائی کو قلعہ کے اندر قتل کرا دیا اور اس مقتول سکھ کی تمام جائداد اس مخبر مسلمان کو دے دی۔

صاحبِ اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۹۵ھ اور شہادت ۱۲۲۸ھ میں واقع ہوئی۔ اِن کے بعد ان کے فرزند سید مدد علی شاہ سجادہ نشین ہوئے جو علم و فضل اور ارشاد و ہدایتِ خلق میں اپنے پدر بزرگوار کے صحیح جانشین تھے۔

قطعۂ تاریخ ولادت و وفات،

شہ و سردار محبوب الٰہی	شریف و سید و اشراف و دیندار
شد از دل عارفِ مشتاق پیدا	پئے تولیدِ آں سردار و ابرار
بوصلش "متقی زاہد شہنشاہ"	دگر برخواں "مقدس یہ اخیار"
۱۲ ھ ۲۸	۲۸

۱۷۸۔ حضرت شاہ غلام نبی قدس سرہٗ صاحبِ حجرہ

اپنے عالی مرتبت والد حضرت محمود بن محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد اور مرید و خلیفہ تھے۔ پدر بزرگوار کے فیضِ نظر سے صاحبِ علم و فضل و خوارق و کرامت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ موسمِ برسات میں دریائے راوی بڑی طغیانی پر تھا۔ امواجِ دریا شہر لاہور کی فصیل سے ٹکرا رہی تھیں۔ حتیٰ کہ کشتی میں سفر کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انہی ایام میں حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش کا سالانہ عرس آگیا۔ آپ نے اپنے مرید عمرالدین سے کہا: آج ہمیں عرس پر جانا ہے۔ اس نے عرض کیا، حضرت پانی اس قدر چڑھا ہُوا ہے کہ کشتی میں بھی عبور کرنا مشکل ہے۔ فرمایا: غم نہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) پس آپ نے موضع بیگم کوٹ سے دریا میں قدم ڈال دیا اور عمرالدین سے کہا، میرے قدم بقدم چلے آؤ اور دل میں کچھ اندیشہ نہ لاؤ۔ آج پانی ہمارے ٹخنوں تک ہے۔ چنانچہ وُہ بھی حکمِ مرشد کے مطابق آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ اس طرح دریا عبور کر کے مزار حضرت داتا گنج بخش پر پہنچ گئے۔ ۱۲۲۷ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں مضافاتِ بیگم کوٹ میں بیان کیا جاتا ہے۔

حاکمِ دیں شاہ غلام نبی — رفت زیں دیر چوں بخلدِ بریں!
گفت بتاریخ وصالش خرد — "طالب اللہ و غلام نبی"
۱۲ ـــ ۲۷

۱۷۹۔ سیّد قطب الدین المعروف بہ قطب الانام گیلانی قدس سرہٗ

قطب الدین نام، قطب الانام لقب، سیّد صدرالدین بن سید عبدالرزاق صاحبِ حجرہ کے نامور فرزندِ ارجمند تھے۔ جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ علم و حلم، زہد و ورع، عبادت و ریاضت اور جُود و سخا میں یگانۂ آفاق تھے۔ تمام عمر طلبہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل میں گزاری۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اکتسابِ فیض کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ کے جدِ بزرگوار سید عبدالرزاق بیمار ہو گئے، جب بیماری طویل ہو گئی تو آپ کے والدِ ماجد سید صدرالدین نے بارگاہِ خداوندی میں منت مانی کہ میں اپنے پدرِ بزرگوار کی صحت یابی کے لئے اپنے بیٹے قطب الدین کو تصدق کر دوں گا۔ ابھی آپ نے یہ بات پوری بھی نہ کہی تھی کہ قطب الدین جن کی عمر اس وقت چودہ برس کی تھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنے جدِ امجد کے گرد سات بار طواف کیا اور دادا جان کی دستار مبارک کو چارپائی سے اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ ان کے والد نے جب ان کی یہ حرکت دیکھی تو اپنے والدِ محترم کی ناراضی کے پیشِ نظر خاموش رہے۔ سید عبدالرزاق نے اسی وقت فرمایا: اے صدرالدین پشیمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تیری نذر کو قبول فرما لیا ہے اور وہ طواف کر کے تصدق ہو گیا ہے۔ سر پر پگڑی رکھنے سے یہ اشارہ ہے کہ وہ کسی اور کے توسل کے بغیر میرا جانشین ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا اپنے والد کی وفات کے بعد یہی سجادہ نشین ہوئے باوجودیکہ سردار علی خلفِ سید مدد علی موجود تھے۔ سید نعمت علی اور ان کی محترمہ ہمشیرہ نے بھی آپ ہی کی سجادگی پر اظہارِ رضامندی کیا۔

نقل ہے محمد شاہ اور احمد شاہ قریشی دونوں بھائی آپ کے مرید تھے اور قصبۂ جھنگ سیالاں میں سکونت رکھتے تھے ان کی ہمشیرہ لاولد تھی۔ ایک دفعہ آپ جھنگ تشریف لے گئے تو اس خاتون نے آپ کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا کہ میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گی جب تک آپ مجھے فرزند کی بشارت نہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا: تیری قسمت میں فرزند نہیں ہے مگر ہمارے ہاں ایک فرزند کا ہونا مقدر ہے وہ فرزند ہم نے تجھے دیا۔ یہ مژدہ سن کر اس خاتون نے آپ کے قدم چھوڑ دیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند سے نوازا اور اس کا نام بہادر شاہ رکھا گیا۔

صاحبِ اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۸۷ھ میں ہوئی اور وفات ۶۔ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں پائی۔ پہلے بیگم کوٹ میں مدفون ہوئے پھر سید مدد علی شاہ نعشِ مبارک کو نکال کر بمقام حجرہ لے گئے اور وہاں دفن کیا۔ قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

قطبِ اقطاب آں شہ قطب الانام — میر قطب الدین ولیٔ متقی!

سالِ تولیدش ز چرخِ چارمیں — طرفہ "خورشید نبیؐ" شد منجلی

رحلتش مخدومِ نعمت کن رقم — نیز "قطب الافضلیں کامل ولیؒ"

۱۸۰۔ شیخ مسلم خان قدس سرہٗ

پنجاب کے طبقۂ امراء سے تھے۔ ترکِ علائق کر کے راہِ سلوک میں قدم رکھا اور شاہ سردار قادری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر تکمیلِ سلوک کی اور خرقۂ خلافت پایا۔ مرشد کے کامل ترین اور فاضل ترین خلفاء سے تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر ارشاد و ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

جنابِ شیخ مسلم خان والا به جنت رفت زیں دنیائے پر شور
چوں تاریخِ وصالِ او بجستم ندا آمد ز دل "محبوب منظور"
۱۲۵۴ھ

(الحمد للہ کہ اردو ترجمہ مخزن اوّل و دوم مکمل ہوا)

کتبہ: محمد شریف کڑیالوی